رکے تو چاند چلے تو ہواؤں جیسا ہے   وہ شخص دھوپ میں دیکھو تو چھاؤں جیسا ہے

حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

احمدی نوجوانوں کیلئے

ماہنامہ

خالد

ربوہ

اگست۔ستمبر ۱۹۹۹ء

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

یہ محبت تو نصیبوں سے ملا کرتی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

احمدی نوجوانوں کے لئے

ماہنامہ **خالد** ربوہ

ایڈیٹر
سید مبشر احمد ایاز

تبوک 1378 ہش (اگست) ستمبر 1999ء جلد 46 شمارہ 11

فہرست مضامین

قیمت پرچہ: -/14 روپے ☆ سالانہ چندہ: -/70 روپے رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ خالد دار الصدر جنوبی ربوہ

پبلشر: مبارک احمد خالد پرنٹر: قاضی منیر احمد مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

اداریہ

نعمت' اور شکر نعمت

کائنات میں جو کچھ بھی ہے اس کو دیکھنا' اس کا بغور مشاہدہ کرنا اور غور و فکر کرنا بہت مفید ہوتا ہے اور عقلمند لوگوں کے لئے تو ایسے اشارے اور نشانات موجود ہوتے ہیں کہ جو ساری دنیا کے لئے سنگِ میل بن جایا کرتے ہیں۔ حیرت انگیز انقلابات کا باعث بن جاتے ہیں۔

لیکن اس سے بھی آسان اور عام اور ایک اعتبار سے معمولی بات ہے کہ کبھی آپ نے "Wildlife" کے متعلق ویڈیو کیسٹس دیکھی ہوں۔ جس میں جنگلی جانوروں مثلاً شیر' ہاتھی' چیتا' ہرن وغیرہ بے شمار مخلوق پر بڑی تفصیل سے فلمیں تیار ہوتی ہیں۔ ایک صحت مند تفریح ہے اپنے فارغ اوقات میں ان فلموں کو دیکھنا۔ ان میں یہ نظارے عام دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور ہیں بھی درست۔ وسیع و عریض جنگل ہے ایک طرف جنگلی بھینسے ہیں۔ ہرن ہیں' زیبرے ہیں۔ ادھر اُدھر' اپنی مرضی سے کھا پی رہے ہیں۔ جس کا جدھر منہ آیا اٹھا کر چل دیا اور کہیں بیٹھ گیا اور پھر اٹھا اور گھاس چرنا شروع کر دیا وغیرہ وغیرہ۔

اتنی دیر میں جھاڑیوں میں چھپا ہوا شیر یا چیتا نمودار ہوتا ہے اور ایک جست لگا کر ہرن کو' زیبرے کو' جس کا جی چاہے اس کو وہ قابو کر لیتا ہے اور اپنی خوراک حاصل کرتا ہے......

اور بعض اوقات تو شیر کو چھپنے کی بھی ضرورت نہیں۔ پورا گلہ اس کی پہنچ میں ہوتا ہے۔ اس کے تیور بتا رہے ہوتے ہیں کہ وہ سارے ریوڑ کو اپنی ملکیت اس طرح سمجھتا ہے کہ جب چاہے جس کو چاہے وہ پکڑ کر کھا سکتا ہے اور ایسا ہی ہوتا ہے......

لیکن اس کے برعکس ایک اور مشاہدہ بھی ہم کرتے ہیں کہ ایسے ہی چھوٹے جانور مثلاً بھیڑ بکریاں ایسے ہی ریوڑ کی شکل میں ہوتے ہیں۔ وہ بھی وسیع علاقوں میں اپنی مرضی سے ہی گھاس کھاتے ہیں۔ چرتے ہیں اور خوب مزے بھی کرتے ہیں۔ لیکن شیر کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کی طرف آنکھ اٹھالے۔ آنکھ اٹھاتا بھی ہے تو حسد کی آنکھ ہو گی' بے بسی کی آنکھ ہو گی۔ کچھ پیش نہیں جاتی اس کی۔ وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس ریوڑ کا ایک چرواہا ہوتا ہے ایک گلہ بان ہوتا ہے جو ان کی حفاظت کرتا ہے۔ ایک مضبوط عصا ہاتھ میں لئے وہ ان کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ کبھی وہ ان کے آگے چلتا ہے۔ تو کبھی پیچھے۔ کبھی وہ ان کے درمیان ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ اونچی جگہ پر جا کر بیٹھ جاتا ہے اور چاروں طرف نظر ڈال کر ان کی رکھوالی کرتا ہے اور یہ جانور بڑے آرام سے بے خوف و خطر مزے لوٹ رہے ہوتے ہیں۔ یہ جانور جب تھک کر اونگھنے لگتے ہیں تو ان کا چرواہا اور زیادہ مستعدی کے ساتھ جاگ کر ان کی حفاظت کرتا ہے اور انجام کار شام کو وہ جب جانوروں کو واپس لاتا ہے تو وہ جانور خوش باش بھرے ہوئے پیٹوں کے ساتھ واپس لوٹتے ہیں اور جس تعداد میں وہ گن کر لے کر جاتا ہے اُسی تعداد میں ہی گن کر وہ ان کو اندر بند کر دیتا ہے۔

یہ نظارے جب دیکھیں تو پھر خلافت کا نظام اور اس کی برکات پر غور کریں تو اس مثال سے شاید خلافت کی برکتوں میں سے کچھ کا ہمیں احساس ہو جائے۔ خلافت کی بے شمار برکات ہیں اور اتنی برکات ہیں کہ شاید کچھ کا تو ہم تصور بھی نہ کر سکیں ہر ایک کی سمجھ سے بھی بالا ہیں لیکن بہت ساری برکات ایسی ہیں کہ ہم بڑی آسانی سے وہ محسوس کر سکتے ہیں' دیکھ سکتے ہیں' جان سکتے ہیں اور ان کی خواہش کر سکتے ہیں' ان کی اہمیت و افادیت کا اقرار کر سکتے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جس کا ذکر ایک مثال کے رنگ میں اوپر کیا جا چکا ہے۔

دراصل بنا خلافت کے' بنا ایک امام کے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں جس طرح جنگل میں بغیر چرواہے کے چرنے والے جانور اور بھیڑ بکریاں' ایک

کو تاہ نظر یہ محسوس کرے گی کہ کتنے مزے میں ہیں یہ جانور' کوئی قید نہیں' کوئی پابندی نہیں' کوئی لاٹھی ہاتھ میں لیکر ہانکنے والا نہیں۔ کتنے مزے سے جہاں جی چاہے یہ جاتے ہیں۔

لیکن وہ لمحات کتنے خوفناک اور دردناک ہوتے ہیں جب کوئی دوسرا بڑا جانور شیر یا درندہ آتا ہے اور آناً فاناً جتنے جانوروں کا دل کرے چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے اور باقی جدھر منہ اٹھایا بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور یہ انتشار وافتراق روز ہوتا ہے۔ دن میں کئی کئی بار ہوتا ہے۔ لیکن اس ہلاکت سے کوئی بھی انہیں نہیں بچا سکتا۔ لیکن وہ ریوڑ جس کا ایک گلہ بان ہو۔ اس کی طرف کوئی آنکھ بھی نہیں اٹھاتا۔

تو خلافت کا کردار بھی ایسے ہی ایک "حصار" کی مانند ہے۔ "عافیت کا حصار" کسی کی جرأت نہیں کہ کوئی میلی آنکھ اس جماعت کی طرف اٹھا کر دیکھے کوئی مائی کا لال نہیں جو اس کو ہاتھ بھی لگا سکے۔ دنیا بھر کے درندوں سے خلافت ایک مضبوط "عافیت کا حصار" کا باعث ہوتی ہے۔ ایک محفوظ پناہ گاہ۔ ایک "گلہ بان" کی مانند تمام لوگ اس کی نگرانی میں ہوتے ہیں۔ وہ کبھی ان کے آگے ہوتا ہے اور تیز گام چلتا ہوا ترقی کی منازل بڑی سرعت کے ساتھ طے کرواتا ہے۔ وہ کبھی اس جماعت کے پیچھے ہو جاتا ہے اور ایک طرف وہ دیگر خطرات سے ان کی ڈھال جاتا ہے تو دوسری طرف ان کو تیز رفتاری سے بڑھنے اور چلنے کا حوصلہ اور ہمت دیتا ہے۔

وہ کبھی رب اعلیٰ کی عطا کردہ بلند جگہوں پر بیٹھ کر چاروں طرف بصیرت کی نگاہ دوڑاتا ہے تو آئندہ آنے والے خطرات کی پیش بندی کرتا ہے اور کبھی وہ اپنے پیاروں ماتحتوں اور دلدادوں کے درمیان آن کھڑا ہوتا ہے۔ محبت کی نگاہ دوڑاتا ہے۔ اپنے پیار اور شفقت کا ہاتھ ان پر رکھتا ہے۔ اور اس کے پیارے اور اس کی محبت کے بھوکے بھی اس سے لپٹ لپٹ جاتے ہیں۔ اس کے قدموں میں لوٹتے ہیں۔ اس کے جسم کے ساتھ اپنا جسم لگا کر الفت' پیار اور جاں نثاری کا اظہار کرتے ہیں۔

اور ہاں جب اس کی جماعت سوئی ہوئی ہوتی ہے تو وہ "گلہ بان" سوتا نہیں۔ وہ ان کے لئے جاگتا ہے۔ مسلسل جاگتا ہے۔ اس کی حفاظت کی دعائیں کرتا ہے۔ ان کی نمو اور ترقی کی دعائیں کرتا ہے۔ ان کی پریشانیوں کو دور کرنے کا درد لیکر وہ خدا کے حضور کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور دیر تک خدا کے حضور اس جماعت کی حفاظت' اس کی ترقی کے لئے دعائیں مانگتا رہتا ہے۔

پس ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی ہوگی۔ خدا کے حضور شکر کے سجدات بجالاتے ہوئے' شکر کا یہ اظہار آنکھوں کے آنسوؤں سے کرنا ہوگا اور دل کی گہرائیوں سے اور چہروں کی تمکنت سے۔ اس کا اظہار خلافت کے ساتھ غیر معمولی وابستگی اور محبت کے رنگ میں کرنا ہوگا ایسی محبت کہ ماں باپ' بہن بھائیوں' اولاد اور اموال اور اپنی جان سے بڑھ کر محبت کے ساتھ۔

اور اپنے پیارے آقا کی صحت و سلامتی' اور غیر معمولی معجزانہ اور برکتوں سے معمور لمبی زندگی کی دعاؤں کے ساتھ۔ کہ ہمارا فرض ہے کہ اس پیارے کے لئے دعائیں کریں اور کرتے جائیں۔ یہ ہمارا فرض ہے اور ہم پر قرض بھی۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے اس شعر کے مصداق کہ

قومِ احمد جاگ تو بھی جاگ اس کے واسطے
ان گنت راتیں جو تیرے درد سے سویا نہیں

خلافت بہت بڑی نعمت ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں :۔

"اے مومنوں کی جماعت! اور اے عمل صالح کرنے والو! میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ خلافت خدا تعالیٰ کی ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرو جب تک تم لوگوں کی اکثریت ایمان اور عمل صالح پر قائم رہیگی خدا اس نعمت کو نازل کرتا چلا جائے گا......

پس اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری مت کرو اور خدا تعالیٰ کے الہامات کو تحقیر کی نگاہ سے مت دیکھو جس میں کہ حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے تم دعاؤں میں لگے رہو تا قدرتِ ثانیہ کا پے در پے تم میں ظہور ہوتا رہے۔ تم ان ناکاموں اور نامرادوں اور بے عملوں کی طرح مت بنو جنہوں نے خلافت کو رد کر دیا بلکہ تم ہر وقت ان دعاؤں میں مشغول رہو کہ خدا قدرتِ ثانیہ کے مظاہر تم میں ہمیشہ کھڑے کرتا رہے تا کہ اس کا دین مضبوط بنیادوں پر قائم ہو جائے اور شیطان اس میں رخنہ اندازی کرنے سے ہمیشہ کے لئے مایوس ہو جائے......

اور اس امر کو اچھی طرح یاد رکھو کہ جب تک میں خلافت رہیگی دنیا کی کوئی قوم تم پر غالب نہیں آسکے گی اور ہر میدان میں تم مظفر و منصور رہو گے......

خدا تمہارے ساتھ ہو اور ابد الآباد تک تم اس کی برگزیدہ جماعت رہو۔"

(خلافتِ راشدہ صفحہ ۲۶۸۔۲۷۰)

☆☆☆

اے مسیحا تیرا آنا زندگی آنے کا نام

سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ سلسلہ احمدیہ

قدرت ثانیہ

تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے۔ جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔،،

(سیدنا حضرت مسیح موعودالسلام)

حضرت حافظ حکیم مولانا نورالدین صاحب
خلیفۃ المسیح الاول

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب
خلیفۃ المسیح الثانی

حضرت صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب
خلیفۃ المسیح الثالث

حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب
خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز

چند نادر تصویریں

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بابرکت کپڑے کا ٹکڑا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے گیمبیا کے گورنر جنرل کو بھجوایا
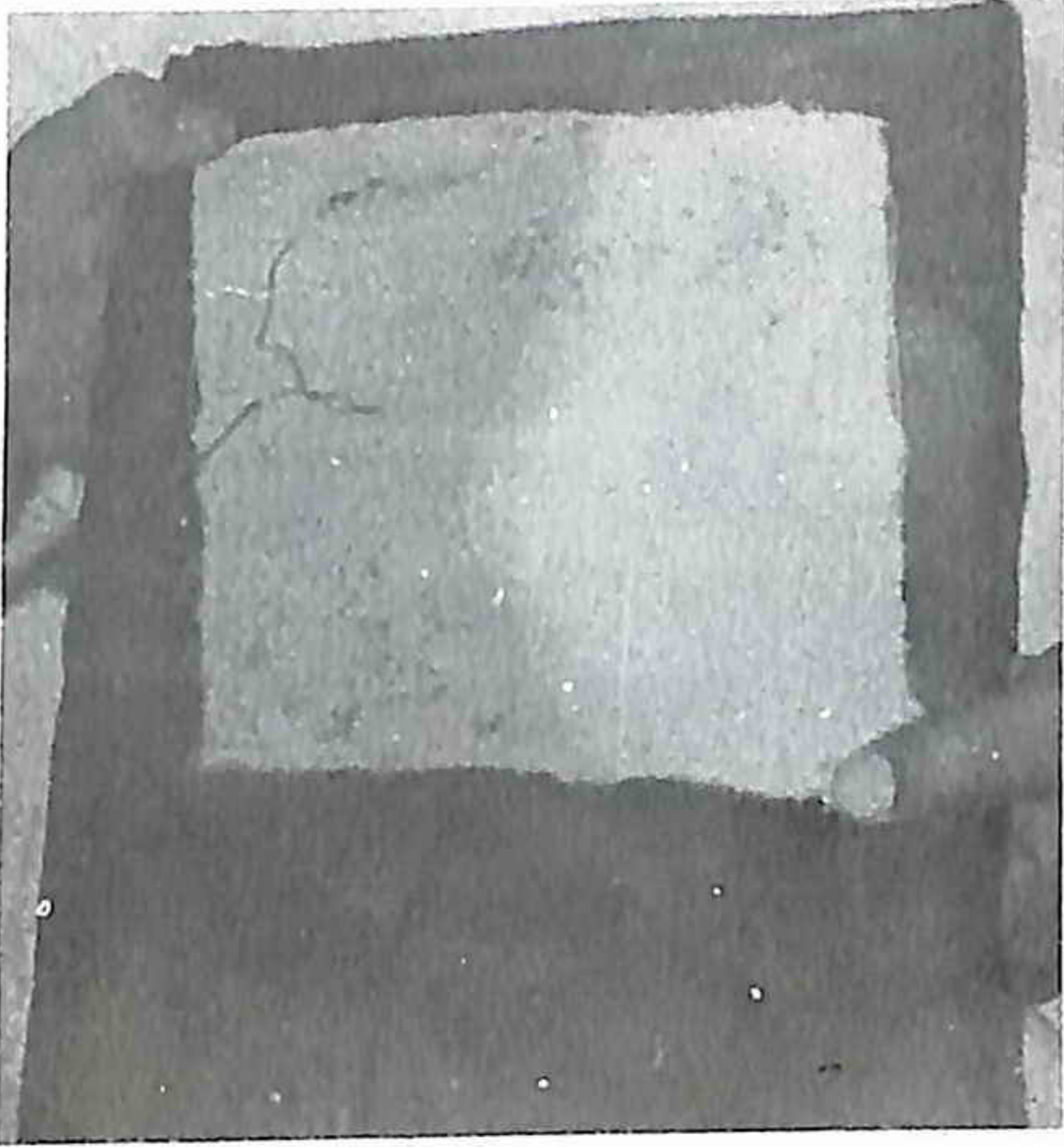
اولین لوائے احمدیت جو خلافت جوبلی 1939ء کے موقع پر لہرایا گیا

حضرت میر مسعود احمد صاحب اور راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس جدید بلاک ایوان محمود کے سنگِ بنیاد (94ء) سے پہلے سرائے خدمت میں تشریف فرما ہیں۔

مجلس خدام الاحمدیہ کے بعض ابتدائی ممبران صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ مکرم محمود احمد صاحب شاہد کے ہمراہ

انفاخ قدسیہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زریں ملفوظات

(مرسلہ محترم صدر صاحب خدام الاحمدیہ پاکستان)

اللہ عزوجل

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے کلام پر یقین کامل حاصل تھا۔ آپ فرماتے ہیں۔

"ہم کو تو خدا تعالیٰ کے کلام پر جو ہم پر وحی کے ذریعہ نازل ہوتا ہے اس قدر یقین اور علی وجہ البصیرۃ یقین ہے کہ بیت اللہ میں کھڑا کر کے جس قسم کی چاہو قسم دے دو۔ بلکہ میرا تو یقین یہاں تک ہے کہ اگر میں اس بات کا انکار کروں، یا وہم بھی کروں کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں تو معاً کافر ہو جاؤں۔

آپ فرماتے ہیں۔

"میں ان نشانوں کو شمار نہیں کر سکتا جو مجھے معلوم ہیں (مگر دنیا انہیں نہیں دیکھتی لیکن اے میرے خدا) میں تجھے پہچانتا ہوں کہ تو ہی میرا خدا ہے اور میری روح تیرے نام سے ایسی اچھلتی ہے جیسے کہ ایک شیر خوار بچہ ماں کے دیکھنے سے اچھلتا ہے۔"

فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ کی رضا مندی جو حقیقی خوشی کا موجب ہے حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک عارضی تکلیفیں برداشت نہ کی جاویں۔ خدا ٹھگا نہیں جا سکتا مبارک ہیں وہ لوگ جو رضائے الٰہی کے حصول کے لئے تکلیف کی پروا نہ کریں کیونکہ ابدی خوشی اور دائمی آرام کی روشنی اس عارضی تکلیف کے بعد مومن کو ملتی ہے۔"

"بے شک اصل اور سچ یونہی ہے جب تک انسان کامل توحید پر کاربند نہیں ہوتا اس میں (دین حق) کی محبت اور عظمت قائم نہیں ہوتی۔"

پھر فرمایا:۔

دیکھو! میری روح نہایت توکل کے ساتھ تیری طرف ایسی پرواز کر رہی ہے جیسا کہ ایک پرندہ اپنے آشیانہ کی طرف آتا ہے۔ سو میں تیری قدرت کے نشان کا خواہش مند ہوں لیکن نہ اپنے لئے اور نہ اپنی ذات کے لئے بلکہ اس لئے کہ لوگ تجھے پہچانیں اور تیری پاک راہوں کو اختیار کریں۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ہر انسان کو عشق الٰہی سے سرفراز کرنے کی دل میں تڑپ رکھتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"کیا ہی بدقسمت ہے وہ انسان جس کو یہ پتہ نہیں کہ اس کا ایک خدا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے۔ اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ میں کیا کروں اور کس

طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دف سے بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سن لیں اور کس دوا سے میں علاج کروں تا سننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔"

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

آنحضرت ﷺ کی مدح میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند ملفوظات و تحریرات

فرمایا:۔ "ہمارے نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر دنیا میں کسی کامل انسان کا نمونہ موجود نہیں اور نہ آئندہ قیامت تک ہو سکتا ہے۔"

"میں سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ کوئی شخص حقیقی نیکی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی رضا کو پانے والا نہیں ٹھہر سکتا اور ان انعام و برکات اور معارف اور حقائق اور کشوف سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا جو اعلیٰ درجہ کے تزکیہ نفس پر ملتے ہیں۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں کھویا نہ جائے۔"

"سب خوارق اور کامیابیاں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے متبعین مجددوں کے ذریعہ سے ہوئیں اور قیامت تک ہوں گی، درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ہی کامیابیاں ہیں"

"یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان اور فضل ہے۔ پھر پیغمبر خدا ﷺ کی بعثت سے عظیم الشان احسان فرمایا۔ اگر آپ کا وجود باجود دنیا میں نہ آتا تو رام رام کہنے والوں کی طرح بہت سے جھوٹے اور بیہودہ اینٹ اور پتھر وغیرہ کے معبود بنائے جاتے۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ نبی معصوم ﷺ آیا اور بت پرستوں سے اس نے نجات دی۔ یہی وہ راز ہے کہ یہ درجہ صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کو ان احسانوں کے معاوضہ میں ملا کہ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما (الاحزاب:۵۷)

"میرا مذہب یہ ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کو الگ کیا جاتا اور کل نبی جو اس وقت تک گذر چکے تھے۔ سب کے سب اکٹھے ہو کر وہ کام اور وہ اصلاح کرنا چاہتے۔ جو رسول اللہ ﷺ نے کی ہرگز نہ کر سکتے۔ ان میں وہ دل اور وہ قوت نہ تھی جو ہمارے نبی کو ملی تھی اگر کوئی کہے کہ یہ نبیوں کی معاذ اللہ سوء ادبی ہے تو وہ نادان مجھ پر افترا کرے گا۔ میں نبیوں کی عزت اور حرمت کرنا اپنے ایمان کا جزو سمجھتا ہوں، لیکن نبی کریم کی فضیلت کل انبیاء پر میرے ایمان کا جزو اعظم ہے اور میرے رگ و ریشہ میں ملی ہوئی بات ہے۔ یہ میرے اختیار میں نہیں کہ اس کو نکال دوں۔ بدنصیب اور آنکھ نہ رکھنے والا مخالف جو چاہے سو کہے ہمارے نبی کریم ﷺ نے وہ کام کیا، جو نہ الگ الگ اور نہ مل جل کر کسی سے ہو سکتا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء"

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے فارسی منظوم کلام جو حضرت رسول کریم ﷺ کی شان میں آپ نے رقم فرمایا اس کا ایک نمونہ پیش ہے۔

عجب نوریست در جان محمد
عجب لعلیست در کان محمد
اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمد ہست برہان محمد
دریں رہ گر کشندم و بسوزند
نتابم روز ایوان محمد
تو جان ما منور کردی از عشق
فدایت جانم اے جان محمد

"یعنی محمد ﷺ کے وجود میں خدا نے عجب نور ودیعت کر رکھا ہے اور آپ کی مقدس کان عجیب و غریب جواہرات سے بھری پڑی ہے۔ سو اگر اے منکر و تم محمدؐ کی صداقت کی دلیل چاہتے ہو تو دلیلیں تو بے شمار ہیں مگر مختصر رستہ یہ ہے کہ اس کے عاشقوں میں داخل ہو جاؤ کیونکہ محمدؐ کا وجود اس کی صداقت

کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ واللہ اگر آپؐ کے رستہ میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے اور میرے ذرہ ذرہ کو جلا کر خاک بنا دیا جائے تو پھر بھی میں آپؐ کے دروازے سے کبھی منہ نہیں موڑوں گا۔ سوائے محمدؐ کی جان! تجھ پر میری جان قربان تو نے میرے روئیں روئیں کو اپنے عشق سے منور کر رکھا ہے۔"

پھر آپ اپنے عربی منظوم کلام میں مدح مصطفیٰ ﷺ اسی طرح کرتے ہیں۔

انظر الی برحمۃٍ وتحنن
یا سیدی انا احقر الغلمان
یا حب انک قد دخلت محبۃً
فی مہجتی و مدار کی وجنان
من ذکر و جہک یا حدیقۃ بہجتی
لم اخل فی لحظ ولافی ان
جسمی یطیر الیک من شوق علا
یالیت کانت قوۃ الطیران

"یعنی اے میرے آقا میری طرف رحمت اور شفقت کی نظر رکھ میں تیرا ایک ادنیٰ ترین غلام ہوں۔ اے میرے محبوب! تیری محبت میرے رگ و ریشہ میں اور میرے دل میں اور میرے دماغ میں رچ چکی ہے۔ اے میری خوشیوں کے باغیچے! میں ایک لمحہ اور ایک آن بھی تیری یاد سے خالی نہیں رہتا۔ میری روح تو تیری ہو چکی ہے مگر میرا جسم بھی تیری طرف پرواز کرنے کی تڑپ رکھتا ہے۔ اے کاش! مجھ میں اڑنے کی طاقت ہوتی"

شان مصطفیٰ ﷺ کے بیان میں ایک نمونہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے اردو منظوم کلام سے پیش ہے۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا
نام اس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے

اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

فرمایا:۔

"میں اسی خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام سے مکالمہ مخاطبہ کیا اور پھر اسمٰعیل علیہ السلام سے اور اسحاق علیہ السلام سے اور یعقوب علیہ السلام سے اور یوسف علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ السلام اور مسیح ابن مریم سے اور سب کے بعد ہمارے نبی ﷺ سے ایسا ہم کلام ہوا کہ آپ پر سب سے زیادہ روشن اور سب سے زیادہ پاک وحی نازل کی۔ ایسا ہی اس نے مجھے بھی اپنے مکالمہ مخاطبہ کا شرف بخشا ہے مگر یہ شرف مجھے محض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوا ہے اگر میں آنحضرت ﷺ کی امت میں نہ ہوتا اور آپ کی پیروی نہ کرتا تو اگر دنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے تو پھر بھی میں ہرگز کبھی یہ شرف مکالمہ مخاطبہ کا نہ پاتا۔"

آنحضرت ﷺ پر درود بھیجنے کی برکات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے آنحضرت ﷺ پر درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔ اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ خدا کے فرشتے آب زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان پر لئے آتے ہیں۔ اور ایک نے ان فرشتوں میں سے کہا کہ یہ وہی برکتیں ہیں جو تو نے محمدؐ کی طرف بھیجی تھیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم"

قرآن عظیم

قرآن کریم کے بارہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات ہمیشہ مشعل راہ کا کام دیں گے۔ فرمایا:۔

"سچا علم قرآن شریف سے ملتا ہے یہ نہ یونانیوں کے

فلسفہ سے ملتا ہے۔ نہ حال کے انگلستانی فلسفہ سے' بلکہ یہ سچا ایمانی فلسفہ قرآن کریم کے طفیل سے ملتا ہے۔" "قرآن کریم تمام صداقتوں کا مجموعہ اور صدق تام ہے"

"قرآن جواہرات کی تھیلی ہے اور لوگ اس سے بے خبر ہیں۔"

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی قرآن کریم سے غیر معمولی محبت دراصل محبت باری تعالیٰ ہی کے حوالہ سے تھی آپ فرماتے ہیں۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

"یعنی قرآن کی خوبیاں تو ظاہر و عیاں ہیں مگر اس کے ساتھ میری محبت کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ اے میرے آسمانی آقا! وہ تیری طرف سے آیا ہوا مقدس صحیفہ ہے جسے بار بار چومنے اور اس کے اردگرد طواف کرنے کے لئے میرا دل بے چین رہتا ہے۔"

فرمایا:-

"تمام فیضوں کا سرچشمہ قرآن ہے نہ انجیل نہ توریت۔ جو قرآن کو چھوڑ کر ان کی طرف جھکتا ہے وہ مرتد ہے اور کافر۔ مگر جو قرآن کی طرف جھکتا ہے وہ مسلمان ہے۔"

فرمایا:-

"ہر ایک شخص کو خود بخود خدا تعالیٰ سے ملاقات کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ اس کے واسطے واسطہ ضرور ہے اور وہ واسطہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس واسطے جو آپ کو چھوڑتا ہے وہ کبھی بامراد نہ ہوگا۔"

فرمایا:-

"حقیقی اور کامل نجات کی راہیں قرآن نے کھولیں اور باقی سب اس کے ظل تھے۔ سو تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ الخیر کلہ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں یہی بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے۔ کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے اور بجز قرآن کے آسمان کے نیچے اور کوئی کتاب نہیں جو بلاواسطہ قرآن تمہیں ہدایت دے سکے۔ خدا نے تم پر بہت احسان کیا ہے جو قرآن جیسی کتاب تمہیں عنایت کی۔ میں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ کتاب جو تم پر پڑھی گئی اگر عیسائیوں پر پڑھی جاتی تو وہ ہلاک نہ ہوتے اور یہ نعمت اور ہدایت جو تمہیں دی گئی۔ اگر بجائے توریت کے یہودیوں کو دی جاتی تو بعض فرقے ان کے قیامت سے منکر نہ ہوتے۔ پس اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے۔ یہ بڑی دولت ہے اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔"

ذکر حبیب بزبان حبیب

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

توکل علی اللہ

"میں اس لئے آیا ہوں تا لوگ قوت یقین میں ترقی کریں۔"

حضرت اقدس علیہ السلام کی اپنی قوت یقین اور توکل علی اللہ کا یہ عالم تھا کہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب کی روایت ہے وہ لکھتے ہیں۔

"مجھے خوب یاد ہے کہ جس روز ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ صاحب قادیان میں حضرت کے مکان کی تلاشی کے لئے آئے تھے

اور قبل از وقت اس کا کوئی پتہ اور خبر نہ تھی اور نہ ہو سکتی تھی اس کی صبح کو کہیں سے ہمارے میر صاحب نے سن لیا کہ آج وارنٹ ہتھکڑی سمیت آوے گا۔ میر صاحب حواس باختہ سراز پا شناختہ حضرت کو اس کی خبر کرنے اندر دوڑے گئے اور غلبہ رقت کی وجہ سے بصد مشکل اس ناگوار خبر کے منہ سے برقع اتارا۔ حضرت (مسیح موعود علیہ السلام) اس وقت نور القرآن لکھ رہے تھے اور بڑا ہی لطیف اور نازک مضمون در پیش تھا۔ سر اٹھا کر اور مسکرا کر فرمایا کہ:۔

"میر صاحب! لوگ دنیا کی خوشیوں میں چاندی سونے کے کنگن پہنا ہی کرتے ہیں، ہم سمجھ لیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوہے کے کنگن پہن لئے" پھر ذرا تامل کے بعد فرمایا "مگر ایسا نہ ہوگا، کیونکہ خدا تعالیٰ کی اپنی گورنمنٹ کے مصالح ہوتے ہیں وہ اپنے خلفائے مامورین کی ایسی رسوائی پسند نہیں کرتا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ کو گرفتار نہ کیا گیا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے غیر معمولی توکل علی اللہ کا کچھ احوال ذیل کے حوالہ سے بھی عیاں ہوتا ہے۔ فرمایا:۔

"میں اپنے قلب کی عجب کیفیت پاتا ہوں۔ جیسے سخت حبس ہوتا اور گرمی کمال شدت کو پہنچ جاتی ہے، تو لوگ وثوق سے امید کرتے ہیں کہ اب بارش ہوگی۔ ایسا ہی جب میں اپنی صندوقچی کو خالی دیکھتا ہوں تو مجھے خدا کے فضل سے یقین واثق ہوتا ہے کہ اب یہ بھرے گی اور ایسا ہی ہوتا ہے"

پھر خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کہ:۔

"جب میرا کیسہ خالی ہوتا ہے تو جو ذوق و سرور اللہ تعالیٰ پر توکل کا اس وقت مجھے حاصل ہوتا ہے میں اس کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا اور وہ حالت بہت ہی زیادہ راحت بخش اور طمانیت انگیز ہوتی ہے بہ نسبت اس کے کہ کیسہ بھرا ہوا ہو۔"

آپ کو اللہ تعالیٰ کی ہستی کے بارہ میں جو حق الیقین حاصل تھا اور دوسروں کی اس طرف راہنمائی کرنا آپ اپنا فرض جانتے تھے ایک موقع پر فرمایا:۔

"ہماری غرض بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ لوگوں کو اس خدا کی طرف راہنمائی کریں جیسے ہم نے خود دیکھا ہے۔ سنی سنائی بات اور قصہ کے رنگ میں ہم خدا کو دکھانا نہیں چاہتے بلکہ ہم اپنی ذات اور اپنے وجود کو پیش کر کے دنیا کو خدا تعالیٰ کا وجود منوانا چاہتے ہیں۔"

نفس پر غلبہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے نفس پر جو عدیم المثال غلبہ حاصل تھا وہ خصوصاً مخالفت کے موجودہ حالات میں یقیناً ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ فرمایا:۔

"میں اپنے نفس پر اتنا قابو رکھتا ہوں اور خدا تعالیٰ نے میرے نفس کو ایسا (مطیع) بنایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک سال بھر میرے سامنے میرے نفس کو گندی سے گندی گالی دیتا رہے۔ آخر وہی شرمندہ ہوگا اور اسے اقرار کرنا پڑے گا کہ وہ میرے پاؤں جگہ سے اکھاڑ نہ سکا۔

خلق خدا سے ہمدردی

بنی نوع انسان سے ہمدردی گویا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی روح کی غذا تھی۔ اس ہمدردی کا ایک عظیم الشان اظہار حضور علیہ السلام کچھ اس طرح فرماتے ہیں۔

"میری تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کو درد ہوتا ہو اور میں نماز میں مصروف ہوں، میرے کان میں اس کی آواز پہنچ جائے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ نماز توڑ کر بھی اگر اس کو فائدہ پہنچا سکتا ہوں تو فائدہ پہنچاؤں اور جہاں تک ممکن ہے اس سے ہمدردی کروں۔ یہ اخلاق کے خلاف ہے کہ کسی بھائی کی مصیبت اور تکلیف میں اس کا ساتھ نہ دیا جائے۔ اگر تم کچھ بھی اس کے لئے نہیں کر سکتے تو کم از کم دعا ہی کرو۔"

پھر حضور علیہ السلام کا ہمدردی خلق اور خدمت خلق کا عملی مظاہرہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ جس کا کسی حد تک اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے۔

دیہات کی غریب خواتین اپنے بچوں کے واسطے دوائی لینے کی غرض سے حاضر ہوئیں۔ حضور علیہ السلام ان بچوں کو دیکھنے اور دوائی دینے میں مصروف رہے۔ اس پر مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا کہ حضور یہ تو بڑی زحمت کا کام ہے اور اس طرح حضور کا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اس کے جواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا:۔

"یہ بھی تو ویسا ہی دینی کام ہے۔ یہ مسکین لوگ ہیں۔ یہاں کوئی ہسپتال نہیں۔ میں ان لوگوں کی خاطر ہر طرح کی انگریزی اور یونانی دوائیں منگوا رکھا کرتا ہوں، جو وقت پر کام آ جاتی ہیں۔ یہ بڑا ثواب کا کام ہے (اہل ایمان) کو ان کاموں میں سست اور بے پرواہ نہ ہونا چاہئے۔"

وقت کی قدر

حضور علیہ السلام کو الہام ہوا تھا انت الشیخ المسیح الذی لا یضاع وقتہ یعنی تو وہ بزرگ مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ وقت کی قدر کا عملی اظہار ہمیں حضور علیہ السلام کے ہاں مسلسل دکھائی دیتا ہے۔ اس بارہ میں حضورؑ علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"کوئی مشغولی اور تصرف جو دینی کاموں میں حارج ہو اور وقت کا کوئی حصہ لے مجھے سخت ناگوار ہے اور فرمایا۔ جب کوئی دینی ضروری کام آ پڑے تو میں اپنے اوپر کھانا پینا اور سونا حرام کر لیتا ہوں جب تک وہ کام نہ ہو جائے۔ فرمایا ہم دین کے لئے ہیں اور دین کی خاطر زندگی بسر کرتے ہیں بس دین کی راہ میں ہمیں کوئی روک نہیں ہونی چاہئے۔"

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

"تفسیر کا کام تو ختم ہو گیا اور ہم چاہتے تھے کہ دوسرے ضروری کاموں کے شروع کرنے سے پہلے دو تین دن آرام کر لیتے، مگر جی نہیں چاہتا کہ خالی بیٹھے رہیں۔"

پھر فرمایا:۔

"نہایت درجہ برکت کی بات ہے کہ انسان خدا کے واسطے کسی کام میں لگا رہے جو دن بغیر کسی کام کے گزر جائے وہ گویا غم میں گزرتا ہے۔ اس سے زیادہ دنیا میں کچھ حاصل نہیں کہ انسان خدا کے واسطے کام کرے اور خدا اس کے واسطے راستہ کھول دے اور اسے مدد عطا فرماوے۔ مگر بغیر اخلاص کے تمام محنت بے فائدہ ہے خالصتہ للہ کام کرنا چاہئے کوئی اور غرض درمیان میں نہ آوے۔"

"میں یقین کرتا ہوں کہ جس قدر وقت میرا گزرتا ہے، وہ سب عبادت ہی ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی نماز پڑھتا ہے دو چار رکعت تو اس میں کچھ دل حاضر ہوتا ہے کچھ غیر حاضر مگر جس کام میں میں لگا ہوا ہوں اس کا اصل مقصد خدا تعالیٰ کی عظمت اور جلال کو قائم کرنا ہے۔ پھر سارا وقت حضور قلب میسر رہتا ہے۔ اور کوئی دن نہیں جاتا کہ میں شام تک دو چار لطیف باتیں حاصل نہ کر لوں۔"

انکساری و خاکساری

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جو عظیم مقام عطا فرمایا تھا اس کے باوجود آپ انکساری و خاکساری کے اعلیٰ مقام پر فائز ہیں۔ اس ضمن میں آپ کی جو دلی کیفیات تھیں ان کا بیان آپ نے اس طرح فرمایا۔

"میرا مسلک نہیں کہ میں ایسا تند خو اور بھیانک بن کر بیٹھوں کہ لوگ مجھ سے ایسے ڈریں، جیسے درندہ سے ڈرتے ہیں اور میں بت بننے سے سخت نفرت رکھتا ہوں۔ میں تو بت پرستی کو رد کرنے آیا ہوں نہ یہ کہ میں خود بت بنوں اور لوگ میری پوجا کریں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ میں اپنے نفس کو دوسروں پر ذرا بھی ترجیح نہیں دیتا میرے نزدیک متکبر سے زیادہ

کوئی بت پرست اور خبیث نہیں۔ متکبر کسی خدا کی پرستش نہیں کرتا، بلکہ وہ اپنی پرستش کرتا ہے۔"

اپنے منظوم کلام میں آپ فرماتے ہیں:۔

چھوڑو غرور کبر کے تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک مرضی مولا اسی میں ہے

خلوت پسندی

حضور علیہ السلام کو ابتداء ہی سے گوشہ خلوت پسند رہا۔ چنانچہ آپ کی جو قلبی کیفیت تھی۔ اسے منظوم بھی فرمایا۔

ابتدا سے گوشہ خلوت رہا مجھ کو پسند
شہرتوں سے مجھ کو نفرت اور ہر اک عظمت سے عار

نیز فرمایا:۔

"اگر خدا تعالیٰ مجھے اختیار دے کہ خلوت اور جلوت میں سے تو کس کو پسند کرتا ہے تو اس پاک ذات کی قسم ہے کہ میں خلوت کو اختیار کروں۔ مجھے تو کشاں کشاں میدان عالم میں اسی نے نکالا ہے جو لذت مجھے خلوت میں آتی ہے اس سے بجز خدا تعالیٰ کے کون واقف ہے میں قریب ۲۵ سال تک خلوت میں بیٹھا رہا ہوں اور کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں چاہا کہ دربار شہرت میں کرسی پر بیٹھوں۔ مجھے طبعاً اس سے کراہت ہے کہ لوگوں میں مل کر بیٹھوں، مگر امر آمر سے مجبور ہوں۔ فرمایا۔ میں جو باہر بیٹھتا ہوں یا سیر کرنے جاتا ہوں اور لوگوں سے بات چیت کرتا ہوں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے امر کی تعمیل کی بنا پر ہے"۔

خادم دین کے لئے دعائیں اور محض للہ پیار

حضور علیہ السلام خدام دین سے جو محبت رکھتے تھے اور ان کے لئے خیر خواہی کے جو غیر معمولی جذبات اپنے دل میں پاتے تھے۔ اس کا بیان بھی حضور علیہ السلام ہی کی زبان مبارک سے کیسے ادا ہوتا ہے۔ فرمایا:۔

"اگر کوئی تائید دین کے لئے ایک لفظ نکال کر ہمیں دے دے تو ہمیں موتیوں اور اشرفیوں کی جھولی سے بھی زیادہ بیش قیمت معلوم ہوتا ہے۔ جو شخص چاہے کہ ہم اس سے پیار کریں اور ہماری دعائیں نیاز مندی اور سوز سے اس کے حق میں آسمان پر جائیں۔ وہ ہمیں اس بات کا یقین دلا دے کہ وہ خادم دین ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے بارہا قسم کھا کر فرمایا کہ ہم ہر ایک شئی سے محض اللہ تعالیٰ کے لئے پیار کرتے ہیں۔ بیوی ہو، بچے ہوں، دوست ہوں، سب سے ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔"

عہد دوستی

اپنے دوستوں کے بارہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام جو مسلک رکھتے تھے وہ بھی اپنی مثال آپ ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"میرا یہ مذہب ہے کہ جو شخص یک دفعہ مجھ سے عہد دوستی باندھے مجھے اس عہد کی اتنی رعایت ہوتی ہے کہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو اور کچھ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ میں اس سے قطع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر وہ خود قطع تعلق کر دے تو ہم لاچار ہیں، ورنہ ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ اگر ہمارے دوستوں سے کسی نے شراب پی ہو اور بازار میں گرا ہوا ہو اور لوگوں کا ہجوم اس کے گرد ہو تو بلا خوف لومۃ لائم کے ہم اسے اٹھا کر لے آئیں گے۔ فرمایا "عہد دوستی بڑا قیمتی جوہر ہے۔ اس کو آسانی سے ضائع کر دینا نہ چاہیے اور دوستوں سے کیسی ہی ناگوار بات پیش آوے اسے اغماض اور تحمل کے محل میں اتارنا چاہیے۔"

اس مختصر مضمون میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی پاک سیرت سے صرف چند باتیں محض اس غرض سے پیش کی گئیں ہیں کہ ہم بھی ان کو پوری طرح اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کے غیر معمولی فضلوں کے وارث بنیں۔

دعا کے باب میں

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے چند ارشادات پیش ہیں۔ فرمایا:۔

گناہ کرنے والا اپنے گناہوں کی کثرت وغیرہ کا خیال کر کے دعا سے ہرگز باز نہ رہے' دعا تریاق ہے۔ آخر دعاؤں سے دیکھ لے گا کہ گناہ اسے کیسا برا لگنے لگا"

"یہ دعا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم سو انسان کو چاہئے کہ اس کو مدنظر رکھ کر نماز میں دعا بالحاح کرے اور تمنا رکھے کہ وہ بھی ان لوگوں میں سے ہو جائے جو ترقی اور بصیرت حاصل کر چکے ہیں۔"

"یہ سچی بات ہے کہ جو شخص اعمال سے کام نہیں لیتا' وہ دعا نہیں کرتا بلکہ خدا تعالیٰ کی آزمائش کرتا ہے۔ اس لئے دعا کرنے سے پہلے اپنی تمام طاقتوں کو خرچ کرنا ضروری ہے"

"میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ خدا کے فضل اور رحمت کو جو قبولیت دعا کی صورت میں آتا ہے میں نے اپنی طرف کھینچتے ہوئے محسوس کیا ہے' بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ دیکھا ہے۔"

"دعا ایک ایسی سرور بخش کیفیت ہے کہ مجھے افسوس ہوتا ہے کہ میں کن الفاظ میں اس لذت اور سرور کو دنیا کو سمجھاؤں۔ یہ تو محسوس کرنے سے ہی پتہ لگے گا۔"

"لوگ اس امر کو بھی جھوٹ جانیں گے۔ جو ہم نے لکھ دیا ہے کہ میری تیس ہزار دعائیں کم از کم قبول ہوئی ہیں۔ مگر میرا خدا خوب جانتا ہے کہ یہ سچ ہے اور اس میں ذرا بھی جھوٹ نہیں۔ کیونکہ ہر ایک کام کے لئے خواہ دینی ہو یا دنیوی دعا کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے موزوں اور طیب بنا دیا ہے۔"

"دعا کے لئے ضروری بات ہے کہ انسان اپنے ضعف اور کمزوری کا پورا خیال اور تصور کرے۔ جوں جوں وہ اپنی کمزوری پر غور کرے گا۔ اسی قدر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج پائے گا اور اس طرح پر دعا کے لئے اس کے اندر ایک جوش پیدا ہو گا۔"

"غور سے قرآن کریم کو دیکھو تو تمہیں معلوم ہو گا کہ پہلی ہی سورت میں اللہ تعالیٰ نے دعا کی تعلیم دی ہے۔"

"جب اللہ تعالیٰ کا فضل قریب آتا ہے تو وہ دعا کی قبولیت کے اسباب بہم پہنچا دیتا ہے۔ دل میں ایک رقت اور سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے' لیکن جب دعا کی قبولیت کا وقت نہیں ہوتا تو دل میں اطمینان اور رجوع پیدا نہیں ہوتا۔ طبیعت پر کتنا ہی زور ڈالو۔ مگر طبیعت متوجہ نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی خدا تعالیٰ اپنی قضاء و قدر منوانا چاہتا ہے اور کبھی دعا قبول کرتا ہے۔ اس لئے میں تو جب تک اذن الٰہی کے آثار نہ پالوں قبولیت کی کم امید کرتا ہوں۔ اور اس کی قضاء و قدر پر اس سے زیادہ خوشی کے ساتھ جو قبولیت دعا سے ہوتی ہے راضی ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ اس رضا بالقضاء کے ثمرات اور برکات اس سے بہت زیادہ ہیں"

"ہم کو یاد نہیں کہ دو گھنٹے بھی دعا کے ملے ہوں اور وہ دعا قبول نہ ہوئی ہو۔"

"میرا تو یہ مذہب ہے کہ دعا میں دشمنوں کو بھی باہر نہ رکھے۔ جس قدر دعا وسیع ہو گی اس قدر فائدہ دعا کرنے والے کو ہو گا اور دعا میں جس قدر بخل کرے گا۔ اسی قدر اللہ تعالیٰ کے قرب سے دور ہوتا جاوے گا اور اصل تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے عطیہ کو جو بہت وسیع ہے جو شخص محدود کرتا ہے اس کا ایمان بھی کمزور ہے۔ دوسروں کے لئے دعا کرنے میں ایک عظیم الشان فائدہ یہ بھی ہے کہ عمر دراز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ وعدہ کیا ہے کہ جو لوگ دوسروں کو نفع پہنچاتے ہیں اور مفید وجود ہوتے ہیں ان کی عمر دراز ہوتی ہے۔"

"بعض لوگ نماز کو تو دو چار چونچیں لگا کر جیسے مرغی

بقیہ صفحہ...16.. پر

نگاہوں کی ٹھنڈک دلوں کا سکوں ہے

وہی اک شجر یعنی شفقت کا سایا
ہمارا اثاثہ' دل و جاں کی مایا

نگاہوں کی ٹھنڈک دلوں کا سکوں ہے
ہمارے لئے ہے بہاروں کی چھایا

خدایا نہ آئے کبھی اس پہ زردی
جو گُل تو نے شاداب ہر پل دکھایا

کوئی بے قراری نہ کوئی اداسی
کوئی دکھ نہ غم اس کے رخ پہ ہو چھایا

اسے اب بھی اپنی پناہوں میں رکھیو
خزاں سے ہمیشہ ہے جس کو بچایا

ہمارے کروڑ آنسوؤں سے گراں تر
اک آنسو جو ہے اس کی آنکھوں میں آیا

تو سُن لے مری' میرے جانِ چمن کو
خدایا شفا دے' شفا دے خدایا

اٹھو ہم بھی جاگیں' دعاؤں کی خاطر
اسے ہم نے عابد بہت ہے جگایا

(مبارک احمد عابد)

میری تو حق میں تمہارے یہ دعا ہے پیارو

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ اور خلفاء کی جماعت کیلئے دعائیں

(انتخاب و ترتیب مکرم اسد اللہ خان غالب صاحب)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعائیں

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

''دنیا کی دولت اور سلطنت رشک کا مقام نہیں۔ مگر رشک کا مقام دعا ہے۔ میں نے اپنے احباب حاضرین اور غیر حاضرین کیلئے جن کے نام یاد آئے یا شکل یاد آئی آج بہت دعا کی اور اتنی دعا کی کہ اگر خشک لکڑی پر کی جاتی تو سرسبز ہو جاتی۔ ہمارے احباب کیلئے یہ بڑی نشانی ہے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۱۵۶)

''میں تو بڑی آرزو رکھتا ہوں اور دعائیں کرتا ہوں کہ میرے دوستوں کی عمریں لمبی ہوں تا کہ اس حدیث کی خبر پوری ہو جائے جس میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے زمانے میں چالیس برس موت دنیا سے اٹھ جائے گی۔ فرمایا اس کا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تمام جانداروں سے اس عرصہ میں موت کا پیالہ ٹل جائے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں نافع الناس اور کام کے آدمی ہونگے۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت بخشے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۲۰۲)

''صحابہ کرام کی حالت دیکھو کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں رہنے کیلئے کیا کچھ نہ کیا۔ جو کچھ انہوں نے کیا اسی طرح پر ہماری جماعت کو لازم ہے کہ وہی رنگ اپنے اندر پیدا کریں۔ بدوں اس کے وہ اس اصلی مطلب کو جس کے لئے میں بھیجا گیا ہوں پا نہیں سکتے۔ کیا ہماری جماعت کو زیادہ حاجتیں اور ضرورتیں لگی ہوئی ہیں جو صحابہؓ کو نہ تھیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے اور آپ کی باتیں سننے کے واسطے کیسے حریص تھے۔

اس لئے ہمیشہ دل غم میں ڈوبا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری جماعت کو بھی صحابہؓ کے انعامات سے بہرہ ور کرے۔ ان میں وہ صدق و وفا، و اخلاص اور اطاعت پیدا ہو۔ جو صحابہؓ میں تھی۔ یہ خدا کے سوا کسی سے ڈرنے والے نہ ہوں۔ متقی ہوں۔ کیونکہ خدا کی محبت متقی کے ساتھ ہوتی ہے۔ ان اللہ مع المتقین۔'' (البقرہ: ۱۹۵)

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۴۰۵)

سب کیلئے دعا

حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی لکھتے ہیں:-

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی عادت تھی کہ ہر ایک دعا کے موقعہ پر اپنے خدام کو اپنی دعاؤں میں یاد کر لیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت قاضی امیر حسین کا ایک خورد سال بچہ فوت ہو گیا۔ اس کے جنازہ کی نماز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام نے خود پڑھائی اور عموماً جنازوں کی نمازوں میں حضور خود ہی پیش امام ہوا کرتے تھے۔ اس وقت قادیان میں جماعت تھوڑی تھی۔ اس جنازہ میں شامل ہونے والے احباب کی تعداد ۱۴۔۱۵ کے قریب تھی۔ نماز کے بعد ایک شخص نے عرض کیا حضور میرے واسطے دعا کریں۔ تو حضور نے فرمایا کہ میں نے تو ابھی اس نماز میں سب کا جنازہ پڑھ دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ صرف میت اور اس کے لواحقین کے لئے

دعا نہیں کی تھی۔ بلکہ جتنے لوگ جنازہ میں شامل ہوئے سب کے لئے دعا کر دی تھی۔"

(سیرۃ مسیح موعود علیہ السلام از یعقوب علی صاحب عرفانی صفحہ ۵۲۱، ۵۲۲)

حضور دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اے خداوند قادر مطلق! اگرچہ قدیم سے تیری یہی عادت اور یہی سنت ہے کہ تو بچوں اور امیوں کو سمجھ عطا کرتا ہے اور اس دنیا کے حکیموں اور فلاسفروں کی آنکھوں اور دلوں پر سخت پردے تاریکی کے ڈال دیتا ہے۔ مگر میں تیری جناب میں عجز اور تضرع سے عرض کرتا ہوں کہ ان لوگوں میں سے بھی ایک جماعت ہماری طرف کھینچ لا۔ جیسے تو نے بعض کو کھینچا بھی ہے اور ان کو بھی آنکھیں بخش اور کان عطا کر اور دل عنایت فرما۔ تا وہ دیکھیں اور سنیں اور سمجھیں اور تیری اس نعمت کو جو تو نے اپنے وقت پر نازل کی ہے۔ قدر پہچان کر اس کے حاصل کرنے کیلئے متوجہ ہو جائیں۔ اگر تو چاہے تو تو ایسا کر سکتا ہے کیونکہ کوئی بات تیرے آگے انہونی نہیں۔ آمین ثم آمین"

(ازالہ اوہام)

"اے ارحم الراحمین! جس اسلام کی اشاعت کیلئے تو نے مجھے مامور کیا ہے اور جس خدمت کیلئے تو نے میرے دل میں جوش ڈالا ہے اس کو اپنے ہی فضل سے انجام تک پہنچا اور اس عاجز کے ہاتھ سے حجت اسلام مخالفین پر اور ان سب پر جو اب تک اسلام کی خوبیوں سے بے خبر ہیں پوری کر اور اس عاجز اور اس عاجز کے تمام دوستوں اور مخلصوں اور ہم مشربوں کو مغفرت اور مہربانی کی نظر سے اپنے ظل حمایت میں رکھ۔ دین و دنیا میں آپ ان کا متکفل اور متولی ہو جا اور سب کو اپنی دار الرضا میں پہنچا اور اپنے نبی ﷺ اور اس کی آل اور اصحاب پر زیادہ سے زیادہ درود و برکات نازل کر۔ آمین یا رب العالمین۔"

"اے میرے قادر خدا! اے میرے پیارے رہنما تو ہمیں وہ راہ دکھا جس سے تجھے پاتے ہیں اہل صدق و صفا اور ہمیں ان راہوں سے بچا جس کا مدعا صرف شہوات ہیں یا کینہ یا بغض یا دنیا کی حرص و ہوا۔"　(پیغام الصلح)

"میں تو بہت دعا کرتا ہوں کہ میری جماعت ان لوگوں میں ہو جائے جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور نماز پر قائم رہتے ہیں اور رات کو اٹھ کر زمین پر گرتے ہیں اور روتے ہیں اور خدا کے فرائض کو ضائع نہیں کرتے اور بخیل اور ممسک اور غافل اور دنیا کے کیڑے نہیں ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ یہ میری دعائیں خدا تعالیٰ قبول کرے گا۔"

حضرت خلیفہ المسیح الاول کی دعائیں

"بہت سے ہمارے دوست آج غالباً رخصت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہی کا اختیار ہوگا۔ جو ہم آئندہ سال ملیں گے اب کے تیسرا برس ہے میں اپنے حالات کو نگاہ کرتا ہوں۔ ہمیشہ رات کو یقین نہیں ہوتا کہ صبح اٹھوں گا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے تم ہم اکٹھے ہو گئے ہیں۔ اس لئے تم سب کو السلام علیکم و رحمہ اللہ و برکاتہ کہتا ہوں اور سب کے لئے جو رخصت ہوں گے دعا کرتا ہوں۔ استودع یحب اللہ دینکم و ایمانکم وخواتیم عملکم و زودکم اللہ التقوی و غفر ذنبکم و ثکر سفیکم واللہ معکم اینما کنتم واوصیکم بتقوی اللہ وقد فازالمتقون ان اللہ مع الذین اتقو والذین ھم محسنون○

اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے دین کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں وہ اپنی امانتوں کو ضائع نہیں کرتا۔ تمہارے دین کو ایمان کو تمہارے خاتمہ کو سب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں۔ پھر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں و زودکم اللہ التقوی اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ میں متقیوں کے ساتھ رہوں گا۔ متقی خدا تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ متقی کو علم دیا جاتا ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے متقی کو رزق دوں گا۔ متقی کو تنگی سے نجات ملتی ہے۔ میں تم سب کے لئے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے قصوروں کو معاف کر دے۔ معاف کر دے تو جہاں جہاں تم رہو اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار رہے۔"

(خطبات نور جلد دوم صفحہ ۲۰۲، ۲۰۳ خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۷ دسمبر ۱۹۱۲ء)

کچھ ہمارے بہت پیارے مصر میں بھی گئے ہیں۔ ان کے لئے بھی دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ دین کا خادم بنائے۔ اللہ ان پر راضی ہو وہ دین......کے خیر خواہ ہوں۔ ان کے کلمات کو اللہ بابرکت بنائے ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور بیش از بیش توفیق بخشے۔ قرآن کے خادم ہوں محمد رسول اللہ ﷺ کے خادم ہوں اللہ کو راضی کرنے والے ہوں۔ کچھ پیارے مصر میں آگے بھی ہیں ان کے لئے بھی دعا کرو۔ پھر تین، چھ، نو لندن میں بھی ہیں ان کے لئے دعا کرو۔ ان کے وجودوں کو بابرکت بنائے۔ ان کے کلام میں برکت ڈالے۔ دین کی خدمت کریں۔"

(الفضل جلد ا نمبر ۱۱ صفحہ ۱۵ مورخہ ۲۷ اگست ۱۹۱۳ء)

جماعت کے حق میں ایک مقبول دعا

"آج مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ میں نے سمجھا اب اس دنیا میں نہیں رہوں گا۔ سو میں نے دو رکعت نماز پڑھی اور الحمد شریف کے بعد پہلی رکعت میں سورۃ الضحیٰ اور دوسری رکعت میں الم نشرح لک صدرک کی تلاوت کی۔ پھر میں نے دعا کی۔ الٰہی! ہم پر ہر طرف سے غدر ہو گیا........ الٰہی اسلام پر بڑا تبر چل رہا ہے۔ مسلمان اول تو سست ہیں پھر دین اسلام قرآن کریم اور نبی کریم سے بے خبر۔ تو ان میں ایسا آدمی پیدا کر جس میں قوت جاذبہ ہو وہ کاہل و سست نہ ہو ہمت بلند رکھتا ہو۔ باوجود ان باتوں کے وہ کمال استقلال رکھتا ہو۔ دعاؤں کا مانگنے والا ہو تیری تمام یا اکثر رضاؤں کو پورا کیا ہو۔ قرآن و حدیث سے باخبر ہو۔ پھر اس کو ایک جماعت بخش اور وہ جماعت ایسی ہو جو نفاق سے پاک ہو۔ تباغض ان میں نہ ہو۔ اس جماعت کے لوگوں میں خوب ہمت اور استقلال ہو۔ قرآن و حدیث سے واقف ہوں اور ان پر عامل اور دعاؤں کے مانگنے والے ہوں۔ ابتلاء تو ضرور آویں گے۔ ان ابتلاؤں میں ان کو ثابت قدمی عطا فرما۔ ان کو ایسے ابتلاء نہ آئیں جو ان کی طاقت سے باہر ہوں۔" (بحوالہ سوانح فضل عمر جلد دوم صفحہ ۲)

بقیہ از صفحہ..12

ٹھونگیں مارتی ہے ختم کرتے ہیں اور پھر لمبی چوڑی دعا شروع کرتے ہیں، حالانکہ وہ وقت جو اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرنے کے لئے ملا تھا اس کو صرف ایک رسم اور عادت کے طور پر جلد جلد کرنے میں گزار دیتے ہیں اور حضور الٰہی سے نکل کر دعا مانگتے ہیں۔ نماز میں دعا مانگو، نماز کو دعا کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھو۔"

"جو بات ہماری سمجھ میں نہ آوے یا کوئی مشکل پیش آوے تو ہمارا طریق یہ ہے کہ ہم تمام فکر کو چھوڑ کر صرف دعا میں اور تضرع میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تب وہ بات حل ہو جاتی ہے۔"

" حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام خود چند دعائیں باقاعدگی سے روزانہ مانگا کرتے تھے۔

فرمایا:۔

"میں التزاماً چند دعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں اول اپنے نفس کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ خداوند کریم مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت و جلال ظاہر ہو اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ دوم پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ العین عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں۔ سوم پھر اپنے بچوں کے لئے دعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خدام بنیں۔ چہارم پھر اپنے مخلص دوستوں کے لئے نام بنام۔ پنجم اور پھر ان سب کے لئے جو اس سلسلہ سے وابستہ ہیں خواہ ہم انہیں جانتے ہیں، یا نہیں جانتے۔"

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہمیشہ مقبول دعاؤں کی توفیق عطا فرماوے۔ آمین

نوٹ:۔ اس مضمون کے جملہ حوالہ جات "ملفوظات جلد اول و سوم" "کشتی نوح" اور "سیرت طیبہ" از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے سے لئے گئے ہیں۔

وہ جس پہ رات ستارے لئے اترتی ہے
وہ ایک شخص دعا ہی دعا ہمارے لئے
وہ نور نور دمکتا ہوا سا اک چہرہ
وہ آئینوں میں حیا ہی حیا ہمارے لئے

دریا کے کنارے ربوہ میں

ابتدائی ایام کی چند جھلکیاں
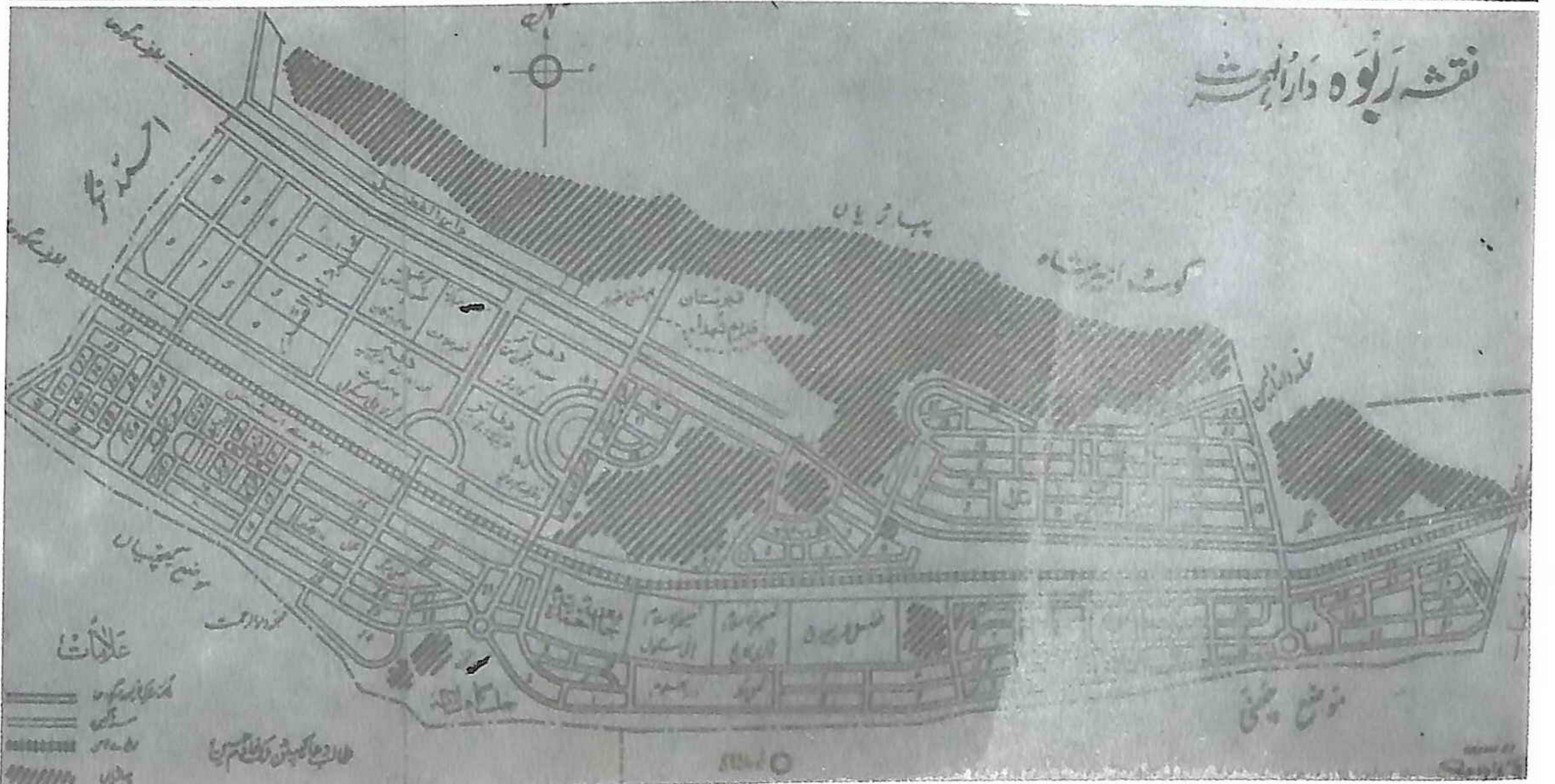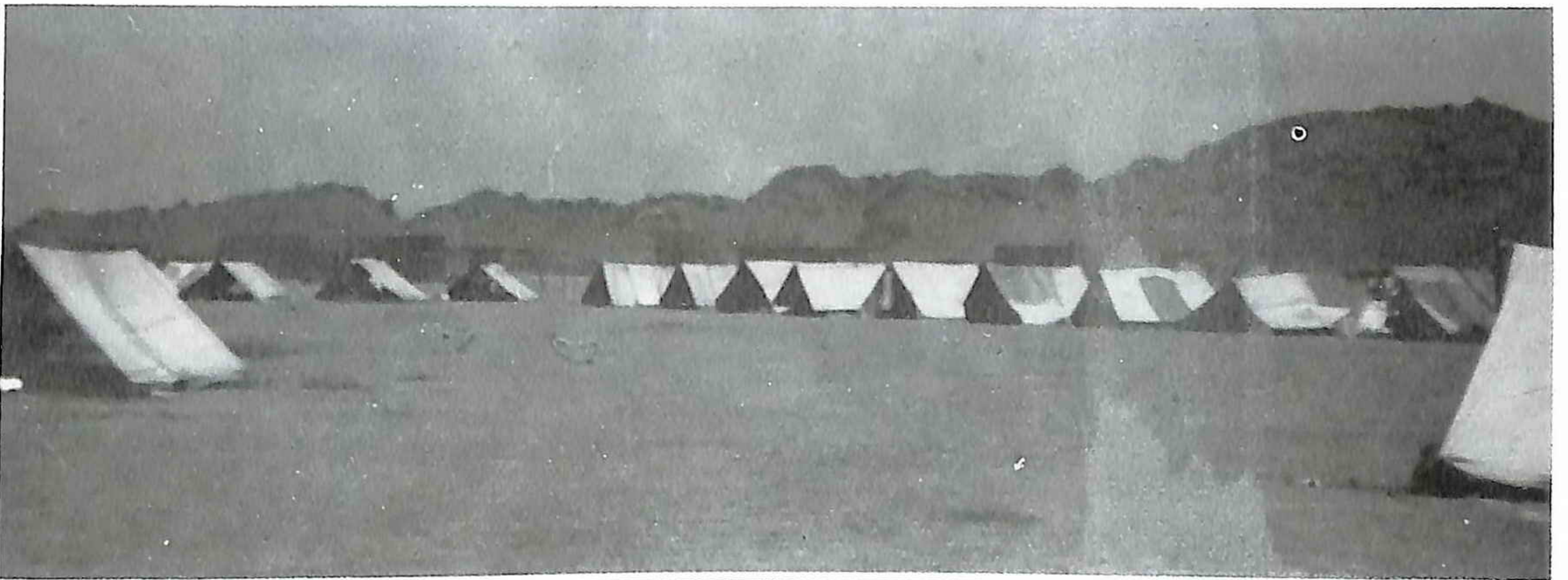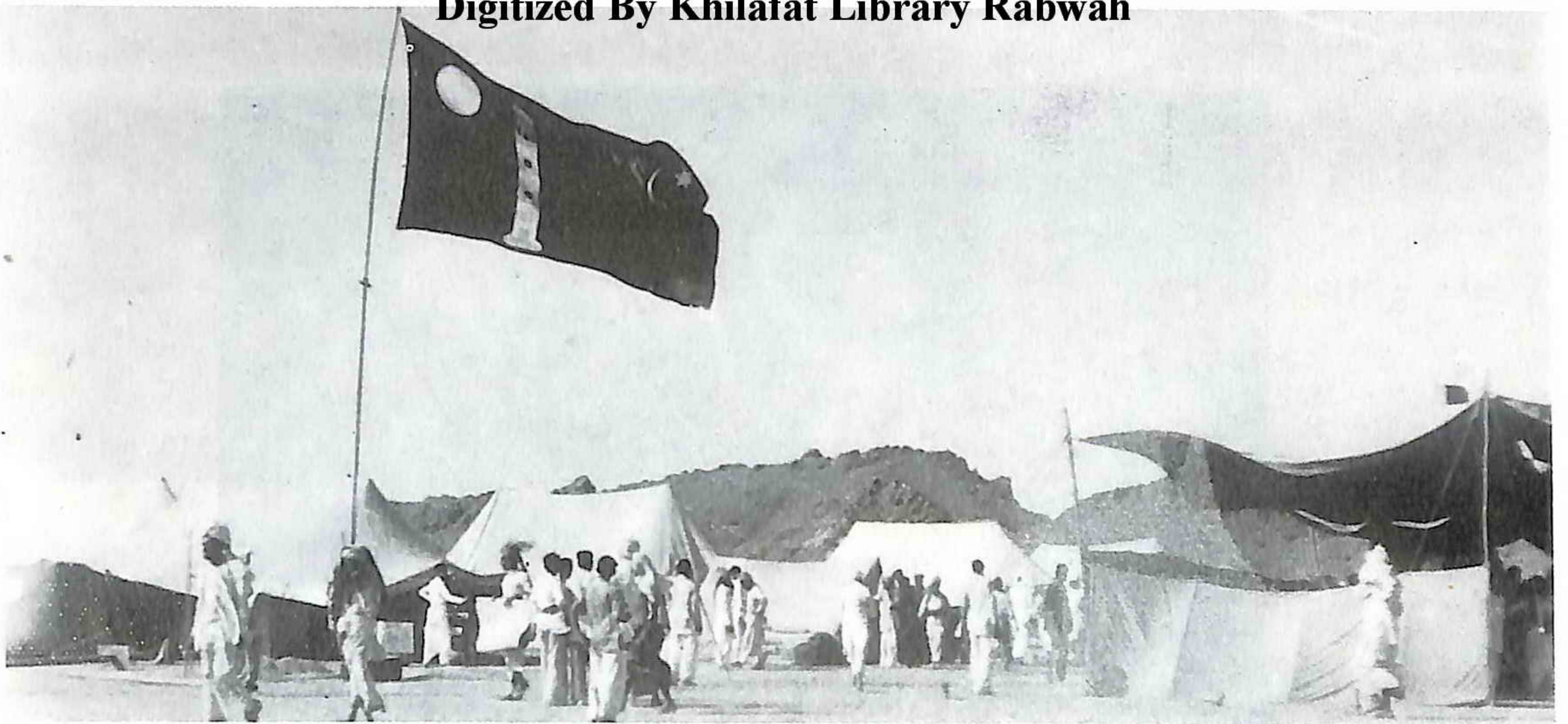
پھول کھلے ہیں پات ہرے ہیں کم کم بادوباراں ہے
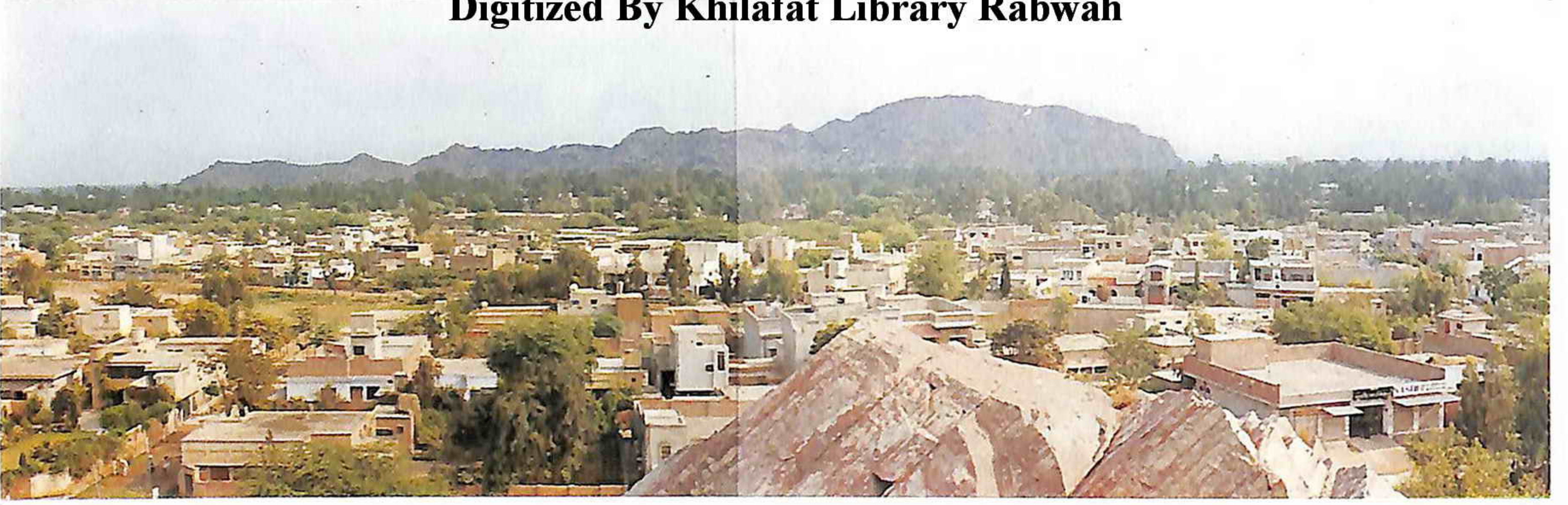
ربوہ کی موجودہ وسعت اور سرسبز و شاداب کیفیت
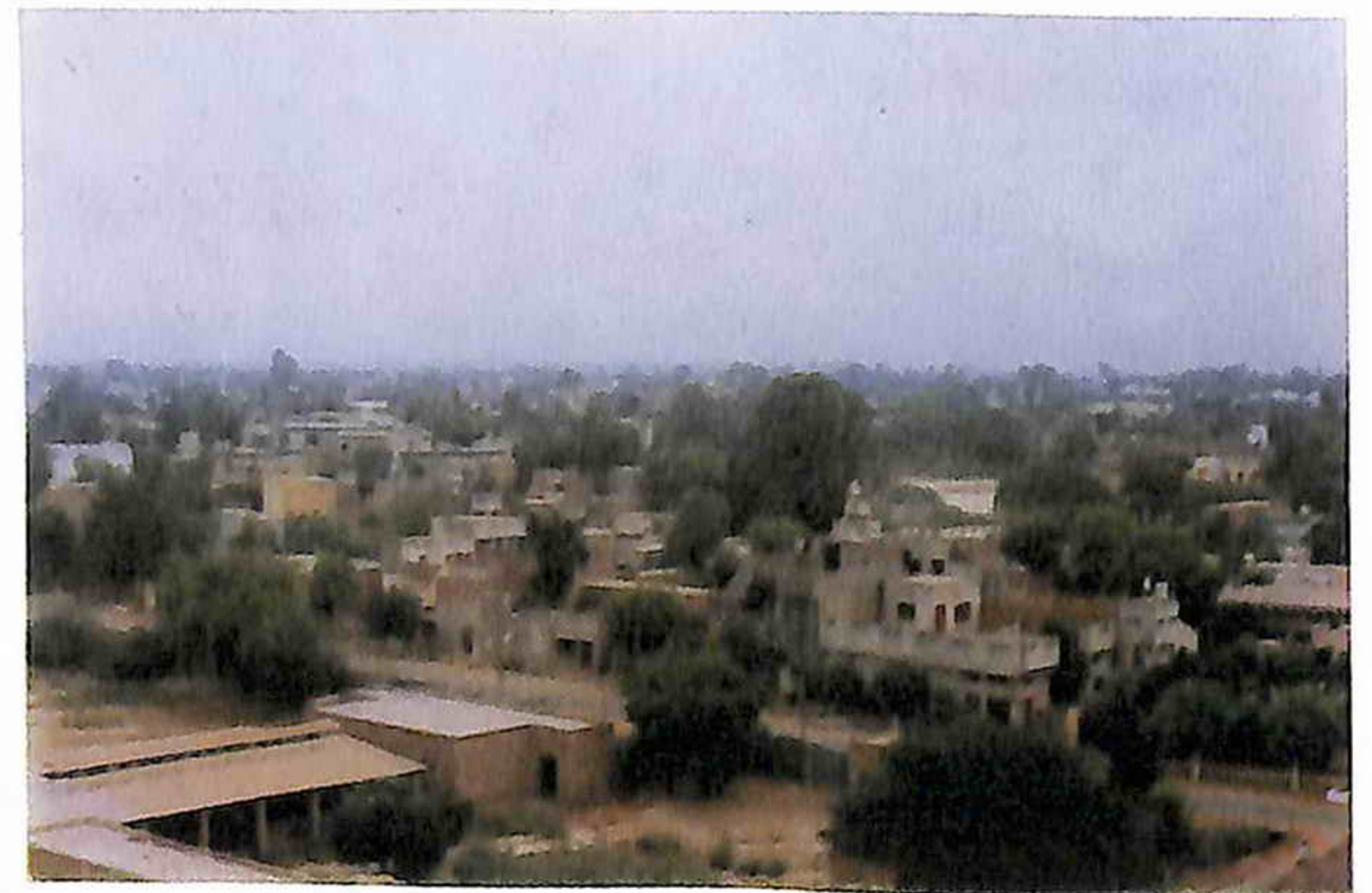
چند نادر تصویریں
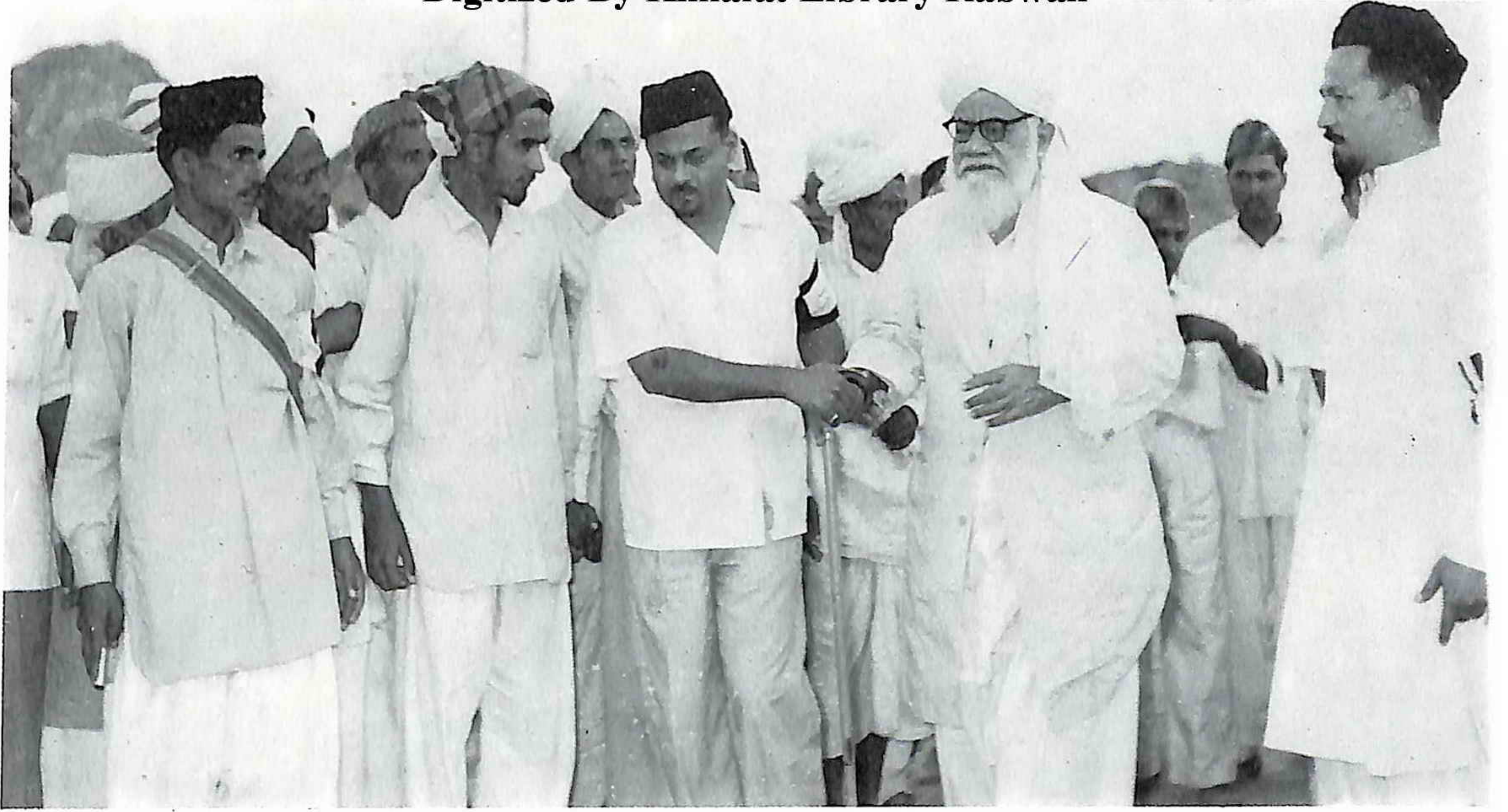
حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے ایوان محمود ربوہ کا سنگِ بنیاد رکھنے کیلئے تشریف لا رہے ہیں۔ محترم سید میر داؤد احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ آپ کا ہاتھ پکڑے ہوئے اور دائیں جانب حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی۔ آپ کے ساتھ محترم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

عاشقانِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

(مکرم شبیر احمد ثاقب صاحب۔ مہتمم صحتِ جسمانی)

ہمارے آقا و مولیٰ حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن عظیم اخلاق کے مالک تھے اور جو قوت جذب آپ میں ودیعت کی گئی تھی اور جو حسن و جمال آپ کو بخشا گیا تھا وہ ہر سعید فطرت سلیم القلب کو اپنی طرف کھینچتا تھا اور جوں جوں کوئی آپ کے قریب آتا جاتا تھا اس پر آپ کے حسن و احسان اور محبت کی ایسی تاثیر پڑتی کہ پھر اس کیفیت سے باہر نکلنا اس کے اختیار میں نہ ہوتا۔

قرآن کریم آپ کے ان بزرگ اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے لو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک کہ (اے محمدؐ) اگر تو بد خلق اور سخت دل ہوتا تو یہ لوگ تجھے چھوڑ کر تتر بتر ہو جاتے۔ پس یہ آپؐ کے اخلاق تھے جنہوں نے آپ کے غلاموں کو محبت کے ایسے ناطے سے باندھ رکھا تھا جس سے نکلنا ان کے لئے ممکن ہی نہیں تھا۔ صحابہ آپ کے حسن و جمال اور اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ خوش خلق تھے۔ بہت لطف و احسان کرنے والے تھے۔ درشت کلام اور بدخو ہرگز نہ تھے۔ تین باتیں آپ کے نفس سے خارج تھیں۔ جھگڑا، تکبر اور بے معنی باتیں کرنا۔ آپؐ جب کلام کرتے تو آپ کے ہم جلیس رفقاء خاموش ہو جاتے۔ گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپؐ خاموش ہوتے تو صحابہ بات کرتے مگر آپؐ کی موجودگی میں وہ تکرار نہ کرتے اور نہ بحث میں الجھتے اور جو آپ کی بات کے دوران بولتا اسے خاموش کراتے۔

(شمائل ترمذی باب خلق رسول اللہ)

حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں اگر کوئی آپ کو پہلی دفعہ دیکھتا تو آپؐ سے مرعوب ہو جاتا اور جب آپؐ سے قریب ہوتا اور گھل مل جاتا تو آپؐ سے بہت محبت کرنے لگتا۔ آپؐ کی تعریف کرنے والے صحابہ بیان کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ آپؐ جیسا نہ آپؐ سے پہلے کبھی دیکھا نہ آپؐ کے بعد۔

(شمائل ترمذی باب ما فی خلق رسول اللہؐ)

صحابہ کے عشق رسولؐ کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود لکھتے ہیں:۔

"ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے کرتے مجلس سے اٹھے اور تھوڑی دیر تک واپس نہ آئے تو سب صحابہ آپؐ کی تلاش میں بھاگ پڑے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں تشریف لے گئے تھے۔ صحابہ سب کے سب آپؐ کے پیچھے اٹھ کر چلے گئے اور انہیں اس وقت ایسی گھبراہٹ اور بے

چینی ہوئی کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں مجھے باغ کے اندر جانے کا راستہ بھی نظر نہ آیا اور میں گندے پانی کی نالی میں سے گزر کر اندر داخل ہوا حالانکہ عموماً انہیں کمزور دل سمجھا جاتا تھا۔

(تفسیر کبیر جلد نمبر ۶۔ صفحہ ۴۰۷)

اس عشق و محبت کے چند نمونے پیش کئے جا رہے ہیں۔ اس نیت اور دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان عاشقان صادق میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بخاری میں لکھا ہے کہ جنگ احد پر جانے کے متعلق جب آپؐ نے انصار سے سوال کیا تو سعد بن عبادہ نے آپؐ کو جواب دیا یا رسول اللہ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہم حضرت موسیٰ کے ساتھیوں کی طرح کہہ دیں گے کہ اذھب انت و ربک فقاتلا انا ھھنا قعدون (المائدہ:۲۵)

ایسے اخلاص کے مظاہرے صرف مردوں میں ہی نہیں بلکہ عورتوں میں بھی ملتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ھند بنت عتبہ آئی اور اس نے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ روئے زمین پر کوئی خیمہ والا نہ تھا جس کی نسبت میں آپ سے زیادہ ذلت کی خواہش مند تھی اور اب روئے زمین پر کوئی گھر والا نہیں جس کی نسبت میں آپ کے گھر والوں سے زیادہ عزت کی خواہشمند ہوں۔ اس عورت کی طرف دیکھو یا تو وہ بغض تھا یا ایسی فریفتہ ہو گئی۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب۔ باب ذکر ھند بنت عتبہ بن ربیعہ)

وضو کا پانی بھی زمین پر نہیں گرنے دیتے

بخاری شریف میں مسعود ابن مخرمہ کی روایت ہے کہ جب آپؐ حدیبیہ میں ٹھہرے ہوئے تھے تو میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وضو کرنے لگتے تو صحابہ وضو کے بچے ہوئے پانی کے لئے اس قدر لڑتے کہ گویا ایک دوسرے کو قتل کر دیں گے اور جب آپؐ کوئی حکم دیتے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر اس کی تعمیل کرتے اور جب آپؐ بولنے لگتے تو سب اپنی آوازوں کو نیچا کر لیتے۔ صحابہ کے اس اخلاص اور محبت کا ان ایلچیوں پر جو گفتگو کے لئے آئے تھے ایسا اثر پڑا کہ انہوں نے اپنی قوم کو واپس جا کر اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپؐ کی مخالفت سے باز آ جائیں۔

ان میں سے عروہ بن مسعود ثقفی نے ان الفاظ میں قوم کو مخاطب کیا "اے معشر قریش میں نے ہراقلہ روم اور اکاسرہ ایران کے دربار بھی دیکھے ہیں۔ میں نے کسی بادشاہ کو اپنے ماتحتوں اور سربراہوں میں اس قدر محبوب و مکرم نہیں پایا جس قدر محمد (صلعم) اپنے اصحاب میں محبوب و باعزت ہیں۔ اصحاب محمد کی یہ حالت ہے کہ وہ محمد (صلعم۔ ناقل) کے وضو کا پانی زمین پر گرنے نہیں دیتے۔ جب وہ کلام کرتے ہیں تو وہ سب خاموشی سے سنتے ہیں اور تعظیم کی وجہ سے ان کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھتے۔ یہ لوگ کسی طرح محمد (صلعم) کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ تم صلح کر لو۔

(تاریخ اسلام۔ حصہ اول۔ صفحہ ۱۹۰-۱۹۱)

والدین کی محبت پر حضور کی محبت کو ترجیح

حضرت زید بن حارثؓ کی والدہ سعد بنت ثعلبہ اپنے قبیلہ میں آئیں۔ ان کا بیٹا زیدؓ بھی ساتھ تھا۔ رستے میں وہ حادثہ کا شکار ہو گئیں۔ زید اس وقت آٹھ سال کے تھے۔ لوگوں نے اس بے سہارا بچے کو بازار میں بیچ دیا۔ پھر یہ ایک سے دوسرے کے ہاتھ بکتے گئے حتیٰ کہ انہیں حکیم بن حزام نے چار سو درہم میں حضرت خدیجہ کے لئے خرید لیا۔ جب آنحضور ﷺ سے حضرت خدیجہؓ کی شادی ہوئی تو زید انہوں نے آنحضور ﷺ کو ھبہ کر دیا۔ حضرت زید کے اس طرح کھو جانے کا ان کے والد کو کیسا غم اور درد تھا اس کا اظہار انہوں نے ایک طویل نظم میں کیا ہے۔ جس کے چند اشعار یہ تھے۔

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل
احی یرجی ام اتی دونہ الاجل

تذکرنیه الشمس عند طلوعها
و تعرض ذکراه از قارب الطفل
و ان هبت الارواح ذکره
فیا طول حزنی علیه و یا وجل

کہ میں زید کے لئے روتا ہوں اور میں نہیں جانتا کہ وہ زندہ ہے یا اس پر موت آچکی ہے۔ سورج کا طلوع ہونا مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور جب بھی کوئی بچہ میرے قریب ہوتا ہے تو مجھے اس کی یاد آتی ہے اور جب ہوائیں چلتی ہیں تو اس کی یاد مجھے تڑپاتی ہے۔ وائے حسرت میرا یہ غم کتنا طویل ہے۔

اس گمشدگی کے بعد کلب قبیلہ کے کچھ لوگ حج کرنے آئے۔ انہوں نے وہاں زید کو دیکھ لیا اور پہچان لیا اور زید نے بھی ان کو پہچان لیا اور انہیں پیغام دیا کہ میرے گھر والوں کو میری اطلاع کر دینا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ پریشان ہیں اور یہ بھی بتانا کہ خدا کے فضل سے میں خیروعافیت سے ہوں۔ ان لوگوں نے یہ بات جب زید کے والد کو بتائی تو وہ بے اختیار کہنے لگے رب کعبہ کی قسم میرا بیٹا کیا واقعی وہی تھا۔ انہوں نے کہا ہاں پھر ان کو وہ جگہ بتائی اور بتایا کہ وہ اس وقت کن کے پاس ہیں۔ ایسی جدائی کے بعد جب وصل کی گھڑیاں قریب آرہی ہوں۔ خونی رشتوں کا اس طرح دوبارہ مل جانا یہ نظارہ دیدنی ہوتا ہے۔ مگر اس کہانی کا یہ باب عجیب ہے اور منفرد بھی۔ چنانچہ حضرت زید کے والد حارثہ اور چچا کعب مکہ آئے اور آنحضورؐ کا پتہ پوچھتے پچھاتے جب گھر آئے تو پتہ چلا کہ حضور اس وقت خانہ کعبہ میں ہیں۔ وہ دونوں وہاں چلے گئے اور آنحضورؐ سے ملے اور درخواستیں کرنے لگے کہ آپ ہم پر احسان کریں۔ مہربانی فرمائیں۔ آپ لوگ متولی کعبہ ہیں۔ آپ سے ہم حسن سلوک کی امید لے کر آئے ہیں۔ آپ فدیہ کے حوالے سے رعایت برتیں۔ آپؐ نے فرمایا کون ہے جس کے لئے تم یہ کہہ رہے ہو۔ انہوں نے کہا زید بن حارثہ۔ آپؐ نے فرمایا میں اسے ابھی بلاتا ہوں اور اسے اختیار دیتا ہوں۔ وہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو شوق سے جائے اور اگر میرے ساتھ رہنا چاہے تو میں ایسا نہیں ہوں کہ کوئی مجھے دوسروں پر ترجیح دے اور میں اس کی پرواہ نہ کروں۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے تو بہت ہی احسان کیا ہے۔ آپؐ نے زید کو بلوایا اور پوچھا ان کو پہچانتے ہو۔ کہنے لگے ہاں۔ فرمایا کون ہیں۔ زید نے کہا یہ میرا باپ ہے اور یہ میرا چچا ہے۔ فرمایا تم میرے ساتھ رہ کر مجھ دیکھ اور جان چکے ہو۔ اب تمہیں اختیار ہے چاہے تو مجھے اختیار کرلو چاہے ان کو۔ زید کہنے لگے میں آپؐ پر کسی کو اختیار نہیں کرسکتا۔ آپؐ ہی میرے باپ ہیں۔ آپؐ ہی میرے چچا ہیں۔ ان دونوں نے کہا تیرا ناس ہو کیا غلامی کو آزادی پر ترجیح دے رہا ہے اور غیروں کو اپنے باپ اور چچا اور گھر والوں پر۔ زید نے کہا ہاں میں نے اس شخص (محمد رسول اللہؐ) میں جو کچھ دیکھا ہے میں ان پر آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا۔ یہ کہہ کر اپنے باپ اور چچا کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ آنحضورؐ نے زید کو اٹھایا اور لوگوں کے سامنے اعلان کیا گواہ رہو زید میرا بیٹا ہے اور میرا وارث ہے۔ اس وقت سے زید بن محمد پکارا جانے لگا حتی کہ سورہ احزاب کی یہ آیت نازل ہوئی ادعوھم لاباءھم کہ ان کو ان کے باپوں کے نام سے پکارو۔

اور اس محبت کے ساتھ جو تقدس تھا اس نے ان کی محبت کو چار چاند لگا دیئے۔ دیکھو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسی محبت اور اخلاص ہے کہ آپؐ کے مقابل اپنے باپ کو بھی درخور اعتناء نہیں جانا۔ اسے کہتے ہیں سچی محبت جو اپنے ساتھ غیرت رکھتی ہے اور اس میں ایسی وفا ہے کہ کوئی تعلق کوئی رشتہ کوئی محبت اس کو منقطع نہیں کرسکتی۔

حضرت ابوبکرؓ کے عشق و محبت کا تذکرہ

آنحضور ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپؐ کی مصاحبت اور معیت نصیب

ہوئی۔ بلاشبہ یہ رفاقت نصیبوں والوں کو ہی ملا کرتی ہے۔ اس سفر کی ایک ایک منزل حضرت ابوبکرؓ کی اپنے آقا و مولا سے محبت اور عشق کی گواہی دیتی ہے۔ اس وقت ساتھ جانا ہی موت کو گلے لگانے کے مترادف تھا مگر حضرت ابوبکرؓ تو اس وجود پر ہزار جانیں نچھاور کر دینا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔

ہجرت کے واقعات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ابوبکر صدیقؓ بیان فرماتے ہیں ہم مکہ سے چلے۔ ایک رات اور اگلے دن ظہر کے وقت تک چلتے رہے۔ جب دوپہر کا وقت ہوا تو میں نے نگاہ دوڑائی کہ کہیں سایہ ہو تو ہم وہاں ٹھہر جائیں۔ ایک چٹان دکھائی دی اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہاں سایہ ہے۔ میں نے وہ جگہ صاف اور ہموار کی اور آنحضرتؐ کے لئے بچھونا بچھایا اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ آرام فرمائیے۔ میں باہر سے جائزہ لینے نکلا کہ ہماری تلاش میں کوئی ادھر تو نہیں آ رہا۔ اس اثناء میں مجھے بکریوں کا ایک چرواہا ملا جو چٹان کی طرف اپنی بکریاں ہانکے لے جا رہا تھا۔ وہ بھی سایہ کی تلاش میں تھا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کس کا غلام ہے۔ اس نے قریش کے ایک شخص کا نام لیا جسے میں پہچانتا تھا۔ پھر میں نے اس سے پوچھا تیری بکریوں میں کچھ دودھ بھی ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کیا ہمیں دودھ دوہ کر دے گا۔ اس نے کہا ہاں میں نے کہا ٹھیک ہے دودھ دوہ دو اور دیکھو بکری کے تھن اچھی طرح صاف کر لینا اور اپنے ہاتھ بھی۔ اس نے دودھ دوہا۔ میں نے آنحضورؐ کے لئے ایک چھاگل ساتھ رکھی تھی جس میں پانی تھا۔ میں نے وہ اس دودھ میں ڈالا جس سے وہ دودھ نیچے تک ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر میں آنحضرتؐ کے پاس وہ دودھ لایا۔ آپؐ اس وقت تک بیدار ہو چکے تھے۔ میں نے وہ دودھ آپؐ کی خدمت میں پیش کیا اور عرض کیا حضور پی لیجئے۔ فشرب حتی رضیت ۔ آپؐ نے وہ دودھ پیا حتی کہ میں خوش ہو گیا۔ یہ محبت کا بہت ہی دلنشیں انداز ہے کہ میرے محبوب نے شوق سے پیا تو میں خوش ہو گیا۔ اس میں جو اپنائیت محبت اور انداز ہے وہ جذبات کے خاص اظہار کا طریق ہے جو ابوبکر کا ہی انداز تھا۔ یہ بے ساختہ محبت ہے جو لفظوں کو نیا رنگ اور نئے معنی پہناتی ہے۔

(بخاری جلد اول کتاب بنیان الکعبۃ باب ہجرۃ النبیؐ)

اس سفر کے دوران جب سراقہ بن مالک نے آپ کا پیچھا کیا اور آپ کے قریب پہنچ گیا تو حضرت ابوبکر کبھی یہ سوچ کر کہ حملہ پیچھے سے ہو گا آنحضورؐ کے پیچھے ہو جاتے اور کبھی یہ تصور کر کے کہ آگے سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو آپؐ کے آگے ہو جاتے۔ غرض اپنے محبوب آقا کی طرف آنے والے ہر حملہ کے سامنے سینہ سپر تھے۔ فدائیت اور جانثاری کی یہ وہ مخلصانہ ادائیں تھیں جن کو آنحضورؐ بھی خوب سمجھتے تھے۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کی ان مخلصانہ محبتوں کا کیسے دلنشیں پیرائے میں تذکرہ کیا ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں مجھ پر لوگوں میں سے ابوبکر کا احسان مال اور رفاقت کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہے اور اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا خلیل (جس کی محبت میرے رگ و ریشہ میں ہے سرایت کر جائے) بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ گویا خدا کے بعد سب سے بڑا محبوب آپؐ کے ابوبکرؓ تھے اور ایک موقعہ پر فرمایا اللہ نے مجھے تم لوگوں کی طرف بھیجا۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور ابوبکر نے مجھے سچا مانا اور اپنی جان اور مال سے میری خدمت کی۔

عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہؐ آپ کو لوگوں میں سے سب سے زیادہ پیارا کون ہے۔ فرمایا عائشہ اور مردوں میں عائشہ کے باپ (ابوبکر)

آنحضورؐ کے وصال پر حضرت ابوبکرؓ کی صبر و ہمت سے لبریز محبت کا اظہار یوں ہوا کہ آپ کو جب آنحضورؐ کے وصال کی اطلاع ہوئی۔ آپ آئے آنحضورؐ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا۔ آپؐ کو بوسہ دیا اور کہا میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ آپؐ ہر حال میں اچھے ہیں زندگی ہو یا موت اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپؐ پر دو موتیں نہیں آئیں گی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ محبت کے ساتھ ساتھ

گہرا عرفان بھی رکھتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ انسانی نفس نے تو موت کا ذائقہ چکھنا ہی ہے مگر میرے آقا ابدی حیات رکھتے ہیں اور حقیقتاً ان پر نہ موت ہے نہ فنا یہ تو محض ایک عالم سے دوسرے عالم کی طرف انتقال ہے۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب ابواب فضائل ابی بکر)

حضرت عمرؓ کا انداز محبت

ایک محبت کی یہ ادا تھی جو حضرت ابو بکرؓ کی تھی اور ایک یہ ادا تھی جو حضرت عمرؓ کی تھی کہ ان کی محبت یہ قبول کرنے کے لئے تیار ہی نہ تھی کہ آنحضورؐ بھی وفات پاسکتے ہیں اور یہ دراصل محبت کی اس حالت کا نام ہے جہاں عقل اور فہم پر محبت پردہ ڈال دیتی ہے اور یہ ایسی وارفتگی کی کیفیت ہوتی ہے جو انسان کے شعور پر قبضہ کرلیتی ہے۔ جہاں عاشق عشق و محبت کی مستی میں کچھ ایسا کھویا جاتا ہے کہ اسے محبوب کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اس محبت کا نمونہ ایک دوسرے محب رسولؐ حضرت حسان بن ثابتؓ کے اس مرثیہ میں بھی ملتا ہے جو انہوں نے آنحضورؐ کے وصال پر لکھا جس کا ایک شعر یہ تھا کہ:۔

کنت السواد لناظری فعمی علیک الناظر
من شاء بعدک فلیمت فعلیک کنت احاذر

کہ تو میری آنکھوں کی پتلی تھا۔ میری آنکھوں کا نور تھا۔ آج میں اندھا ہو گیا ہوں۔ اب مجھے تیرے بعد کسی کے مرنے کی پرواہ نہیں۔ جو چاہے مرے میں تو تیرے لئے فکر مند تھا۔

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے یہ آیت وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل پڑھی تو ایسا معلوم ہوا جیسے لوگ یہ جانتے ہی نہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ہے۔ ابو بکرؓ نے پڑھی تو معلوم ہوا۔ پھر تو زبان زد عام ہو گئی۔ جس کو دیکھو وہ یہی آیت پڑھ رہا تھا۔ سعید بن مسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں مجھے ایسا معلوم ہوا میں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ جب ابو بکرؓ نے پڑھی تو میں نے سنی اور میں سمجھا۔ پھر تو غم سے میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ (جسے کہتے ہیں میرے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی) مجھ سے پاؤں اٹھائے نہیں جاتے تھے حتیٰ کہ میں زمین پر گر گیا کہ واقعی آنحضورؐ وفات پاگئے ہیں۔

پس محبت کا یہ ایک انداز ہے کہ انسان اپنے حواس کھو بیٹھتا ہے۔ (بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ)

بیٹی کا انوکھا انداز دلبرانہ

محبت کے بھی اپنے اپنے رنگ ہیں۔ اپنی اپنی ادائیں ہیں۔ حضرت فاطمہ کی محبت کی اپنی ادا تھی اور اس معاشرے میں کہ جہاں عورت جانوروں سے بھی بدتر سمجھی جاتی تھی اس میں آنحضرتؐ نے جو مقام اور مرتبہ عورت کو دیا وہ قابل تحسین اور قابل تقلید و رشک بھی ہے۔

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضورؐ جب حضرت فاطمہؓ کے پاس جاتے تو فاطمہؓ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھتیں۔ آنحضورؐ کا بوسہ لیتیں۔ آپؐ کو اپنی جگہ پر بٹھاتیں اور جب آنحضورؐ کے پاس آپ جاتیں تو آنحضورؐ بھی اٹھ کھڑے ہوتے۔ آپ کو پیار کرتے۔ اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ جب آپؐ بیمار ہوئے تو حضرت فاطمہؓ آئیں۔ آپؐ پر جھک کر آپؐ کو بوسہ دیا۔ سر اٹھایا تو آپ رو رہی تھیں۔ پھر حضورؐ پر جھک گئیں۔ پھر جب سر اٹھایا تو مسکرا رہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں آنحضورؐ کی وفات کے بعد میں نے حضرت فاطمہؓ سے اس کے متعلق پوچھا تو آپ نے بتایا کہ مجھے آنحضورؐ نے پہلے جب اپنی وفات کی خبر دی تو میں رونے لگی۔ پھر حضورؐ نے مجھے بتایا کہ تم مجھ سے جلد ملوگی تو میں خوش ہو گئی (کہ اس عارضی جدائی کے بعد ہمیشہ کی رفاقت نصیب ہو گی)

(ترمذی ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل فاطمہؓ)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضورؐ کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور آپؐ پر غشی طاری ہونے لگی تو آپؐ کی

صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے کہا ہائے میرے باپ پر کیسی سختی ہے۔ آپؐ نے فرمایا آج کے بعد تمہارے باپ پر کوئی سختی نہ ہوگی۔ جب آپؐ وفات پاگئے تو حضرت فاطمہؓ یوں کہہ کر رونے لگیں ہائے میرے پیارے ابا آپ نے اپنے رب کا بلاوا منظور کرلیا۔ جنت الفردوس کو اپنا ٹھکانہ بنانا قبول کرلیا۔ میں جبریل کو آپؐ کی وفات کی خبر سناتی ہوں (ان کیفیات کو دراصل لفظوں میں بیان کرنا اور پھر وہ بھی اردو ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے) یہ وہ کیفیات ہیں جو محبت کی نگاہ سے دیکھنے اور محسوس کرنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب آنحضورؐ کی تدفین ہوگئی تو حضرت فاطمہؓ نے حضرت انسؓ سے کہا تم لوگوں نے یہ کیسے گوارا کرلیا کہ رسول اللہؐ پر مٹی ڈالو۔ بلاشبہ پیارے کی یہ حالت نہ دیکھی جاسکتی ہے اور نہ دل اسے قبول کرنے کو تیار ہوتا ہے۔ مگر جیسے حضرت فاطمہؓ نے بھی کہا بلانے والے کی آواز پر لبیک کہنا پڑتا ہے۔ بلانے والا جانے والے سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ اس لئے پھر انسان بادل نخواستہ اس جدائی کو قبول کرلیتا ہے۔ (بخاری کتاب المغازی باب مرض النبیؐ)

حضرت کعب بن مالکؓ

حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت مرارہ بن ربیعؓ اور حضرت ہلال بن امیہؓ یہ وہ تین اصحاب رسول ہیں جنہیں غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے پر پچاس دن کے مقاطعہ کی سزا دی گئی۔ ان تینوں نے اس ابتلاء کے وقت کو جس وفا، اخلاص اور قربانی سے گزارا ہے وہ ایک عدیم المثال اور قابل تقلید نمونہ ہے۔ ان میں سے حضرت کعبؓ کی وفا اور اپنے آقا و مولا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا نمونہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت کعبؓ بیان کرتے ہیں کہ ان ابتلاء کے دنوں میں جب چالیس دن گزر گئے تو رسول اللہؐ کی طرف سے یہ پیغام ملا کہ اپنی بیوی سے علیحدہ ہوجائیں۔ کہتے ہیں میں نے پیغام لانے والے سے پوچھا کہ طلاق دے دوں یا کیا منشاء مبارک ہے۔ اس نے بتایا کہ نہیں طلاق نہیں بلکہ اس سے ایسی علیحدگی اختیار کرلو جس میں تعلق وغیرہ نہ ہو۔ انہی دنوں وہ کہتے ہیں میں اپنے چچازاد بھائی ابو قتادہ کے باغ میں گیا۔ اس سے مجھے بے حد محبت تھی۔ کہتے ہیں میں نے اسے سلام کیا اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے اسے قسم دے کر کہا کہ کیا تو نہیں جانتا کہ میں اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ پھر کیوں جواب نہیں دیتا۔ وہ پھر بھی خاموش رہا۔ میں نے پھر قسم دے کر اسے کہا کہ میں اللہ اور رسول سے محبت رکھتا ہوں مگر جواب ندارد۔ پھر قسم دے کر اسے کہا تو اس نے بس اتنا کہا اللہ و رسولہ اعلم کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ میں اس کا یہ ردعمل دیکھ کر اس کے باغ سے باہر نکل آیا۔ میری آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں اسی حالت میں چلتا آرہا تھا کہ بازار میں کوئی شامی شخص میرے متعلق لوگوں سے پوچھ رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو وہ مجھے آملا اور میرے سامنے غسان کے بادشاہ کا خط رکھا جس میں لکھا تھا امابعد..... مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کے آقا (محمد) نے آپ پر یہ بڑا ظلم کیا ہے (نعوذباللہ) جب کہ آپ ایسے وجود نہیں ہیں جن کی ناقدری کرکے انہیں بے وقعت اور بے حیثیت بنایا جائے۔ پس آپ ہمارے پاس آجائیے۔ ہم آپ کی ہر طرح غمگساری کریں گے (اور خوب مراعات دیں گے) کہتے ہیں یہ خط پڑھ کر میں نے سوچا یہ اس ابتلاء پر ایک اور ابتلاء ہے۔ پھر میں اس خط کو لے کر سیدھا تنور کی طرف گیا اور اس خط کو اس تنور میں پھینک دیا۔

(بخاری کتاب المغازی باب ثلثۃ الذین خلفوا)

پس ایسے ابتلاء کے دور میں جب اپنے غیر دکھائی دینے لگیں اور پیارے چھوڑ جائیں اور کوئی عزیز سے عزیز تر کلام تک کا روادار نہ رہے۔ ایسا معاشرہ جہاں بستا شہر اس شخص کے لئے ویرانہ بن جائے۔ جہاں اس کا سب کچھ اس سے چھن جائے۔ ایسے حالات میں سوائے سچے وفادار کے کوئی ساتھ نہیں رہ سکتا۔ یہ وقت ہوتا ہے جب محبت آزمائی جاتی ہے۔ جہاں

عشق کا امتحان ہوتا ہے۔ جہاں دودھ کا پیالہ ملتا نہیں بلکہ خون کا پیالہ دینا پڑتا ہے۔ جہاں انگاروں پر چل کر محبوب تک پہنچنا ہوتا ہے۔ ایسے میں اگر سچا عشق نہ ہو تو ناممکن ہے کہ کوئی ساتھ نبھا سکے اور اس پر مستزاد یہ کہ ایک طرف یہ کانٹوں کی سیج ہے اور دوسری طرف پھولوں کے ہار پہنائے جاتے ہوں۔ ایک طرف ہجر اور محرومیاں ہوں اور دوسری طرف تمناؤں کے پورا ہونے اور بڑی بڑی امیدوں کے بر آنے کے مواقع ہیں۔ ایک طرف رد کیا جا رہا ہے۔ اور دوسری طرف گلے لگایا جا رہا ہے۔ یہاں آکر عشق اپنی آخری منزل طے کرتا ہے اور عاشقان صادق کے صدق کو دکھلاتا ہے اور یہی وہ سچا عشق تھا۔ یہی وفا تھی جو عاشقان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رگ و ریشہ میں دوڑ رہی تھی۔ جس سے وہ عشق کے ہر امتحان میں پورے اتر رہے تھے۔ تبھی تو انہیں آسمانی کلام نے جو رسول اللہ نے والذین معہ کے دلنشیں پیرایہ میں ذکر کیا ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو لازوال ہے۔ جو ابدی ہے۔ جس پر انقطاع اور انخلاء کا کبھی سایہ تک نہیں پڑا۔

ثمامہ بن اثال

ثمامہ بن اثال جو معروف دشمن اسلام تھا ایک سریہ میں پکڑا گیا اور قیدی بن کر گیا۔ اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ تین دن تک وہ وہاں بندھا رہا۔ آنحضورؐ ہر روز اس کے پاس جاتے اور پوچھتے اے ثمامہ تم سے کیا سلوک کیا جائے۔ وہ کہتا اگر میرے قتل کا حکم دیں تو ایک قاتل کا قتل ہوگا (کیونکہ وہ قتل و غارت گری میں معروف تھا) اور اگر احسان کریں تو ایک انسان شکر گزار سے آپ کا یہ احسان ہوگا۔ آپؐ نے اسے چھوڑنے کا حکم دیا۔ وہ مسجد سے باہر نکلا اور قریب ایک باغ میں نہا کر واپس آگیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ پھر کہا اے محمدؐ خدا کی قسم روئے زمین پر مجھے آپؐ کے چہرہ سے زیادہ کوئی چہرہ ناپسند نہ تھا اور آج آپؐ کا چہرہ مجھے سب سے زیادہ پیارا اور اچھا لگتا ہے۔ آپ کے دین سے بڑھ کر مجھے کسی دین سے نفرت نہ تھی مگر آج سے آپؐ کا دین مجھے سب سے زیادہ پسند ہے۔ آپؐ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر میرے لئے قابل نفرت نہ تھا مگر آج سے آپؐ کا شہر مجھے سب سے زیادہ پیارا ہو گیا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ و حدیث ثمامہ بن اثال)

حضرت ابوطلحہؓ

حضرت ابوطلحہ جنگ احد کے دن آنحضورؐ کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ جب آنحضورؐ نگرانی کے لئے ادھر ادھر ہوتے تو وہ اپنا منہ آگے کر دیتے مبادا آپؐ کو کوئی تیر وغیرہ لگ جائے اور عرض کرتے میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں ادھر ادھر التفات نہ فرمائیے مبادا آپؐ کو کوئی تیر لگ جائے۔ میرا سینہ آپؐ کے سینہ کے سامنے حملہ کو اپنے اوپر لینے کو حاضر ہے۔

(بخاری کتاب المغازی باب اذھمت طائفتان)

مدینہ کا معزز ترین محبوب

حضرت عبداللہ بن ارقم بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی بن سلول نے غزوہ تبوک سے واپسی پر کہا کہ جب ہم مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو مدینہ کا معزز شخص (وہ اپنے آپ کو کہہ رہا تھا) مدینہ کے ذلیل شخص نعوذباللہ (نقل کفر کفر نہ باشد) اس کی مراد آنحضرت ﷺ سے تھی کو مدینہ سے نکال دے گا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ آنحضورؐ نے فرمایا چھوڑ و اسے (اسے دفع کرو) لوگ باتیں کریں گے کہ خود اپنے صحابہ کو مرواتا ہے۔ اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ نے اعلان کیا کہ میرا باپ مدینہ نہیں لوٹے گا جب تک اس بات کا اقرار نہ کرے کہ وہ ذلیل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معزز ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

(جامع ترمذی کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ منافقون۔ زیر آیت و لئن رجعنا...... الخ)

ام المومنین حضرت ام حبیبہ کی غیرت وحب رسول

فتح مکہ سے قبل جب ان کے باپ ابو سفیان مدینہ آئے اور اپنی بیٹی ام حبیبہ کے گھر گئے اور بستر پر بیٹھنے لگے تو حضرت ام حبیبہ نے بستر اٹھالیا۔ ابو سفیان سخت برہم ہوئے کہ تمہیں بستر مجھ سے زیادہ عزیز ہے۔ کہنے لگیں نہیں بلکہ اس لئے اٹھایا ہے کہ یہ رسول اللہ ؐ کا بستر ہے اور آپ مشرک ہیں اس لئے یہ کیسے گوارا کرسکتی ہوں کہ ایک مشرک بستر رسول پر بیٹھے۔

(الاصابہ جلد نمبر ۸۔ صفحہ ۸۵۔ ذکر ام حبیبہ)

آنحضرت ﷺ کی محبت نے صحابہ کے اندر کیا کیا رنگ بھر دیئے تھے۔

حضرت جابر کے والد حضرت عبداللہ ؓ جب غزوہ احد کے لئے روانہ ہونے لگے تو بیٹے سے کہا کہ ممکن ہے میں شہید ہو جاؤں اور رسول اللہ ؐ کے سوا مجھے کوئی تم سے زیادہ عزیز نہیں۔ تم میرا قرض ادا کر دینا۔

(اسد الغابہ تذکرہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام)

وفد عبدالقیس جب آپ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ لوگ سواریوں سے اترتے ہی آپ ؐ کی طرف ایسے وفور محبت سے دوڑے کہ آپ ؐ کے ہاتھوں اور پاؤں کو چومنے لگے۔

(سنن ابوداؤد کتاب الادب)

آنحضور ؐ کے وصال کے بعد صحابہ آپ ؐ کی رفاقت کو یاد کرکے بہت رویا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے کہا مجھے کوئی ایسی حدیث سنایئے جو آپ نے آنحضور ؐ سے براہ راست سنی ہو اور آپ کو خوب یاد ہو اور آپ اس کو اچھی طرح سمجھتے ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے کہا اچھا سناتا ہوں اور پھر بات اس طرح شروع کی کہ یہ اس وقت کی بات ہے جب اس کمرہ میں صرف میں تھا اور میرا آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمارے سوا کوئی نہ تھا۔ یہ بات کہی اور ساتھ ہی ان پر ایسی کیفیت طاری ہوگئی کہ شدت جذبات سے کپکپی طاری ہوگئی اور آواز بھرا گئی اور نیم بے ہوشی میں چلے گئے۔ افاقہ ہوا تو پھر بات شروع کی اور اس وقت کا تصور کرکے پھر وہی غشی طاری ہوگئی۔ تیسری دفعہ پھر وہی ہوا اور بمشکل وہ حدیث بیان کرسکے۔ یہ وہ ہجر کے داغ تھے جو صحابہ کے سینوں پر ہمیشہ رہتے اور جب بھی کوئی موقعہ اپنے محبوب کی یاد کو تازہ کرتا تو یہ زخم ہرے ہو جاتے۔

(ترمذی ابواب التہجد باب ماجاء)

غزوہ تبوک سخت گرمیوں میں ہوا۔ اس کی شدت اور سختی کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے۔ احادیث میں بھی اسے غزوہ عسر یعنی تنگی اور تکلیف والا غزوہ کہا گیا ہے۔ حضرت ابو خیثمہ مالک بن قیس اس قافلے کے ساتھ روانہ نہ ہوسکے جو آنحضور ؐ کی معیت میں نکلا۔ انہی دنوں ایک روز وہ اپنے گھر آئے تو دیکھا کہ ان کی بیویوں نے ان کی آسائش کے لئے خوب انتظام کیا ہے۔ بالا خانے پر چھڑکاؤ کیا گیا۔ ٹھنڈا پانی عمدہ کھانا غرض تمام سامان آسائش میسر تھا۔ یہ سب کچھ دیکھ کر کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لو اور گرمی میں کھلے میدان میں ہوں اور ابو خیثمہ سایہ' ٹھنڈے پانی' عمدہ کھانوں اور عورتوں کے ساتھ لطف اندوز ہو رہا ہو۔ خدا کی قسم یہ مناسب اور جائز نہیں۔ میں ہرگز بالا خانہ پر نہ جاؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت زاد راہ لیا اور تبوک کی طرف روانہ ہوگئے۔

(اسد الغابہ جلد نمبر ۴ صفحہ ۲۹۱۔ تذکرہ مالک بن قیس المکتبہ الاسلامیہ ۔طہران)

صحابہ اپنے محبوب آقا کی جدائی کے تصور میں روتے اور اشکبار ہوتے تھے۔ ان کے ان جذبات کو انگیخت کرنے اور ان کے غم کے تار کو چھیڑنے کا کبھی کوئی ذریعہ بنتا اور کبھی کوئی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ محبوب کی جدائی ایک لحظہ کے لئے ان کے دل سے کبھی محو نہ ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت ابن عباس بیٹھے بیٹھے کہنے لگے جمعرات کا دن اور جمعرات کا دن کس قدر سخت تھا۔ اس کے بعد اس قدر روئے کہ جہاں بیٹھے تھے وہاں نیچے کی زمین آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ حضرت سعید بن جبیر نے پوچھا جمعرات کا دن کیا؟ فرمانے لگے اس روز میرے محبوب آقا کے مرض نے شدت اختیار کی تھی جو آپ ؐ کے وصال پر منتج ہوئی۔

(مسلم کتاب الوصیتہ باب ترک الوصیتہ لمن لیس لہ ان یوصی فیہ)

حضرت عبد اللہ بن عمر جنہیں اتباع سنت کا بے حد شغف تھا اپنے آقا کی ہر بات میں پیروی کرنا ان کا خاص ذوق تھا۔ وہ جب رسول اللہ ؐ کا تذکرہ کرتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ (طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عبد اللہ بن عمر)

ایک دن حضرت ابو ہریرہؓ حضرت حسنؓ سے ملے اور کہا ذرا پیٹ سے کپڑا اٹھائیے جہاں رسول اللہ ؐ نے آپ کو بوسہ دیا تھا۔ میں بھی وہاں بوسہ دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت حسنؓ نے پیٹ سے کپڑا اٹھایا اور حضرت ابو ہریرہؓ نے بوسہ دے کر اپنا من راضی کیا۔ (مسند احمد بن حنبل جلد نمبر ۲ صفحہ ۴۲۷)

عشاق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے دیدار اور زیارت کے لئے بے قرار رہتے تھے۔ آپ ؐ کی مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف آوری کا جب پتہ چلا تو کئی دن تک انصار کیا مرد اور کیا عورتیں اور کیا بچے سبھی مدینہ سے باہر نکل کر آپ ؐ کا انتظار کرتے اور شوق دید کے طلبگار رہتے حتی کہ وہ خوش نصیب وقت آیا کہ ان کا چاند ہاں وہی بدر منیر جس کو تکتے تکتے ان کو کئی دن گزر چکے تھے آج طلوع ہوا۔ ہر ایک اپنی محبت کا اپنے اپنے انداز اور طور پر اظہار کر رہا تھا۔ انصار کی لڑکیاں محبت کے نغمات الاپ رہی تھیں:

طلع البدر علینا
من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا
ما دعی للہ داعی

کہ ثنیتہ الوداع سے ہم پر بدر طلوع ہوا ہے۔ جب تک دعا کرنے والے دعا کریں ہم پر شکر واجب ہے۔

ہر کوئی چاہ رہا تھا کہ میزبانی کا شرف اسے عطا ہو۔ صحابہ حاضر ہو ہو کر عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ہمارا گھر ہے۔ ہمارے ہاں رونق بخشئے۔ مگر یہ سعادت اللہ تعالیٰ نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے لئے مقدر کی تھی۔ آپ ؐ نے فرمایا میری اونٹنی کو چھوڑ دو یہ جہاں بیٹھ گئی وہیں میرا مسکن ہوگا۔ جب اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی تو قبیلہ بنو نجار کی لڑکیاں دف بجا بجا کر یہ نغمات الاپنے لگیں۔

نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا محمدا من جار

ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں کیا خوب کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہمسائے ہیں۔

(سیر الصحابہ حصہ ہشتم، نہم۔ صفحہ ۱۵۱۔ ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور)

آپ ؐ نے آخری بیماری کے ایام میں ایک دفعہ اپنے حجرہ کا پردہ اٹھا کر مسجد نبوی میں صحابہ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ ؐ مسکرائے۔ اپنے غلاموں کو خدا کے حضور دیکھ کر خوش ہوئے۔ صحابہ نے جب پردہ ہٹنے سے آپ ؐ کی طرف دیکھا تو ان کی حالت اور ہوگئی۔ آپ ؐ کی بیماری کے ایام میں جب کہ وہ ہر روز طرح طرح کے اندیشوں میں وقت گزار رہے تھے آج اپنے محبوب آقا کا چہرہ دیکھ کر وفور محبت نے ان کے جذبات میں ایسا تلاطم پیدا کر دیا اس کیفیت کو لفظوں میں بیان کرنا اور اس نظارے کی منظر کشی کرنا جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل ہے۔ صحابہ نے اپنے اپنے طور پر ان لمحات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے حضرت انسؓ نے اس واقعہ کو الفاظ میں اس طرح ڈھالا ہے۔

کان وجھہ ورقہ مصحف مار اینا منظرا
کان اعجب علینا من وجھہ النبی حسین

(بخاری کتاب الصلوۃ باب اھل العلم والفضل حق بالامامہ)

بقیہ صفحہ 30 پر

خدا تعالیٰ کے فضلوں اور اس کے احسانوں سے بھرپور

جلسہ سالانہ برطانیہ 1999

جلسہ سالانہ برطانیہ ۹۹ء ایک یادگار عالمگیر اور سحر انگیز نیز انقلاب آفرین جلسہ اور ایک منفرد اجلاس تھا۔ محبت اور اضطرابی جذبات کی یادیں بطور یادگار چھوڑ کر اختتام پذیر ہوا۔ جب سے کائنات بنی ہے نہ ایسا پروگرام کسی نے پہلے ملاحظہ کیا اور نہ کبھی بھی کسی مذہب میں ایک سال میں ۱۰ ملین سے زائد سعید روحیں داخل ہوئی ہیں۔ فالحمدللہ علی ذلک۔

عالمی بیعت کی مجالس

حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے عالمی بیعت کا سلسلہ ۱۹۹۳ء کے جلسہ سالانہ برطانیہ کے موقع پر جاری فرمایا۔ ۱۹۹۳ء سے لیکر ۱۹۹۹ء تک سات عالمی بیعت کی مجالس میں محض اللہ کے فضل و کرم سے (دو کروڑ انیس لاکھ پانچ ہزار نو سو نو) ۲٬۱۹٬۰۵٬۹۰۹ سعید روحیں امام مہدی علیہ السلام کے حلقہ بیعت میں شامل ہو چکی ہیں۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

سال ۱۹۹۳ء	۲۰۴۳۰۸
سال ۱۹۹۴ء	۴۲۱۷۵۳
سال ۱۹۹۵ء	۸۴۷۷۲۵
سال ۱۹۹۶ء	۱۶۰۲۷۲۱
سال ۱۹۹۷ء	۳۰۰۴۵۸۵
سال ۱۹۹۸ء	۵۰۰۴۵۹۱
سال ۱۹۹۹ء	۱۰۸۲۰۲۲۶

(رپورٹ: مکرم احمد طاہر صاحب مرزا)

جلسہ ۹۹ء کے اہم پروگراموں کی مختصر جھلک

امسال جلسہ برطانیہ ۳۰، ۳۱ جولائی و یکم اگست ۹۹ء کو حسب روایت ٹلفورڈ اسلام آباد یوکے میں منعقد ہوا۔

۳۰ جولائی کے پروگرام

جمعۃ المبارک کے روز جلسہ کی کارروائی کا اسلام آباد ٹلفورڈ سے پاکستانی وقت کے مطابق ایک بجے دوپہر سے براہ راست آغاز ہوا اور جلسہ کی مناسبت سے مختلف پروگرام پیش کئے گئے۔ قریباً ساڑھے تین بجے سہ پہر حضور انور جلسہ گاہ تشریف لے گئے اور مختلف شعبہ جات کا معائنہ فرمایا اور ہدایات ارشاد فرمائیں۔

شام ساڑھے چار بجے جلسہ برطانیہ پر آمدہ مہمانان گرامی کے انٹرویوز براہ راست نشر کئے گئے جو کہ بہت خوبصورت جذبات پر مشتمل پروگرام تھا۔ حسب معمول شام حضور انور نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور یہ خطبہ جلسہ گاہ سے براہ راست ۸ زبانوں میں نشر کیا گیا۔ اور مقامی طور پر بھی ترجمانی کا اہتمام کیا گیا۔ خطبہ کے بعد جلسہ کی بابت ملے جلے پروگرام پیش کئے گئے۔ قریباً ساڑھے سات بجے شام لوائے احمدیت کی پرچم کشائی حضور انور نے اپنے دست مبارک سے فرمائی اور اس کے بعد جلسہ یو۔کے کی باقاعدہ کارروائی کا آغاز ہوا۔ تلاوت و نظم کے

بعد حضور انور نے افتتاحی خطاب فرمایا۔ اس کے بعد بعض مہمانوں کے انٹرویوز نشر کئے گئے۔

۳۱ جولائی دوسرا دن

جلسہ سے دوسرے روز اسلام آباد سے نشریات کا آغاز ایک بجے دوپہر (پاکستانی وقت) ہوا۔ تاہم اس سے قبل بھی جلسہ کی مناسبت سے بعض خوبصورت پروگرام پیش کئے گئے مثلاً جلسہ سالانہ ربوہ کی مناسبت سے ایک مشاعرہ پیش کیا جس نے جلسہ ربوہ کی یادیں تازہ کر دیں۔ جلسہ کے دوسرے اجلاس میں مختلف احباب نے مختلف مواضیع پر تقاریر کیں۔ حضور انور کا مستورات سے خطاب براہ راست شام پونے چار بجے نشر کیا گیا۔ جلسہ کی بابت مختلف پروگرام پیش کئے گئے۔ جلسہ کے تیسرے اجلاس کی کارروائی تلاوت و نظم کے بعد حضور انور کے دوسرے دن کے خطاب سے شروع ہوئی۔ یہ اجلاس قریباً ۳ گھنٹے جاری رہا۔

یکم اگست ۹۹ء تیسرا روز

گذشتہ روز کے پروگرام دوبارہ ٹیلی کاسٹ کئے گئے۔ جلسہ گاہ سے پروگرام کا باقاعدہ آغاز پونے دو بجے سہ پہر ہوا۔ اور مختلف اعلانات کے بعد مختلف تقاریر براہ راست پیش کی گئی۔ عالمی مجلس سوال و جواب تین بجے کے بعد بعد از سہ پہر پیش کی گئی۔ جس میں حضور انور نے مختلف احباب کے سوالات کے جوابات ارشاد فرمائے۔ عالمی بیعت ۱۹۹۹ء کی تقریب شام پانچ بجے پیش کی گئی جو نادر الوقوع تقریب اپنی مثال آپ ہی تھی۔

جلسہ برطانیہ کا پانچواں اجلاس جو کہ حضرت خلیفہ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ کے اختتامی خطاب پر مشتمل تھا۔ جو کہ جلسہ برطانیہ کا آخری پروگرام ہوتا ہے۔ اس اجلاس کے اختتام پر اختتامی دعا کے ساتھ ہی یہ جلسہ برخواست ہوا۔ فالحمدللہ علی ذالک۔

جلسہ سالانہ برطانیہ کی اہم تقاریب کا تذکرہ

افتتاحی خطاب و اجلاس جماعت احمدیہ برطانیہ کے ۳۴ واں جلسہ سالانہ کے موقع پر خالص دینی، جمالیاتی اور تشکر کا ماحول بنا ہوا تھا۔ سیدنا حضرت اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے لوائے احمدیت لہرا کر جلسہ کا آغاز فرمایا اور امیر صاحب برطانیہ مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب نے لوائے برطانیہ بلند کیا۔ اس کے بعد حضور انور مردانہ مارکی میں تشریف لے گئے جہاں باقاعدہ جلسہ کا افتتاح تلاوت کلام پاک اور ترجمہ اور نظم کے بعد ہوا بعد ازاں آئیوری کوسٹ کے وزیر مذہبی امور نے اپنے ملک کے صدر کا پیغام پڑھ کر سنایا۔ جس میں انہوں نے کہا کہ ہم جماعت احمدیہ کی ترقی کو سلام کرتے ہیں۔ جماعت احمدیہ نے اس ملک میں تعمیری اور علمی ترقی کے لئے بڑی خدمات سرانجام دی ہیں۔

افتتاحی خطاب

افتتاحی خطاب میں حضور انور نے سورہ فاتحہ کی تلاوت سے خطاب کا آغاز فرمایا۔

حضور انور نے جلسہ سالانہ کی حاضری جو کہ گذشتہ جلسہ سالانہ کے افتتاحی خطاب سے اللہ کے فضل و کرم سے زائد تھی کا ذکر فرمایا۔

گذشتہ سال ساڑھے تیرہ ہزار تھی جب کہ امسال پہلے دن کی حاضری ساڑھے اٹھارہ ہزار ہے۔ حضور نے فرمایا امسال اللہ کے فضل و کرم سے ایک کروڑ سے زائد افراد کے احمدی ہونے کی اطلاع مل چکی ہے۔ فرمایا سورہ نصر میں جو فوج در فوج داخل ہونے کا ذکر ہے یہ منظر دنیا کی فتوحات میں کہیں دکھائی نہیں دیا کرتے۔ یہاں پر فوج در فوج احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ استغفار کرو۔ اللہ کی حمد بلند کرو۔

آج کا جلسہ اس لحاظ سے سورہ نصر کا جلسہ بن گیا ہے۔ اس کے بعد حضور نے کراچی کے ایک مولوی کی طرف سے مباہلہ کے چیلنج قبول کرنے کا اعلان فرمایا۔

اپنے خطاب میں حضور نے ۱۸۹۹ء کے ان الہامات اور پیشگوئیوں کا تذکرہ فرمایا جو ۱۹۹۹ء میں پورے ہو رہے ہیں۔ مثلاً یہ کہ "مبشروں کا زوال نہیں ہوتا"۔ گورنر جنرل کی پیشگوئیاں پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے"۔ "ایک عزت کا خطاب" "بارش ہونے کا الہام" ہم تیرے لئے ہری بھری کھیتیاں اگائیں گے" پھر الہام ہوا "کہ تیرے ساتھ صلح اور آشتی پھیلے گی۔" اور بعض مزید الہامات کا تذکرہ فرمایا۔ حضور انور نے فرمایا ۱۸۹۹ء میں صلح کی جو بنا ڈالی گئی تھی آج پھر ۱۹۹۹ء میں مباہلہ کو چھوڑیں اور صلح کی طرح ڈالیں خطاب کے آخر میں حضور نے دعا کروائی۔

خواتین میں خطاب

جلسہ کے موقع پر ۳۱ جولائی کو حضور انور نے مستورات میں خطاب فرمایا جو اخلاق کی تربیت کے موضوع پر تھا اور بہت سی بدخلقیاں مثلاً غیبت، چغل چوری، بدظنی اور فحش کلامی سے بچنے کی پر زور تلقین فرمائی۔ حضور انور نے فرمایا کہ اس جلسہ میں چالیس ممالک کی خواتین تشریف لائیں ہیں جن کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ ہے۔ آپ نے قرآنی آیات، احادیث مبارک اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات کی روشنی میں ان اخلاقی کمزوریوں سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ جو انسان کو تباہ کر دیتی ہیں۔ ان بیماریوں کی وجہ سے معاشرہ دکھوں سے بھر گیا ہے۔ بعض لوگ رشتہ و ناطہ کے مسائل میں باتیں کرتے اور بچیوں کے عیب نکالتے ہیں کیوں ایسا کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ایسی باتیں چھوڑ دیں اور اپنی بچیوں کے لئے دعا کریں۔ حضور نے فرمایا غیبت کرنے والا بھائی کا گوشت کھاتا ہے۔ اس لئے غیبت سے بچو قرآن کریم نے ہمیں یہی نصیحت فرمائی ہے۔ خطاب کے آخر میں حضور انور نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات سنائے جن کا تعلق ان بدخلقیوں کی اصلاح سے تھا۔ فرمایا عورتوں میں چند عیب بہت سخت اور کثرت سے ہوتے ہیں۔ شیخی کرنا، قوم پر فخر کرنا، غریب عورتوں سے نفرت کرنا یہ تعلیم ہرگز قرآن کریم کی نہیں ہے۔ حضور نے فرمایا ان برائیوں سے بچیں۔ دعا کے ذریعے بخشش حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔

عالمی بیعت

تاریخ مذاہب کا منفرد، انوکھا اور ایمان افروز واقعہ اس موقع پر عالمی سجدہ شکر ادا کیا گیا۔ کل عالم میں پہلی مرتبہ ایک سال میں ۱۰۸۲۰۲۲۶ روحیں حلقہ بگوش اسلام ہوئیں۔ اس موقع پر ۱۰۴ ممالک کی ۲۳۱ اقوام کے افراد نے جماعت احمدیہ میں شمولیت کا شرف حاصل کیا۔ اس موقع پر حضور انور نے انگریزی زبان میں بیعت کے الفاظ دھرائے جسے احباب نے دہرایا اس کے بعد ۲۵ زبانوں میں بیعت کے الفاظ بیک وقت دہرائے گئے۔ یہ ایک عجیب نظارہ تھا۔ بیعت کے بعد حضور نے فرمایا۔ اب ہم سجدہ شکر ادا کریں گے اس کے بعد تمام احباب نے سجدہ شکر ادا کیا اور عالمی بیعت ۱۹۹۹ء کی تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

اختتامی تقریب

یہ یادگار اور سحر انگیز، پرسوز دعاؤں سے آراستہ جلسہ یکم اگست ۱۹۹۹ء کو حضور انور کے اختتامی خطاب کے ساتھ ہی اختتام پذیر ہوا۔ اختتامی خطاب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کی سیرت و سوانح کے نایاب و نادر اور ایمان افروز تذکرہ جات نے اس عالمی جلسہ کو ... پرسوز جذبات سے بھر دیا اور دوران خطاب حمد و ثناء اور تکبیر و تمجید کے زیر لب ذکر نے اس

جلسہ کی فضاؤں کو روحانی ماحول سے معطر کر دیا۔ اس خطاب کے اختتام پر حضور انور کا منظوم کلام۔

دیار مغرب سے جانے والو دیار مشرق کے باسیوں کو

نے عالمی محفل میں عجیب و غریب کیفیت پیدا کر دی۔ جس کا اثر شائد ہی ختم ہو۔ بہت پر کیف اور پر اثر یہ جلسہ دعا کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

بقیہ از صفحہ 25

کہ آپ کا چہرہ قرآن کے ورق کی طرح تھا۔ ہم نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔ جب آپ کا چہرہ ہمارے لئے واضح اور نمایاں ہوا۔ بلاشبہ یہ نظارہ دیدنی تھا۔ لفظ ان کیفیات اور جذبات کو سمونے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے۔

حجتہ الوداع کے موقعہ پر مشتاقان دیدار نے آفتاب نبوت کو ہالے کی طرح اپنے حلقے میں لے لیا اور شوق دیدار سے لوگ کھچے چلے آتے۔ شربت دیدار سے سیراب ہوتے اور بے اختیار یہ کہتے جاتے یہ مبارک چہرہ ہے۔

اللھم صل علی محمد و علی آلہ

مہماں جو کر کے اُلفت آئے بصد محبت ❊ دل کو ہوئی ہے فرحت اور جاں کو میری راحت

خُلقِ مہمان نوازی

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے آئینہ میں

(مکرم ریاض محمود باجوہ صاحب۔ شعبہ تاریخ)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ جب کوئی مہمان آتا اسے دیکھ کر آپ کا چہرہ خوشی سے کھل جاتا۔ دور و نزدیک سے بے شمار لوگ پیشگوئیوں کے مطابق آپ کے پاس تشریف لائے۔ آپ مہمانوں کی تعظیم کرتے ہوئے بعض اوقات کھڑے ہو جاتے۔ ان کو اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ ان کا احوال دریافت فرماتے۔ ان کے لواحقین کی خیریت پوچھتے۔ جواب کو بڑی توجہ سے سنتے۔ قیام و طعام سے آگاہی حاصل کرتے۔ آپ نے اپنے ایک دیرینہ خادم حضرت حافظ حامد علی صاحب کو مہمان خانہ پر متعین فرمایا ہوا تھا تا مہمانوں کی خاطر داری میں فرق نہ آئے۔ آپ حضرت حافظ حامد علی صاحب کو بار بار تاکید فرمایا کرتے تھے کہ مہمانوں کو کوئی تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔ اگر کسی مہمان نے زیادہ عرصہ ٹھہرنا ہوتا تو اس سے دریافت فرماتے کہ آپ اپنے گھر میں کونسا کھانا پسند کرتے ہیں۔ پھر وہی کھانا ان کو مہیا کرنے کی کوشش فرماتے۔ آپ کی مہمان نوازی سے متعلق حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی...... فرماتے ہیں :۔

"آپ کی عادت تھی کہ مہمانوں کے لئے دوستوں سے پوچھ پوچھ کر عمدہ سے عمدہ کھانے پکواتے کہ کوئی عمدہ کھانا بتاؤ جو دوستوں کے لئے پکوایا جائے۔ حکیم حسام الدین صاحب سیالکوٹی میر حامد شاہ صاحب مرحوم کے والد تھے۔ ضعیف العمر آدمی تھے ان کو بلایا اور فرمایا کہ میر صاحب کوئی عمدہ کھانا بتلایئے جو مہمانوں کے لئے پکوایا جائے۔ انہوں نے کہا میں شب دیگ عمدہ پکوانی جانتا ہوں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا اور ایک مٹھی روپیوں کی نکال کر ان کے آگے رکھ دی۔ انہوں نے۔ بقدر ضرورت روپے اٹھا لئے اور آ کر انہوں نے بہت سے شلجم منگوائے۔ اور چالیس پچاس کے قریب کھونٹیاں لکڑی کی بنوائیں۔ شلجم چھلوا کر کھونٹیوں سے کوچے لگوانے شروع کئے اور ان میں مصالحہ اور زعفران وغیرہ ایسی چیزیں بھروائیں۔ پھر وہ دیگ پکوائی جو واقعہ میں بہت لذیذ تھی اور حضرت صاحب نے بھی بہت تعریف فرمائی اور مہمانوں کو کھلائی گئی۔"

(...... احمد جلد ۴ صفحہ ۱۱۵، ۱۱۶ مولفہ ملک صلاح الدین صاحب۔ ایم اے)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپور تھلوی...... نے حضرت اقدس کی مہمان نوازی کے بعض اور واقعات کا تذکرہ بھی اپنی ایمان افروز روایات میں کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں :۔

اپنا لحاف بھی دے دیا

ا۔ ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر بہت سے آدمی آئے تھے جن کے پاس کوئی پارچہ سرمائی نہ تھا۔ ایک شخص نبی بخش نمبردار ساکن بٹالہ نے اندر سے لحاف بچھونے منگوانے شروع کئے اور مہمانوں کو دیتا رہا۔ میں عشاء کے بعد حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بغلوں میں ہاتھ دیئے بیٹھے تھے اور ایک صاحبزادہ جو غالباً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تھے، پاس لیٹے تھے اور ایک شتری چوغہ انہیں اوڑھا رکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے بھی اپنا لحاف بچھونا طلب کرنے پر مہمانوں کے لئے بھیج دیا۔ میں نے عرض کی کہ حضور کے پاس کوئی پارچہ نہیں رہا اور سردی بہت ہے۔ فرمانے لگے کہ مہمانوں کو تکلیف نہیں ہونی چاہئے اور ہمارا کیا ہے رات گذر جائے گی۔ نیچے آکر میں نے نبی بخش نمبردار کو بہت برا بھلا کہا کہ تم حضرت صاحب کا لحاف بچھونا بھی لے آئے۔ وہ شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ جس کو دے چکا ہوں اس سے کس طرح واپس لوں۔ پھر میں مفتی فضل الرحمن صاحب یا کسی اور سے ٹھیک یاد نہیں رہا۔ لحاف بچھونا مانگ کو اوپر لے گیا۔ آپ نے فرمایا کسی اور کو دے دو...... اور میرے اصرار پر بھی آپ نے نہ لیا اور فرمایا کسی مہمان کو دے دو۔ پھر میں لے آیا۔"

بیوی کا زیور بیچ دیا

۲۔ "ایک دفعہ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خرچ نہ رہا۔ ان دنوں جلسہ سالانہ کے لئے چندہ ہو کر نہیں جاتا تھا۔ حضور اپنے پاس سے ہی صرف فرماتے تھے۔ میر ناصر نواب صاحب مرحوم نے آکر عرض کی کہ رات کو مہمانوں کے لئے کوئی سامان نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بیوی صاحبہ سے کوئی زیور لے کر جو کفایت کر سکے فروخت کر کے سامان کر لیں۔ چنانچہ زیور فروخت یا رہن کر کے میر صاحب روپیہ لے آئے اور مہمانوں کے لئے سامان بہم پہنچا دیا۔ دو دن کے بعد پھر میر صاحب نے رات کے وقت میری موجودگی میں کہا کہ کل کے لئے پھر کچھ نہیں۔ فرمایا کہ ہم نے برعائت ظاہری اسباب کے انتظام کر دیا تھا۔ اب ہمیں ضرورت نہیں جس کے مہمان ہیں وہ خود کرے گا۔ اگلے دن آٹھ یا نو بجے جب چٹھی رسان آیا۔ تو حضور نے میر صاحب کو اور مجھے بلایا۔ چٹھی رسان کے ہاتھ میں دس پندرہ کے قریب منی آرڈر ہوں گے۔ جو مختلف جگہوں سے آئے ہوئے تھے سو سو پچاس پچاس روپے کے اور ان پر لکھا تھا کہ ہم حاضری سے معذور ہیں۔ مہمانوں کے صرف کے لئے یہ روپے بھیجے جاتے ہیں۔ آپ نے وصولی فرما کر توکل پر تقریر فرمائی۔ اور بھی چند آدمی تھے۔ جہاں آپ کی نشست تھی وہاں کا یہ ذکر ہے۔ فرمایا کہ جیسا ایک دنیا دار کو اپنے صندوق میں رکھے ہوئے روپوں پر بھروسہ ہوتا ہے کہ جب چاہوں گا لے لوں گا۔ اس سے زیادہ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ پر پورا توکل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر یقین ہوتا ہے کہ جب ضرورت ہوتی ہے فوراً خدا تعالیٰ بھیج دے گا۔" (ایضاً صفحہ ۱۱۵)

خود مہمانوں کا سامان اتارنے لگے

"ایک دفعہ دو شخص منی پور آسام سے قادیان آئے اور مہمان خانہ میں آکر انہوں نے خادمان مہمان خانہ سے کہا کہ ہمارے بستر اتارے جائیں اور سامان لایا جائے۔ چارپائی بچھائی جائے۔ خادموں نے کہا آپ خود اپنا اسباب اتروائیں۔ چارپائیاں بھی مل جائیں گی۔ دونوں مہمان اس بات پر رنجیدہ ہو گئے اور فوراً یکہ میں سوار ہو کر واپس روانہ ہو گئے۔ میں نے مولوی عبدالکریم صاحب سے یہ ذکر کیا تو مولوی صاحب فرمانے لگے جانے بھی دو ایسے جلد بازوں کو۔ حضور کو اس واقعہ کا علم ہوا تو نہایت جلدی سے ایسی حالت میں کہ جوتا پہننا بھی مشکل ہو گیا۔ حضور ان کے پیچھے نہایت تیز قدم چل پڑے چند خدام بھی ہمراہ تھے میں بھی ساتھ تھا۔ نہر کے قریب پہنچ کر ان کا

یکہ مل گیا اور حضور کو آتا دیکھ کر وہ یکہ سے اتر پڑے اور حضور نے انہیں واپس چلنے کے لئے فرمایا کہ آپ کے واپس ہونے کا مجھے بہت درد پہنچا۔ چنانچہ وہ واپس ہوئے۔ حضور نے یکہ پر سوار ہونے کے لئے انہیں فرمایا۔ اور کہا میں ساتھ ساتھ چلتا ہوں مگر وہ شرمندہ تھے اور وہ سوار نہ ہوئے۔ اس کے بعد مہمان خانہ میں پہنچے حضور نے خود ان کے بستر اتارنے کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر خدام نے اتار لیا۔ حضور نے اسی وقت دو نواری پلنگ منگوائے اور ان پر ان کے بستر کرائے۔ اور ان سے پوچھا کہ آپ کیا کھائیں گے۔ اور خود ہی فرمایا کیونکہ اس طرف چاول کھائے جاتے ہیں۔ اور رات کو دودھ کے لئے پوچھا۔ غرضیکہ ان کی تمام ضروریات اپنے سامنے مہیا فرمائیں اور جب تک کھانا آیا وہیں ٹھہرے رہے اس کے بعد حضور نے فرمایا کہ ایک شخص جو اتنی دور سے آتا ہے۔ راستہ کی تکالیف اور صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ یہاں پہنچ کر سمجھتا ہے کہ اب میں منزل پر پہنچ گیا۔ اگر یہاں آ کر بھی اس کو وہی تکلیف ہو تو یقیناً اس کی دل شکنی ہوگی۔ ہمارے دوستوں کو اس کا خیال رکھنا چاہئے اس کے بعد جب تک وہ مہمان ٹھہرے رہے حضور کا یہ معمول تھا کہ روزانہ ایک گھنٹہ کے قریب ان کے پاس آکر بیٹھتے اور تقریر وغیرہ فرماتے۔ جب وہ واپس ہوئے تو صبح کا وقت تھا۔ حضور نے دو گلاس دودھ کے منگوائے اور انہیں فرمایا یہ پی لیجئے۔ اور نہر تک انہیں چھوڑنے کے لئے ساتھ گئے۔ راستہ میں گھڑی گھڑی ان سے فرماتے رہے کہ آپ تو مسافر ہیں آپ یکہ میں سوار ہولیں۔ مگر وہ سوار نہ ہوئے۔ نہر پر پہنچ کر انہیں سوار کرا کر حضور واپس تشریف لائے۔

(یہ روایت الحکم مورخہ ۲۱۔ اپریل ۳۴ء میں درج ہے۔)

مولوی حسن علی صاحب کی مہمان نوازی

مولوی حسن علی صاحب بھاگل پور صوبہ بہار کے رہنے والے تھے اور پٹنہ ہائی سکول میں ہیڈ ماسٹر تھے۔ بڑے عابد و زاہد اور صاحب تصنیف انسان تھے۔ ۱۸۸۷ء میں پہلی دفعہ قادیان آئے تو بعد میں اپنے رسالہ "تائید حق" میں حضرت اقدس علیہ السلام کی مہمان نوازی سے متاثر ہو کر لکھا۔

"مرزا صاحب کی مہمان نوازی کو دیکھ کر مجھ کو بہت تعجب سا گزرا ایک چھوٹی سی بات لکھتا ہوں۔ جس سے سامعین ان کی مہمان نوازی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ مجھ کو پان کھانے کی بری عادت تھی امرتسر میں تو مجھے پان ملا۔ لیکن بٹالہ میں مجھ کو کہیں پان نہ ملا۔ ناچار الائچی وغیرہ کھا کر صبر کیا۔ میرے امرتسر کے دوست نے کمال کیا کہ حضرت مرزا صاحب سے نہ معلوم کس وقت میری اس بری عادت کا تذکرہ کر دیا۔ جناب مرزا صاحب نے گورداسپور ایک آدمی کو روانہ کیا۔ دوسرے دن گیارہ بجے دن کے جب کھانا کھا چکا تو پان موجود پایا۔ سولہ کوس سے پان میرے لئے منگوایا گیا تھا۔"

(رسالہ "تائید حق" صفحہ ۵۶)

مولانا ابو النصر آہ کی قادیان آمد اور تاثرات

جناب غلام یاسین صاحب مولانا ابو النصر آہ مولانا ابو الکلام آزاد کے بڑے بھائی تھے۔ غیر مسلموں سے مباحثات میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے لٹریچر سے استفادہ کرتے تھے۔ ۱۹۰۲ء میں آپ نے خواب میں دیکھا کہ وہ اور ان کے بھائی ابو الکلام آزاد قادیان گئے ہیں۔ چنانچہ ۲ مئی ۱۹۰۵ء کو آپ قادیان آئے۔ قیام قادیان اور حضرت اقدس علیہ السلام کی مہمان نوازی کا آپ نے ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا:۔

"میں نے اور کیا دیکھا؟ قادیان دیکھا۔ مرزا صاحب سے ملاقات کی۔ مہمان رہا۔ مرزا صاحب کے اخلاق اور توجہ کا مجھے شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ میرے منہ میں حرارت کی وجہ سے چھالے پڑ گئے تھے اور میں شور غذائیں کھا نہیں سکتا تھا۔ مرزا صاحب نے (جب کہ دفعتاً گھر سے باہر تشریف لے آئے تھے) دودھ اور پاؤ روٹی تجویز فرمائی۔.........

مرزا صاحب کی صورت نہایت شاندار ہے جس کا اثر بہت قوی

ہوتا ہے۔ آنکھوں میں ایک خاص طرح کی چمک اور کیفیت ہے اور باتوں میں ملائمت ہے۔ طبیعت منکسر مگر حکومت خیز' مزاج ٹھنڈا مگر دلوں کو گرما دینے والا۔ بردباری کی شان نے انکساری کیفیت میں اعتدال پیدا کر دیا ہے۔ گفتگو ہمیشہ اس نرمی سے کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا متبسم ہیں۔ رنگ گورا ہے۔ بالوں کو حنا کا رنگ دیتے ہیں۔ جسم مضبوط اور محنتی ہے۔ سر پر پنجابی وضع کی سپید پگڑی باندھتے ہیں۔ سیاہ یا خاکی لمبا کوٹ زیب تن فرماتے ہیں۔ پاؤں میں جراب اور دیسی جوتی ہوتی ہے عمر تقریباً ۶۶ سال کی ہے۔

مرزا صاحب کے مریدوں میں میں نے بڑی عقیدت دیکھی اور انہیں بہت خوش اعتقاد پایا۔ میری موجودگی میں بہت سے معزز مہمان آئے ہوئے تھے۔ جن کی ارادت بڑے پایہ کی تھی۔ اور بے حد عقیدت مند تھے۔

مرزا صاحب کی وسیع الاخلاقی کا یہ ایک ادنی نمونہ ہے کہ اثنائے قیام کی متواتر نوازشوں کے خاتمہ پر بایں الفاظ مجھے مشکور ہونے کا موقع دیا۔ ہم آپ کو اس وعدہ پر اجازت دیتے ہیں کہ آپ پھر آئیں اور کم از کم دو ہفتہ قیام کریں۔ (اس وقت کا تبسم ناک چہرہ اب تک میری آنکھوں میں ہے۔)

میں جس شوق کو لے کے گیا تھا ساتھ لایا۔ اور شاید وہی شوق مجھے دوبارہ لے جائے۔ واقعی قادیان نے اس جملہ کو اچھی طرح سمجھا ہے کہ "حسن خلقک ولو مع الکفار"

(بحوالہ "بدر" ۱۹۰۵ء صفحہ ۱۰)

مہمانوں کی دلداری

مہمان خانہ کے مہتمم سے بار بار دریافت فرمایا کرتے کہ کوئی مہمان بھوکا تو نہیں رہ گیا یا کسی کی طرف سے ملازمان لنگر خانہ نے تغافل تو نہیں کیا۔ بعض موقعہ پر ایسا ہوا کہ کسی مہمان کیلئے سالن نہیں بچا یا وقت پر ان کے لئے کھانا رکھنا یاد نہ رہا تو اپنا سالن یا بعض دفعہ اپنا سب کھانا اٹھوا کر مہمان کو بھجوا دیا۔

سیرۃ المہدی حصہ دوم میں قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری کا ایک اسی قسم کا واقعہ درج ہے۔ قاضی صاحب بیان کرتے ہیں کہ:۔

"ایک دفعہ میں اور عبدالرحیم خان صاحب پسر مولوی غلام حسن خاں صاحب پشاوری (بیت) مبارک میں کھانا کھا رہے تھے جو حضرت صاحب کے گھر سے آیا تھا۔ ناگاہ میری نظر کھانے میں ایک مکھی پر پڑی چونکہ مجھے مکھی سے طبعاً نفرت ہے میں نے کھانا ترک کر دیا۔ اس پر حضرت کے گھر کی ایک خادمہ کھانا اٹھا کر واپس لے گئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت حضرت اقدس اندرون خانہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ حضرت کے پاس سے گزری تو اس نے حضرت سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ حضرت نے فوراً اپنے سامنے کا کھانا اٹھا کر اس خادمہ کے حوالہ کر دیا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے ہاتھ کا نوالہ بھی برتن میں ہی چھوڑ دیا۔ وہ خادمہ خوشی خوشی ہمارے پاس کھانا لائی اور کہا کہ لو حضرت صاحب نے اپنا تبرک دے دیا ہے۔ اس وقت بیت الذکر میں سید عبدالجبار صاحب بھی جو گزشتہ ایام میں کچھ عرصہ بادشاہ سوات بھی رہے ہیں موجود تھے۔ چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہو گئے۔"

سر کی پگڑی اتار کر کھانا اس میں باندھ دیا

سیرۃ المہدی حصہ دوم میں مفتی محمد صادق صاحب بیان کرتے ہیں:۔

"ایک دفعہ میں لاہور سے حضور کی ملاقات کے لئے آیا اور وہ سردیوں کے دن تھے اور میرے پاس اوڑھنے کے لئے رضائی وغیرہ نہ تھی۔ میں نے حضرت اقدس کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ حضور رات کو سردی لگنے کا اندیشہ ہے حضور مہربانی کر کے کوئی کپڑا عنایت فرماویں حضرت صاحب نے ایک ہلکی رضائی اور ایک دھسا ارسال فرمایا اور ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ رضائی محمود کی ہے اور دھسا میرا ہے۔ آپ ان میں سے جو پسند کریں رکھ لیں اور چاہیں تو دونو رکھ لیں۔ میں نے رضائی رکھ لی اور دھسا واپس بھیج دیا۔ نیز مفتی صاحب نے بیان کیا کہ جب میں قادیان سے واپس لاہور جایا کرتا تھا تو حضور اندر سے

میرے لئے ساتھ لے جانے کے واسطے کھانا بھجوایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ جب میں شام کے قریب قادیان سے آنے لگا تو حضرت صاحب نے اندر سے میرے واسطے کھانا منگوایا۔ جو خادم کھانا لایا وہ یونہی کھلا کھانا لے آیا۔ حضرت صاحب نے خادم سے فرمایا کہ مفتی صاحب یہ کھانا کس طرح ساتھ لے جائیں گے کوئی رومال بھی تو ساتھ لانا تھا جس میں کھانا باندھ دیا جاتا۔ اچھا میں انتظام کرتا ہوں اور پھر آپ نے اپنے سر کی پگڑی کا ایک کنارہ کاٹ کر اس میں وہ کھانا باندھ دیا۔"

معاف کرنا چارپائی لانے میں دیر ہو گئی

کبھی باہر سے تحفہ کے طور پر کوئی کھانے کی چیز پھل مثلاً آم وغیرہ آجاتے تو طشتری میں رکھ کر اٹھا لیتے اور مہمانوں کی آرام گاہ پر تشریف لے جاتے اور انہیں اپنے ہاتھ سے کھلاتے۔ کبھی ویسے ہی اپنے کسی خادم کے ہاتھ دوستوں کو بھیج دیتے۔ غرضیکہ مہمان کی خدمت اور خاطر مدارات کے لئے خدمت گذاروں کی طرح کمربستہ رہتے۔ ایک دفعہ بڑی رات گئے ایک مہمان آگیا۔ کوئی چارپائی خالی نہ تھی۔ اور سب سو رہے تھے۔ حضرت اقدس نے فرمایا ذرا ٹھہریئے میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ آپ اندر تشریف لے گئے اور دیر تک واپس تشریف نہ لائے۔ مہمان نے خیال کیا کہ شاید حضرت بھول گئے۔ اس نے ڈیوڑھی میں جھانکا تو دیکھا کہ ایک صاحب چارپائی بن رہے ہیں اور حضرت خود مٹی کا دیا لئے کھڑے ہیں۔ چارپائی بُنی گئی اور مہمان کو دی گئی۔ ادھر مہمان صاحب عرق ندامت میں غرق ہو رہے تھے کہ میں نے آدھی رات کے وقت حضرت کو اس قدر تکلیف دی۔ ادھر حضرت اقدس عذر فرما رہے تھے کہ معاف کرنا چارپائی لانے میں دیر ہو گئی۔"

حضرت اقدس علیہ السلام کی مہمان نوازی کے واقعات اور مثالیں اس قدر ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جاوے تو بجائے خود ایک مستقل کتاب ہو سکتی ہے۔

آپ کی مہمان نوازی کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب نے لکھا ہے کہ آپ مہمان کے آنے سے بہت خوش ہوتے۔ ہر مہمان کی طبیعت کے مطابق کھانے کا بھی خیال رکھتے۔ مہمان نوازی میں موسم کا لحاظ بھی مدنظر رکھتے۔ مہمان کے جلد واپس چلے جانے سے آپ کو خوشی نہ ہوتی بلکہ آپ کی یہ خواہش ہوتی کہ مہمان زیادہ دیر قیام پذیر رہے۔ مہمان کے ساتھ آپ کا برتاؤ تکلفانہ نہ ہوتا تھا بلکہ بڑی بے تکلفی سے برتاؤ کرتے۔ آپ حفظ مراتب کے ساتھ ساتھ مہمانوں سے مساویانہ سلوک کا بھی خیال رکھتے۔ مہمان نوازی میں آپ کسی امتیاز کے بغیر دوست، دشمن، غرض سب کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے۔

(تلخیص از سیرت مسیح موعود مولفہ شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ ۱۵۱ تا ۱۵۹)

مہمان کو ذرا سا بھی رنج پہنچے تو معصیت ہے

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"۱۳ فروری ۱۹۰۳ء کو ایک ڈاکٹر صاحب لکھنو سے تشریف لائے۔ بقول ان کے وہ بغدادی الاصل تھے اور عرصہ سے لکھنو میں مقیم تھے...... انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کچھ سوال وجواب کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کے بیان میں شوخی، استہزاء اور بے باکی تھی...... اس کا طریق بیان بہت کچھ دکھ دہ تھا۔ ایسا تکلیف دہ تھا کہ ہم اسے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ مگر حضرت کے حلم کی وجہ سے خاموش تھے۔ لیکن حضرت صاحبزادہ مولانا عبداللطیف شہید صاحب...... ضبط نہ کر سکے اور وہ اس کی طرف لپک کر بولے کہ یہ حضرت اقدس کا ہی حوصلہ ہے...... اور قریب تھا کہ دونوں باہم گتھ جاویں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخلص اور جانثار و غیور فدائی کو روک دیا...... جب یہ واقعہ پیش آیا تو حضرت نے اپنی جماعت موجودہ کو خطاب کر کے فرمایا۔

"میرے اصول کے موافق اگر کوئی مہمان آوے اور سب وشتم تک بھی نوبت پہنچ جاوے تو اس کو گوارا کرنا چاہئے...... یہ بھی ہم ان کا

احسان سمجھتے ہیں کہ نرمی سے باتیں کریں"۔

"پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ زیارت کرنے والے کا تیرے پر حق ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر مہمان کو ذرا سا بھی رنج ہو تو وہ معصیت میں داخل ہے۔" (سیرت حضرت مسیح موعود صفحہ ۴۵۱۔۴۵۲)

آپ کے سینہ میں مہمان نوازی کا جو جذبہ' جوش اور شوق موجود تھا اس کا اندازہ آپ کے اس منظوم کلام سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ سیدنا محمود کی آمین کے موقع پر بہت سے دوست احباب تشریف لائے جن کی آمد پر اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار یوں فرمایا۔

احباب سارے آئے تو نے یہ دن دکھائے
تیرے کرم نے پیارے یہ مہربان بلائے
یہ دن چڑھا مبارک مقصود جس میں پائے
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی
مہمان جو کر کے الفت آئے بصد محبت
دل کو ہوئی ہے فرحت اور جاں کو میری راحت
پر دل کو پہنچے غم جب یاد آئے وقت رخصت
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

"اے عبد اللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں"

حضرت شہزادہ سیّد عبد اللطیف صاحب

(مکرم کلیم احمد صاحب - لاہور)

تاریخ بتلاتی ہے کہ اولین طور پر جن لوگوں نے مامورین من اللہ کو قبول کیا انہیں کتنے مصائب و شدائد کا سامنا کرنا پڑا۔ اس ضمن میں قرآن کریم نے فرعون کی ظالمانہ دھمکی کا ذکر یوں کیا ہے۔

"میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں تمہاری اس خلاف ورزی کی وجہ سے کاٹ دوں گا اور میں تم کو کھجور کے تنے سے باندھ کر صلیب دوں گا اور تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون زیادہ سخت اور دیرپا عذاب دے سکتا ہے۔" (سورۃ طٰہٰ ع ۳)

اس پر ان نئے ایمان لانے والوں نے جواب دیا:۔

"انہوں نے کہا ہم تجھے ان نشانوں پر فوقیت نہیں دے سکتے جو خدا کی طرف سے ہماری طرف آئے ہیں اور نہ اس خدا پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ پس جو تیرا زور لگتا ہے لگا لے تو صرف اس دنیا کی زندگی کو ختم کر سکتا ہے۔" (سورہ طٰہٰ ع ۳)

حضرت عیسیٰ بن مریم کی مخالفت کا عالم دیکھیں تو وہ بھی بڑا صبر آزما اور المناک ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک موقع پر اپنے حواریوں سے یہ کہنا پڑا۔

"لیکن تم خبردار رہو۔ لوگ تم کو عدالتوں کے حوالے کریں گے اور تم عبادت گاہوں میں پیٹے جاؤ گے۔ اور بادشاہوں کے سامنے میری خاطر حاضر کئے جاؤ گے تا کہ ان کے لئے گواہی ہو۔" (مرقس باب ۱۳ آیات ۹ تا ۱۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے ایک لمبے عرصہ تک طرح طرح کے مظالم سہتے رہے۔ نسلاً بعد نسل قربانیاں پیش کرتے رہے اور بالآخر قریباً تین سو سال کے بعد جب کچھ بادشاہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدین میں شامل ہوئے تو ان کی مشکلات حل ہوئیں۔

جب حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے آنحضور ﷺ کی کامل غلامی میں ماموریت کا دعویٰ کیا تو سنت اللہ کے موافق مخالفت اور ایذا رسانی کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ جس سے آپ کو اور آپ کے متبعین کو گزرنا پڑا۔ جس کی ایک نہایت روشن اور درخشندہ مثال حضرت صاحبزادہ سید عبد اللطیف صاحب شہید ہیں۔ جنہوں نے آپ کی زندگی میں ہی اپنی جان کا نذرانہ دے کر آپ کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ اور ایک ایسی درخشندہ تاریخ رقم کی کہ ہزاروں سال بعد بھی مستقبل کے پردے پھاڑتے ہوئے اس کی روشنی چکا کرے گی اور آئندہ نسلیں مڑ کر دیکھیں گی اور اپنی آنکھوں کو خیرہ کیا کریں گی۔ آپ کے بارہ میں حضرت بانی جماعت احمدیہ نے فرمایا۔

"شہید مرحوم نے مر کر میری جماعت کو ایک نمونہ دیا ہے۔ اور در حقیقت میری جماعت ایک بڑے نمونہ کی محتاج تھی۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۵۷)

آپ افغانستان کے علاقہ خوست کے ایک گاؤں سید گاہ کے رہنے والے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ آپ سید قوم میں سے تھے اور حضرت داتا گنج بخش کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کے آباد و اجداد اپنے ملک کے بڑے رئیس تھے اور سارے لوگ آپ کو بڑا عالم دین اور بزرگ مانتے تھے۔

"حضرت صاحبزادہ صاحب سیرت اور کردار کے لحاظ سے بہت اونچے درجہ پر تھے۔ ملک افغانستان میں ان کے ہزاروں مرید تھے۔ بلکہ صرف ریاست کابل میں پچاس ہزار مرید تھے۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ)

حضرت صاحبزادہ صاحب کی بزرگی، ایمان، تقویٰ اور تبحر علمی کا یہ عالم تھا کہ امیر کابل حبیب اللہ خان کی تاجپوشی کے موقع پر پگڑی باندھنے کی رسم آپ کے ہاتھوں سے ادا کرائی گئی۔ والی کابل بھی اس بات پر خوش تھا کہ اس کی ریاست میں اتنا بڑا عالم اور بزرگ موجود ہے۔ انگریز بھی آپ کو بڑا مقام دیتے تھے۔

اکتوبر ۱۹۰۲ء میں آپ نے امیر کابل سے حج پر جانے کی اجازت مانگی۔ امیر نے بخوشی اجازت دے دی۔ بلکہ سفر کے اخراجات کے لئے نقد روپیہ نیز اونٹ اور گھوڑے بھی نذر گئے۔ حج کے ارادہ سے جاتے ہوئے لاہور کے قریب حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کے متعلق سنا۔ آپ بے حد خوش ہوئے۔ آپ کی ہمیشہ یہ دعا رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ (دین حق) کی حفاظت کے لئے جلد کسی مجدد کو کھڑا کر دے۔ آپ کے دل میں حضور سے ملاقات کا شوق پیدا ہوا۔ اور آپ سیدھے قادیان پہنچے اور حضرت بانی سلسلہ کی پرنور اور پیاری شخصیت کو دیکھتے ہی آپ کے عقیدت مند بن گئے۔ آپ نے قریباً تین ماہ قادیان میں قیام کیا۔ اس دوران حج کا وقت گزر گیا۔ آپ نے یہ عرصہ حضرت بانی سلسلہ کی صحبت میں گزارا۔ اس دوران آپ کو کئی بار یہ الہام ہوا کہ۔

"اس راہ میں اپنا سر دے دے اور دریغ نہ کر کہ خدا تعالیٰ نے کابل کی زمین کی بھلائی کے لئے ہی چاہا ہے۔"

(بحوالہ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۲۷)

آپ جب حضور سے رخصت ہونے لگے تو حضور دور تک ان کے ساتھ تشریف لے گئے۔ رخصت کے وقت حضرت صاحبزادہ صاحب کا دل بھر آیا اور بے اختیار حضور کے قدموں میں گر گئے۔ حضور نے آپ کو اٹھنے کے لئے کہا مگر آپ بدستور اسی طرح پڑے رہے۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ الامر فوق الادب تب آپ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور حضور سے رخصت ہوئے۔ آپ جب کابل کی سرحد پر پہنچے تو جو رؤسا آپ سے ملنے آئے تھے ان سے آپ نے فرمایا کہ:۔

"میں حج تک نہیں پہنچا بلکہ قادیان میں ایک سچا مصلح اور مہدی آیا ہے۔ میں نے اس کے پاس قادیان میں یہ وقت گزارا ہے۔"

(بحوالہ تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۹)

نیز فرمایا:۔

"تم اس کو مانو تمہیں فائدہ ہوگا۔ اور خدا کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔ اگر نہ مانو تو تمہارا اختیار ہے۔ مجھ پر تو صرف پیغام پہنچانا فرض تھا۔"

تب لوگوں نے آپ کو سمجھانا شروع کیا کہ آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ امیر آپ سے ناراض ہو جائے گا۔ مگر آپ اپنے عقیدہ پر قائم رہے۔ جب امیر کابل کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو اس نے اپنے دوسرے علماء سے مشورہ کیا جس کے نتیجے میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ آپ کو مزید ڈھیل نہ دی جائے۔ چنانچہ امیر کے حکم پر گورنر خوست نے پچاس سواروں کے ہمراہ آپ کو گرفتار کرنے کا ارادہ کیا۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں۔ ادھر حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے مریدوں سے فرما رہے تھے کہ اگر میں مارا جاؤں تو اس کی اطلاع حضرت بانی جماعت کو کر دینا۔ مریدوں

نے عرض کیا کہ آپ اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ بنوں تشریف لے جائیں۔ فرمایا میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ مجھے حکم ہوتا ہے کہ:

"فرعون کی طرف جا"

اس کے بعد آپ کو گرفتار کر کے کابل لے جایا گیا۔ جہاں پر آپ کو قید میں ڈال دیا گیا۔ اور آپ کو ایک من چوبیس سیروزنی زنجیر پہنادی گئی۔ یہ زنجیر گردن سے کمر تک گھیر لیتی تھی اور اس کے ساتھ ہی ہتھکڑی بھی شامل ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی آپ کو پاؤں میں بھی آٹھ سیروزنی زنجیر پہنائی گئی۔ قید میں آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ آپ وہاں پر قریباً چار ماہ قید رہے۔ اس دوران بارہا آپ سے کہا جاتا رہا کہ اپنے نئے مذہب کو چھوڑ دو تو ہم تمہیں رہا کر دیں گے۔ مگر آپ کا ہر بار یہی جواب ہوتا۔

"میں صاحب علم ہوں۔ جھوٹے اور سچے کو شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا فرمائی ہے۔ میں نے پوری تحقیق سے معلوم کر لیا ہے کہ یہ شخص حقیقت میں مسیح موعود ہی ہے۔ میں ان تمام باتوں کا انجام سمجھتا ہوں مگر اس وقت اپنی جان اور ہر ایک دنیاوی راحت کو اپنے ایمان پر قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

قید کی مدت پوری ہونے کے بعد امیر نے ایک بار پھر توبہ کے لئے کہا اور باعزت بریت کی پیشکش کی آپ نے جواباً فرمایا:۔

"یہ تو ناممکن ہے کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔ مجھے اس دنیا کے عذاب کا اتنا ڈر نہیں جتنا کہ اگلی دنیا کے عذاب کا ڈر ہے۔ ہاں چونکہ میں سچا ہوں اس لئے مخالف مولویوں کے ساتھ میری بحث کرائی جائے۔ اگر میں جھوٹا ثابت ہوا تو سزا کا مستحق ہونگا"۔

امیر نے اس تجویز کو پسند کرتے ہوئے مباحثہ کا انتظام کروایا۔ مباحثہ تحریری تھا۔ آپ نے تمام سوالوں کے تسلی بخش جوابات دیئے جب آپ سے قادیانی مسیح اور حضرت عیسیٰ کے بارہ میں دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قادیانی مسیح کو میں خدا کا سچا مصلح اور مامور سمجھتا ہوں جب کہ حضرت عیسیٰ ؑ کو قرآن کے مطابق مردہ اور زمین میں مدفون سمجھتا ہوں۔ تب تمام علماء بیک وقت چلا اٹھے کہ یہ تو مرتد ہو گیا ہے۔ اور حضرت صاحبزادہ صاحب کو کافر قرار دے دیا۔ اور امیر کی خدمت میں مباحثہ کے کاغذ پیش کرنے کی بجائے صرف تکفیر والا کاغذ پیش کیا اور عوام کو بھی اس کی خبر نہ ہونے دی۔ جس پر امیر نے حکم دیا کہ کافر کی سزا سنگساری ہے۔

جب آپ کی شہادت کا دن آن پہنچا تو ظالم امیر کے حکم پر آپ کی ناک میں چھید کر کے اس میں سے رسی ڈال دی۔ اس سے کھینچتے ہوئے آپ کو نہایت بیدردی سے مقتل کی طرف لے جایا گیا۔ امیر اپنے دوستوں اور مولویوں اور عوام کے ہجوم کے ساتھ ہمراہ تھا۔ جب آپ کو مقتل کی جانب لے جایا جا رہا تھا تو آپ بہت جلدی جلدی اور خوش خوش جا رہے تھے۔ آپ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا:۔

"زنجیریں جو میں نے پہنی ہوئی ہیں۔ حقیقت میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین کا زیور ہیں۔ میں انہیں زنجیریں نہیں سمجھتا۔"

مقتل پہنچ کر امیر کے حکم پر آپ کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا گیا۔ اور ایک بار پھر امیر آپ کے پاس پہنچا اور کہا کہ اپنی جان اور اپنے بچوں پر رحم کر اور قادیانی کا انکار کر دے۔ لیکن اس حال میں بھی جب موت آپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑی تھی آپ نے فرمایا:۔

"نہیں۔ مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ میں صرف حق کے لئے اپنی جان دوں گا۔"

اس پر لوگ پکار اٹھے کافر ہے' کافر ہے' اس کو جلد سنگسار کرو۔ تب امیر کے کہنے پر قاضی نے پہلا پتھر چلایا۔ جس سے حضرت صاحبزادہ صاحب کو سخت چوٹ لگی اور گردن جھک گئی۔ پھر امیر نے پتھر پھینکا۔ اب کیا تھا ہجوم میں سے ہر طرف سے پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ کوئی بھی شخص ایسا نہ تھا جس نے آپ پر پتھر نہ برسایا ہو۔ یہاں تک کہ آپ پر پتھروں کا ڈھیر

لگ گیا اور حضرت صاحبزادہ صاحب کی پاک روح اپنے مولائے حقیقی سے جا ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ دردناک واقعہ ۱۴ جولائی ۱۹۰۳ء کو پیش آیا۔ چھ روز تک آپ کی نعش مبارک پر پہرہ رہا۔ آپ کی نعش ۴۰ روز تک متواتر پتھروں میں پڑی رہی۔ بعد میں آپ کے ایک خاص شاگرد میاں احمد نور نے اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مل کر رات کے وقت آپ کی نعش نکالی اور آپ کے آبائی قبرستان میں دفن کی۔ آپکی شہادت کی خبر حضرت بانی سلسلہ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:۔

"اے عبداللطیف! تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔"

پھر فرمایا:۔

"یہ خون بڑی بے رحمی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اور آسمان کے نیچے ایسے خون کی نظیر نہیں ملے گی۔ ہائے! اس نادان امیر نے کیا کیا کہ ایسے معصوم کو کمال بے دردی سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کر لیا۔ اے کابل کی سرزمین تو گواہ رہ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ **اے بدبخت زمین تو خدا کی نظر سے گر گئی کہ تو اس ظلم عظیم کی جگہ ہے۔**"

آپ اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے ابتلاؤں کا فلسفہ بیان کرتے ہیں:۔

"اے میرے دوستو! خدا ہمیں اور تمہیں ان باتوں کی توفیق عطا کرے جس سے وہ راضی ہو جائے۔ آج تم تھوڑے ہو اور تحقیر کی نظر سے دیکھے گئے ہو اور ایک ابتلاء کا وقت تم پر ہے۔ اسی سنت اللہ کے موافق جو قدیم سے جاری ہے۔ ہر ایک طرف سے کوشش ہوگی۔ کہ تم ٹھوکر کھاؤ اور تم ہر طرح سے ستائے جاؤ گے۔ اور طرح طرح کی باتیں تمہیں سننا پڑیں گی اور ہر یک جو تمہیں زبان یا ہاتھ سے دکھ دے گا خیال کرے گا کہ اسلام کی حمایت کر رہا ہے اور کچھ آسمانی ابتلاء بھی تم پر آئیں گے تا تم ہر طرح سے آزمائے جاؤ۔ سو تم اس وقت سن رکھو کہ تمہارے فتح مند اور غالب ہونے کی یہ راہ نہیں کہ تم اپنی خشک منطق سے کام لو یا تمسخر کے مقابل پر تمسخر کی باتیں کرو۔ یا گالی کے مقابل پر گالی دو۔ اگر تم نے یہی راہیں اختیار کیں تو تمہارے دل سخت ہو جائیں گے۔ اور تم میں صرف باتیں ہی باتیں ہوں گی جن سے خدا تعالیٰ نفرت کرتا ہے اور کراہت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ سو تم ایسا نہ کرو کہ اپنے پر دو لعنتیں جمع کر لو۔ ایک خلقت کی اور دوسری خدا کی بھی۔

یقیناً یاد رکھو کہ لوگوں کی لعنت اگر خدا کی لعنت ساتھ نہ ہو تو کچھ بھی چیز نہیں ہے اگر خدا ہمیں نابود نہ کرنا چاہے تو ہم کسی سے نابود نہیں ہو سکتے۔ لیکن اگر وہی ہمارا دشمن ہو جائے تو ہمیں کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا۔ ہم کیونکر خدا تعالیٰ کو راضی کریں اور کیونکہ وہ ہمارے ساتھ ہو۔ اس کا اس نے مجھے بار بار یہی جواب دیا کہ تقویٰ سے۔ سو اے میرے پیارے بھائیو! کوشش کرو تا متقی بن جاؤ۔ بغیر عمل کے سب باتیں ہیچ ہیں اور بغیر اخلاص کے کوئی عمل مقبول نہیں۔ سو تقویٰ یہی ہے کہ ان تمام نقصانوں سے بچ کر خدا تعالیٰ کی طرف قدم بڑھاؤ اور پرہیزگاری کی باریک راہوں کی رعایت رکھو۔"

ہمارے قادر ۔ پیارے قادر

دیئے جلائے ہوئے ساتھ ساتھ رہتی ہے
تمہاری یاد تمہاری دعا ہمارے لئے

(مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب۔ استاذ جامعہ احمدیہ ربوہ)

دیئے جلائے ہوئے ساتھ ساتھ رہتی ہے
تمہاری یاد تمہاری دعا ہمارے لئے

"مرزا غلام قادر چناب کے پل پر شہید ہو گئے" سنانے والا تو یہ خبر سنا کے چلا گیا مگر خبر نے ایک عجیب کیفیت میں مبتلا کر دیا۔ یقین نہیں آ رہا تھا دل چاہتا تھا کہ اللہ کرے یہ خبر غلط ہو۔ بہرحال چند لمحوں میں ایک "سروجوان" ہم سے جدا ہو گیا۔ بلانے والا تو جب چاہے جسے چاہے اپنے پاس بلالے۔ اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

وفات سے چند دن پہلے قادر اپنی بیگم اور بچوں کے ساتھ نرسری میں آیا تھا اسے دیکھ کر میں نے اپنے ایک دوست سے کہا تھا کہ یہ جوڑی تو مثالی ہے۔ قادر اور اس کی بیگم کو دیکھ کر دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جوڑی کو سلامت رکھے۔ نہ جانے کیوں اس جوڑی کو دیکھ کے دل سے سلامتی کی دعائیں نکل رہی تھیں۔ قادر تو حقیقی سلامتی پا گیا اور جاتے جاتے اپنی جوڑی کو امر کر گیا۔

قادر! تو جانے کے بعد بہت یاد آیا ہر لمحہ جو اس کے ساتھ گزرا آج آئینہ بن کے سامنے آ رہا ہے وہ دن جب ایبٹ آباد سے چھٹیوں میں ربوہ آتا اور ہمارے ساتھ فٹ بال کھیلتا تھا۔

قادر فٹ بال کا بہت اچھا کھلاڑی تھا۔ ایبٹ آباد پبلک سکول کا کپتان بھی رہ چکا ہے۔ اس کے کھیل کی خصوصیت پنیلٹی کک تھی۔ اتنی شاندار پینلٹی لگاتا تھا کہ ہمیشہ گول کیپر مات کھا جاتا۔

قادر کرکٹ کا شوقین بھی تھا جب امریکہ سے واپس آیا تھا ان دنوں ہمارے ربوہ میں رہنے والے رشتہ دار اور لاہور میں رہنے والے رشتہ داروں کے درمیان کرکٹ میچ ہو رہا تھا۔ قادر کو اس کے ایک کزن نے کہا کہ تم لاہور کی طرف سے کھیلو۔ اس پر قادر نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں ربوہ کی طرف سے ہی کھیلوں گا۔ ربوہ کے خلاف ہرگز نہیں کھیلوں گا یہ قادر کی اپنے پیارے شہر ربوہ سے محبت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ کرکٹ کے میدان میں قادر کو داد اس کی بیگم کی طرف سے ہی ملتی تھی۔

قادر کچھ عرصہ ہمارا ہمسائیہ بھی رہا ہے۔ یہ دونوں بہت اچھے ہمسائے تھے جب وہ دونوں تحریک جدید کے کوارٹرز میں جا رہے تھے تو میں نے ان سے کہا کہ آپ جیسے ہمسائے قسمت سے ملتے ہیں اس پر قادر کی دلکش مسکراہٹ نہ تو تائید کر رہی تھی اور نہ ہی انکار۔

یہ دسمبر ۱۹۹۱ء کی بات ہے ہم رات پہرے پر تھے ایک بجے ایک صاحب سوٹ کیس اٹھائے آ رہے تھے۔ قریب سے

دیکھا تو قادر تھا جو قادیان کے جلسہ سے واپس آیا تھا۔ میں نے اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس لینا چاہا مگر قادر نے انکار کر دیا۔ اس پر میں نے قادر کو مذاق سے دھمکی دی کہ اگر آپ سامان نہیں اٹھانے دیں گے تو میں یہ نہیں بتاؤں گا کہ آپ کی بیگم کہاں ہے۔ قادر کی بیگم ہمارے گھر سو رہی تھی اور پر زور تاکید کی تھی کہ قادر آئے گا تو فوراً مجھے جگا دینا۔ قادر کو گھر چھوڑنے کے بعد میں جب واپس آنے لگا تو قادر نے مجھے رکنے کیلئے کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہاتھ میں ایک گرم چترالی ٹوپی لیکر آیا اور کہنے لگا کہ بہت سخت سردی ہے تم بیمار ہو جاؤ گے یہ ٹوپی پہن لو۔

قادر نمائندہ تحریک جدید بن کے ۱۹۹۳ء میں جلسہ سالانہ کے موقعہ پر لنڈن گیا مجھے بھی اسی سال لندن جانے کا اتفاق ہوا۔ ۴۳ نمبر گیسٹ ہاؤس میں ہم لوگ تقریباً دو ماہ اکٹھے رہے۔

لنڈن میں ہم بولتے تھے اور قادر ہماری باتیں سن کے صرف ہنستا اور مسکراتا رہتا تھا اور اکثر حیرت سے "اچھا" اور "نہیں" کے الفاظ بولا کرتا تھا اور ہنستا اس طرح تھا کہ ساتھ والا شخص دوبارہ ہنسنے پر مجبور ہو جاتا۔

ایک دن حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو ایک ایک ڈبہ چاکلیٹ کا بھجوایا۔ قادر کا حصہ میں نے اسے دیا تو اس نے وہ چاکلیٹ رکھ لیا اور کہنے لگا کہ واپس جا کر نچھو (قادر کی بیگم) اور بچوں کے ساتھ کھاؤں گا۔

چند ماہ قبل نرسری میں پھولوں کی نمائش لگی تھی۔ قادر اپنی بیگم اور بچوں اور ابا امی کے ساتھ نمائش میں آیا اور رات کا کھانا وہیں کھایا۔ کھانے کے بعد مسکراتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے اور نچھو نے چائے لینی ہے اور ساتھ ہی ہنستے ہوئے کہا کہ "پیسے دوں گا" ان دونوں نے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ نرسری میں گذارا۔

اگلے دن کو قادر وغیرہ دوبارہ نمائش دیکھنے آئے دور سے قادر کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ قادر کوئی کام کہنے والا ہے۔ میرے قریب آ کے نہایت عاجزی سے کہنے لگا۔ "چائے مل سکتی ہے ہم کھانا تو کھا کے آئے ہیں لیکن کوئی کراری سی چیز کھلاؤ۔"

نرسری کے کارنر میں دونوں میاں بیوی جب چائے پی کر فارغ ہوئے تو میں برتن اٹھانے کیلئے گیا۔ قادر اور نچھو دونوں نے مجھے برتن اٹھانے نہیں دیئے انجام کار "نچھو" نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ برتن سعادت اور کرشن (قادر کے بچے) چھوڑ کے آئیں گے۔

میں نے قادر کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اپنی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے قادر میں اتنی عاجزی آگئی تھی کہ مجھے حیرت تھی۔ قادر نے اپنی زمینوں کے پودے ہمیشہ نرسری سے خریدے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے مشورہ دیا کہ شرقپور سے امرود کے پودے لے آؤ مگر قادر نے صاف انکار کر دیا۔ دو ماہ قبل قادر نے اپنی زمینوں پر گھاس لگوایا تھا۔ بہت خوش تھا کہ گھاس بہت خوبصورت لگ رہا ہے۔ قادر کو بل ادا کرنے کی بہت فکر رہتی تھی ہمیشہ رستے میں آتے جاتے ضرور پوچھتا تھا کہ میرا بقایا تو نہیں ہے۔

چار سال پہلے صدر خدام الاحمدیہ کا انتخاب تھا۔ جب ووٹ دینے کی باری آئی تو میرے ذہن کے کسی گوشے میں بھی قادر کا نام نہیں تھا لیکن حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت ذہن میں تھی کہ ووٹ دینے سے پہلے دعا کر لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ صحیح انتخاب کی توفیق دے۔ میں نے دعا کی کہ یا اللہ میرا ہاتھ اسی نام پہ کھڑا ہو جو اس منصب کا اہل ہے۔ جن تین ناموں کے لئے میں نے ہاتھ کھڑا کیا اس میں ایک نام قادر کا تھا جو اس کا نام آنے پر خود ہی اٹھ گیا۔

قادر کے بارے میں خیالات اور واقعات تسلسل کے ساتھ آتے چلے جا رہے ہیں اب تو اس التجا پر بس کروں گا کہ اے خدا! ہمارے قادر کے خون میں مسیح زمان کے خون کے قطرات شامل تھے۔ یہ خون اتنا ارزاں تو نہیں کہ صرف تین درندوں کے مرنے سے ادا ہو جائے۔ ہم یہ تو نہیں چاہتے کہ

ہمارے قادر کے خون کے بدلہ میں بھی خون کی ندیاں بہائی جائیں مگر اتنا ضرور چاہتے ہیں کہ اس پاکیزہ خون کے خون بہا کے طور پر ہمیں ہمارا امام لوٹا دے۔

ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے وہ اس سرزمین پر دوبارہ قدم رکھے اور اس کے باشندے "لا تثریب علیکم الیوم" کے اعلان سن سکیں۔ اے خدا! اسی دن ہمارا دل قرار پائے گا جس دن ایسا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے قادر کی اس قربانی نے ہم احمدیوں کے ملن کے دن قریب کر دیئے ہیں۔ زندہ باد زندہ باد قادر۔ پائندہ باد

خورشید مثال شخص کل شام
مٹی کے سپرد کر دیا ہے
اندر بھی زمین کے روشنی ہو
مٹی میں چراغ رکھ دیا ہے
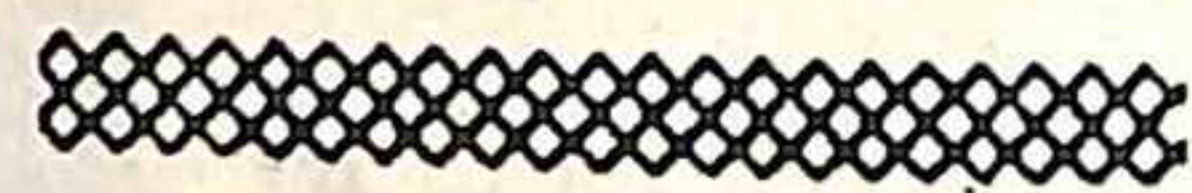
اس صاحب لولاک کی ہر بات کی قسم
وہ نور تھے اس نور کی برسات کی قسم

دریا کا صاف پانی بھی اب خوں سے بھر گیا
پسر مسیح کے خون کے قطرات کی قسم

وہ ساعتیں عذاب تھیں جب چل دیئے تھے آپ
اب آیئے کہ آپ کو آیات کی قسم

اس چشم تر کو حوصلہ کچھ حوصلہ حضور
آقا تجھے ہے سید سادات کی قسم

آ جایئے کہ اب تو فرشتے بھی گائیں گیت
آنے کے دن قریب ہیں اس ذات کی قسم

لوٹ آئیں کاش پھر مرے گذرے ہوئے وہ دن
دینے لگے ہیں لوگ تو اب رات کی قسم

اس رات میں ہمیں بھی عطا ہو مقام قرب
بہتر ہزار ماہ سے ہے اس رات کی قسم

ہر احمدی کا ساتھ دے اس ساتھ کی طرح
وہ "ثور" میں جو ساتھ تھا اس ساتھ کی قسم

اے رب دو جہاں ادھر بھی ہو اک نظر
کرب و بلا کے درد کے لمحات کی قسم

(مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب)
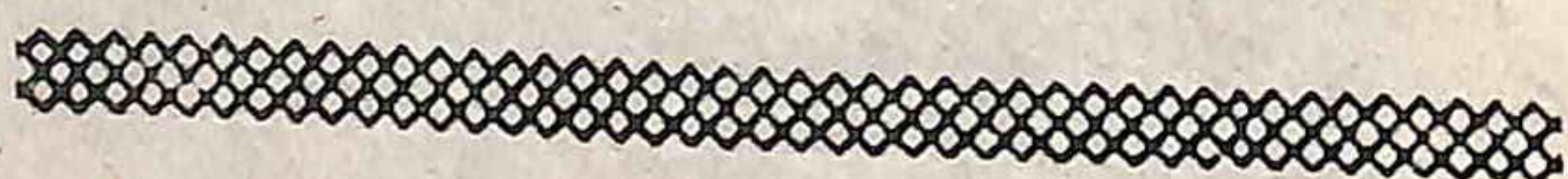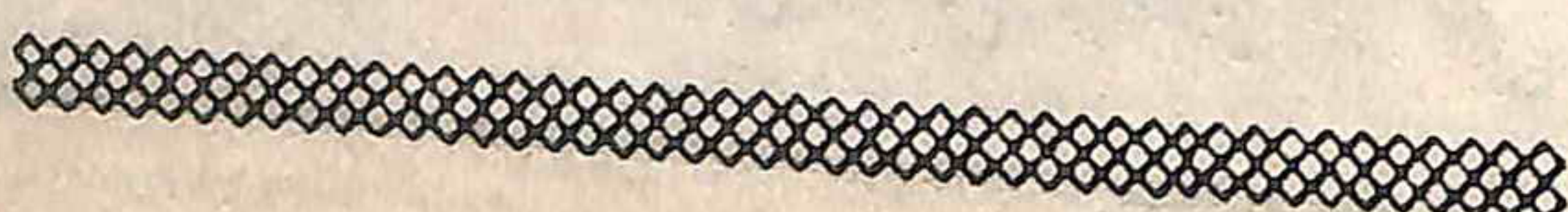
قادر کا وہ غلام تھا قادر کے گھر گیا

(مکرم اکرم محمود صاحب)

اک نقشِ سطحِ آب کچھ ایسے گزر گیا
دریائے رنگ و نور اچانک اتر گیا

جھیلوں پہ ایک پل کو وہ چمکا تھا ماہتاب
اور عکس پانیوں پہ ہمیشہ ٹھہر گیا

تھا شام کی منڈیر پہ جلتا ہوا دیا
تاریک وادیوں میں برنگ سحر گیا

دست صبا لرز گیا اک رہگزار پر
تھا کس جگہ کا پھول کہاں پر بکھر گیا

یوں گلشنِ جمال سے سروِ رواں گیا
شہرِ خیال و خواب کو ویران کر گیا

اک ہاتھ میں تھا آئینہ اک ہاتھ پر چراغ
دوش ہوا پہ رکھ کے وہ رختِ سفر گیا

پھیلی ہوئی ہے دھند سی حدِّ نگاہ تک
اب وہ سبک خرام نہ جانے کدھر گیا

اک نفس مطمئن لئے اپنے لہو میں تر
قادر کا وہ غلام تھا قادر کے گھر گیا

اس کے لئے بھی دوستو کوئی دعائے صبر
جس دل شکستہ شخص کا نورِ نظر گیا

زندہ باد غلام قادر۔ پائندہ باد

محترم مرزا غلام قادر احمد صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل تصاویر

پشاور بورڈ میں ٹاپ کرنے پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث آپ کو گولڈ میڈل پہناتے ہوئے۔

جلسہ سالانہ قادیان 1991ء کے موقع پر
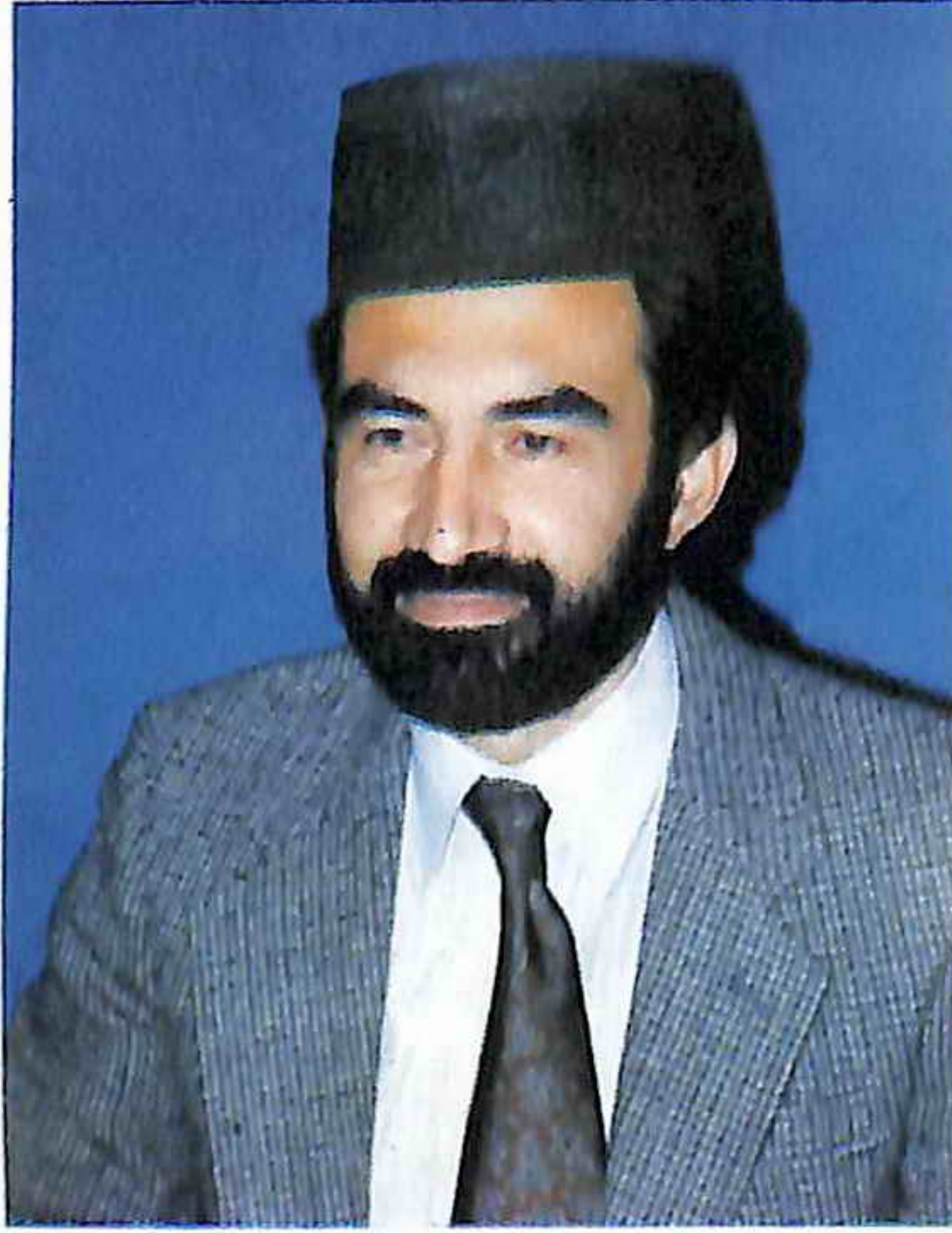
محترم صاحبزادہ مرزا غلام قادر احمد صاحب

۱۹۶۲ء ۱۹۹۹ء

ایسوسی ایشن آف احمدی کمپیوٹر پروفیشنلز کے کنونشن 99ء کے موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے (شہادت سے کچھ روز قبل کی تصویر)

مجلس خدام الاحمدیہ مقامی کی ایک تقریب میں صدر مجلس خدام الاحمدیہ کے ساتھ دائیں سے: محترم عبدالسمیع خان صاحب۔ محترم مسعود احمد سلمان صاحب۔ محترم صاحبزادہ مرزا غلام قادر احمد صاحب۔ محترم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر

زندہ باد غلام قادر - پائندہ باد

محترم صاحبزادہ مرزا غلام قادر احمد صاحب کی بعض یادگار تصاویر

ممبران مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان 95-94ء محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کے ساتھ
(صاحبزادہ مرزا غلام قادر احمد صاحب۔ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے دائیں سے دوسرے نمبر پر)

ممبران اشاعت کمیٹی مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان 93-92ء
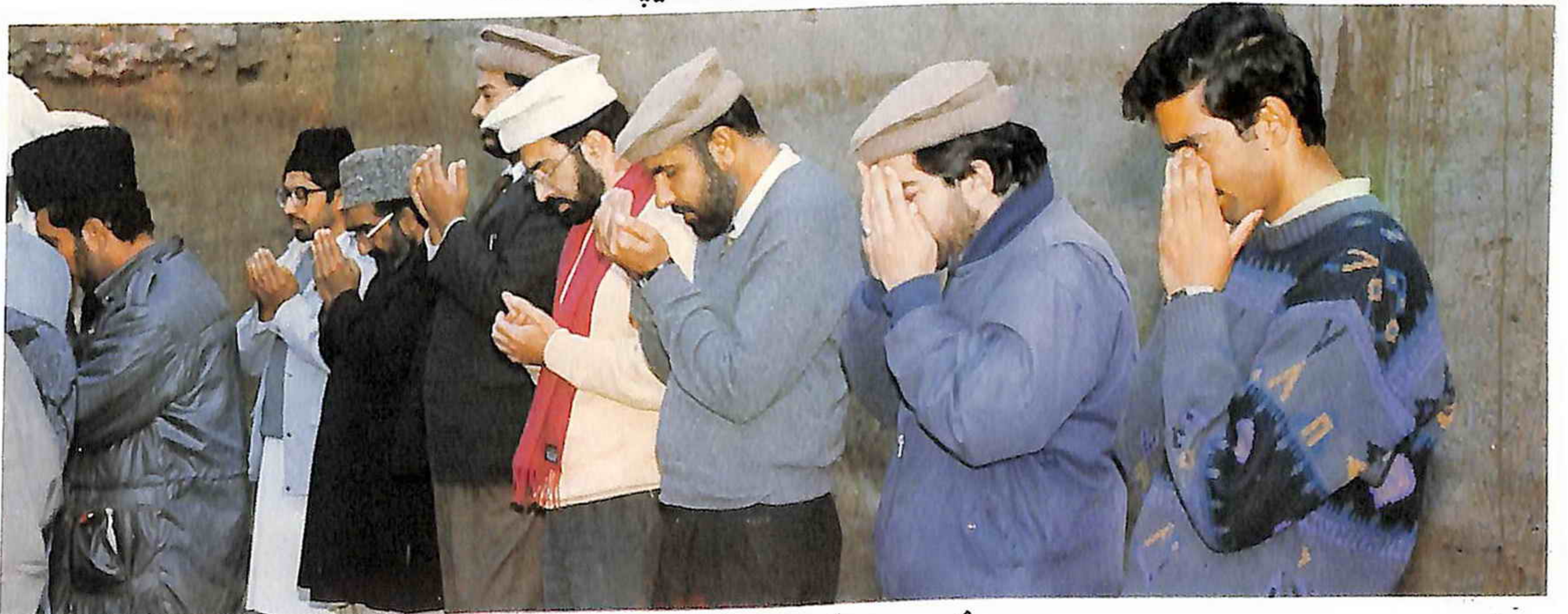
ایوان محمود جدید بلاک کے سنگ بنیاد کے موقع پر

اک شخص دلربا سا.......

(مکرم فضیل عیاض احمد صاحب)

14 اپریل 1999ء

آج صبح میں نے اسے دیکھا تھا۔ خاموشی سے سر جھکائے بچوں کو سکول چھوڑ کر واپس جاتے ہوئے اپنی سوچوں میں گم۔ قدم قدم نہایت باوقار۔ ہاتھ میں کوئی چیز تھی پرس یا کوئی اور چیز؟ میں نے اسے مخاطب نہیں کیا۔ نجانے کیوں میرا دل ہی نہیں چاہا کہ میں اسے اس کی سوچوں سے واپس بلاؤں۔

چند دن پہلے کی بات ہے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا دوسری طرف وہ فون پر تھا۔ اس کی یکساں اور نہایت ملائم آواز نے مجھے پوچھا کہ "یار وقف نو دا پروگرام اے تلاوت دے مقابلے واسطے کنوں کنوں جج بلاواں" میں نے کہا کہ مبارک علی کو بلالیں حافظ برہان صاحب کو بلالیں۔ میرے اور اس کے درمیان یہ ایک بات مستقل تھی کہ وہ ہمیشہ مجھ سے پنجابی میں مخاطب ہوتا اور میں اسے ہمیشہ اردو میں جواب دیتا۔

مجھے نہیں معلوم کہ میرے اور اس کے درمیاں تعلق کی ابتداء کب اور کہاں ہوئی' ہاں ایک بات ہے یوں لگتا تھا کہ جیسے میں اس کو صدیوں سے جانتا ہوں۔ وہ اپنی محبتوں اور وفا میں یکتا تھا ۔ تعلق رکھتا تو اس تعلق کو نباہنے کا فن جانتا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اس کا بے ساختہ پن' اس کی سادگی' کسی لطیفے پر یکبار گی اپنے اندر سے پھوٹنے والے قہقہے کو نچھاور کر دینا۔ اس کی شخصیت کا خاصہ تھے۔

بسا اوقات بچوں کو پیدل ہی سکول چھوڑنے آتا تھا کبھی دیر ہو جاتی تو رکشے میں آتا۔ ایک بار میں نے اس سے کہا کہ میاں صاحب گاڑی کیوں نہیں لے آتے تو کہنے لگا کہ بچوں کو پتا ہونا چاہئے کہ وہ ایک واقف زندگی باپ کے بچے بھی ہیں۔ کبھی کبھار رات کو میں نے اسے اپنے بچوں کے ساتھ باہر گھومتے بھی دیکھا بچوں سے اس کی بے تکلفی دیکھ کر اس کی اپنے بچوں سے والہانہ محبت کا اندزہ ہوتا تھا۔

ایم ٹی اے پاکستان میں کمپیوٹر سیکشن کا آغاز ہوا تو ہم کمپیوٹر سے بالکل نابلد تھے ہمیں پل پل اس نے بتایا۔ اکثر ہم اسے فون کرتے کہ میاں صاحب فلاں مسئلہ ہو گیا ہے اکثر تو ان کے بتائے ہوئے طریق پر عمل کرنے سے مسئلہ حل ہو جاتا لیکن اگر ہم مسئلہ حل نہ کر سکتے تو قادر خود آجاتا اور پھر کمپیوٹر اس کے سامنے کھلونا بن جاتا اس کی انگلیاں کمپیوٹر کے کی بورڈ key board پر اس طرح کھیلتیں جس طرح کسی ماہر پیانسٹ Pianist کی انگلیاں پیانو کے کی بورڈ پر کھیلتی ہیں' اور لمحوں میں وہ کمپیوٹر پھر کام کرنے لگتا۔

جب ایم ٹی اے کے لئے پروگرام کرنے کا سلسلہ شروع ہوا تو میں تجویز لے کر اس کے پاس گیا تو کہنے لگا کہ فضیل میں نے تو کبھی بھی لیکچر نہیں دیا اور پھر کیمرے کے آگے کافی دقت ہو گی' میرے لئے مشکل ہو گا۔ میں نے کسی نہ کسی طرح اس کو قائل کر لیا تو پھر اس نے ایم ٹی اے کے لئے ایک ایسی سیریز شروع کی جو ہمیشہ ہی اس کی یادوں کو تازہ رکھے گی۔ پوری محنت اور پیشہ وارانہ دیانت کے ساتھ اس نے اس کام کو کیا۔ اور "کمپیوٹر سب کے لئے" کا آغاز ہمیشہ کے لئے اس کے نام لگ گیا۔

آخری روز کی بات ہے میری امی جان اسلام آباد سے کچھ دنوں کے لئے ربوہ آئی ہوئی تھیں میں انہیں چھوڑنے چنیوٹ اپنے دوست عزیزم کامران زاہد کے ساتھ اس کی گاڑی پر جا رہا تھا جب ہم چنیوٹ کی طرف جاتے ہوئے دریائے چناب کا دوسرا پل کراس کرنے لگے تو پل پر ایک سیاہ جوتا ایک چاقو یا چھری اور ایک کپڑا پڑا تھا کامران بولا کہ دیکھیں کیا پڑا ہے میں نے کہا کہ جانے دو کوئی واردات وغیرہ ہوئی ہو گی اور کسی نے چیزیں یہاں پھینک دی ہوں گی۔ اور ہم آگے بڑھ گئے۔

جب ہم کوہستان بس کے اڈے پر پہنچے تو ہمیں اڈے کے مینیجر نے بتایا کہ ربوہ کی کسی گاڑی والے کو گولی لگ گئی ہے۔

ہم نے پھر بھی سنی ان سنی کر دی، بس آگئی اور ہم امی کو بس پر چڑھا کر واپس ربوہ آگئے۔ میں اپنے دفتر آیا تو دیکھا کہ محترم چٹھہ صاحب دل گرفتہ ہیں میں نے پوچھا کہ کیا ہوا کہنے لگے کسی نے قادر کو گولی مار دی ہے اور وہ چنیوٹ ہسپتال میں ہے۔ مجھے یوں لگا کہ جیسے کسی نے میرے دل پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔ پل بھر میں میری آنکھوں کے آگے وہ تمام لمحے گھوم گئے جو میرے اور اس کے درمیاں ربط باہم کے امین تھے۔

میرے اندر تمام حوصلے ٹوٹ گئے میں نے اپنی آنکھوں پر بے حد ضبط کیا لیکن دل کا کیا کرتا وہ تو گریہ کر رہا تھا۔ ہر شخص کے ساتھ قادر کا مختلف تعلق تھا ہم کبھی دوستی کے اس دائرے میں داخل نہیں ہوئے جہاں درمیانی حجاب اٹھ کر بے تکلفیاں در آتی ہیں۔ ہم نے شاید کبھی اپنے دکھ اور سکھ Share نہیں کئے لیکن وہ میرے اندر تھا اور ہے اور رہے گا کیوں اس کا میرے پاس جواب نہیں

مجھے وہ لمحے یاد ہیں جب اس نے کہا تھا کہ " فضیل صاحب تسی میرا نواں دفتر ای ویکھن نہیں آئے میں تہاڈے کولوں مشورہ لیناسی" یہ وفات سے ایک دو روز پہلے کی بات ہے میں ان کے نئے دفتر میں گیا جو تحریک جدید کے کمیٹی روم میں بنایا گیا تھا۔ میں نے کہا قادر صاحب میں حاضر ہوں کہنے لگے اس کمرے کی ایر کنڈیشننگ کرنی ہے اور اس میں فالس سیلنگ false Ceiling کرنی ہے میں نے کہا کہ کسی انجینئر سے مشورہ کر لیتے ہیں کہنے لگے کہ آپ نے اپنے سٹوڈیو میں کیا کیا تھا میں نے کہا کہ تھرموپور سے انسولیشن کی ہے۔ کہنے لگے کہ وہی یہاں کر لیتے ہیں اس پر میں نے کہا کہ چھت سے دو فٹ نیچے کروائیں تا کہ مناسب ٹھنڈک ہو سکے۔ لیکن وقت نے اسے مہلت نہ دی کہ وہ یہ کام اپنے ہاتھوں سے کروا سکے۔

نظام کی بے پناہ اطاعت کا جذبہ ان کے اندر تھا۔ بسا اوقات ان کا خیال ہوتا کہ فلاں چیز خرید لی جائے جو آج کل سستی ہے مجھے اکثر فون کر دیتے کہ فلاں قسم کا کمپیوٹر آج کل سستا ہو گیا ہے اور فلاں نیا پروگرام Soft Ware میں آگیا ہے جو ایم ٹی اے کے کام آئے گا۔ تو میں کہتا کہ ٹھیک ہے دیکھتے ہیں خرید لیتے ہیں۔

کبھی کبھی شام کو دفتر آتا تو میں پوچھتا کہ "چائے" تو چہرے کی مسکراہٹ اس کی آشیرباد دیتی تو میں چائے بنا لیتا۔ کہتے یار تمہارے دفتر کی چائے بڑی مزے کی ہوتی ہے۔

یہ اس کی شہادت سے ایک دو روز پہلے کی بات ہے شام کو دفتر آیا۔ میں نے چائے کو پوچھا کہنے لگا کہ "سی چاء نہیں(صرف چائے نہیں) پینی۔ میں نے عرض کی کہ میاں صاحب ہم گلاب جامن منگوا لیتے ہیں۔ میں نے گلاب جامن اور برفی منگوائی خوش ہو کر کھائی خوش قسمتی سے گلاب جامن بھی تازہ تھے اور برفی بھی اچھی بنی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بیٹھا اور پھر وداع ہو گیا۔ اس دن اس سے ہم نے وعدہ لیا کہ وہ اب پھر ایم ٹی اے کے لئے ایک نئی سیریز شروع کروائے گا اس نے کہا کہ انشاء اللہ۔ اس پر میں نے اسے اپنے رشین ٹیچر کی بات اسے دفتر سے باہر نکلتے نکلتے سنائی کہ وہ کہا کرتا تھا کہ پاکستانیوں نے جب کسی کام کو دیر

سے کرنا ہو تو کہہ دیتے ہیں انشاء اللہ اس پر اس نے کہا کہ میں بھی پاکستانی ہوں لیکن احمدی۔ یہ چند لمحے جو ہم نے ایم ٹی اے کے دفتر میں باہم گزارے قادر کے حوالے سے ہمیشہ کے لئے میری زندگی میں زندہ رہیں گے اور اس کی یادوں کو زندہ رکھیں گے کہ یہ اس کے ہمیشہ کے لئے وداع ہونے سے ایک دو روز پہلے کی بات ہے کہ اس نے کس بے تکلفی سے اظہار کیا اور خوش ہوا۔

اس کی ہمیشہ کوشش ہوتی کہ جماعتی پیسے کو اس سلیقے سے استعمال کیا جائے کہ کم از کم روپے میں زیادہ زیادہ سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ لاہور کی ان دکانوں کے نام ان کمپیوٹر ڈیلرز کے نام جو اچھی اور سستی چیز دینے میں شہرت رکھتے تھے اس کو خوب معلوم تھے۔ مجھے ایک دو بار ان کے ساتھ سامان خریدنے کے لئے جانے کا موقعہ ملا تو جہاں وہ سفر کا ایک بہترین ساتھی بنا اس کے ساتھ اس نے ہمیں اچھی سے اچھی چیز خرید کر دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔

اس کے وجود میں جو انسان سانس لیتا تھا وہ اخلاص کا پتلا تھا وہ محبت کا پیکر تھا مسکراہٹیں اس کے دامن کا سرمایہ تھیں۔ اس جیسے لوگ بہت کم دنیا میں آتے ہیں۔

میں نے اس کو متعدد بار بیت مبارک میں اپنے خدا کے حضور دیکھا ہے جس محویت اور [illegible] سے وہ نماز ادا کرتا اس پر مجھے بہت رشک آتا۔ گزشتہ [illegible] پیوستہ رمضان مجھے اعتکاف کی توفیق ملی تو بیت مبارک میں میں نے اسے متعدد مرتبہ نماز پر دیکھا وہ کس طرح ہر رکن نماز کو پیار سے ادا کر رہا ہوتا کہ مجھے بھی خیال ہوتا کہ کاش میں بھی کبھی اسی طرح نماز ادا کر سکتا۔

مجھے ربوہ اور بیرون ربوہ کئی طرح کے تعلیمی اداروں میں پڑھنے کا موقعہ ملا ہے NIML (لینگویج انسٹیٹیوٹ) میں اسلام آباد میں بھی پڑھا جہاں ہمارے ساتھ اعلیٰ عہدے داران بھی تھے۔ سینکڑوں لوگوں سے ملنے کا موقعہ ملتا رہا اور اب بھی ملتا ہے لیکن اخلاق کردار اور اعلیٰ ترین تعلیمی قابلیت کا حسین اجتماع جو قادر کی ذات میں تھا وہ بہت کم نظر آتا ہے۔ تعلیم ہمیں کیا سکھاتی ہے یہی

ناں کہ ہم دوسرے کی رائے کا احترام کریں۔ اپنی بات کو منوانے کی صلاحیت رکھتے ہوں لیکن تحکم اور اپنے اعلیٰ منصب کی بدولت نہیں بلکہ اپنی رائے اور قوت اخلاق سے۔ قادر میں سب سے بڑی خوبی جو مجھے نظر آئی وہ اس کا دوسرے کی رائے کا احترام کرنا اور پھر اگر اس رائے کو صائب پاتا تو اس کو قبول کر لیتا لیکن اگر اس رائے کو درست نہ سمجھتا تو پھر اپنی رائے کو نہایت قابلیت اور مدلل انداز میں پیش کرتا۔ اور پھر جب دوسرا فرد اس رائے کو قبول کر لیتا تو اس کے چہرے پر جیسے مسرت کے سوتے پھوٹ پڑتے لیکن ان میں بعض کم ظرف لوگوں کی طرح طنز اور تلخی اور تضحیک کی آمیزش نہ ہوتی بلکہ اس میں شکر گزاری اور امتنان کا پہلو نمایاں ہوتا۔

جب سے قادر کی شہادت ہوئی ہے میں اکثر سوچتا ہوں کہ میرا اس کا کیا رشتہ تھا۔ احمدیت کا رشتہ جو تمام رشتوں اور بھائی چارے پر حاوی ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ کیا وہ دن لوٹ کر آئے گا جب اچانک کوئی میرے کندھے پر ہاتھ رکھے گا اور نرم سی آواز میں کہے گا کہ "فضیل صاحب سی ایس انجیئر اس دی میٹنگ وچ کی کر رہے او"۔ یا کبھی ٹیلیفون کی گھنٹی بجے گی اور کوئی ملائم سی آواز آئے گی "فضیل صاحب اج پروگرام نئیں ہو سکدا میں زمیناں تے جا رہیا واں" یا پھر کبھی کوئی آکر مجھ سے کہے گا کہ "تہاڈے دفتر دی چاء بڑی مزیدار ہوندی اے"۔ پھر میری سوچ پر وہ آوازیں حاوی ہو جاتی ہیں جو میرے ارد گرد سے ابھر رہی ہیں۔

جا قادر تو نے تو اپنی منزل کو پا لیا لیکن ہمارے لئے ایسا چراغ روشن کر دیا جو ہمیں تا ابد روشنی دیتا رہے گا۔ اور ہم اس روشنی کو تیری یادوں کے چراغ جلا کر بڑھاتے رہیں گے۔

غلام قادر

(مکرم مرزا نبیل احمد صاحب)

لہرا رہا ہے ہر طرف تیرا نشانِ خاص
تیرے لہو میں ڈھل گیا ہے آسمانِ خاص

تو نے دکھائی ہم کو نئی زندگی کی راہ
جس کے ہے ہر قدم پہ کھڑا امتحانِ خاص

خوشیاں سمیٹتے ہوئے خوشبو بکھیرتے
چھپ کر چلے گئے ہو بصد اطمنانِ خاص

پہنچے ہو رب کے پاس بڑے اہتمام سے
اللہ کے ہو تا ابد اب میہمانِ خاص

دیکھو امام وقت کو ہے تم سے کتنا پیار
تم کتنے خوش نصیب ہو اے نوجوانِ خاص

"فُزْتُ بِرَبِّ کَعْبَہ" کا نعرہ لگا دیا
تم کامیاب ہو تمہی ہو کامرانِ خاص

مولا کی آج تم پہ پڑی نظرِ انتخاب
تم ہی چنے گئے ہو بصد عز و شانِ خاص

چشمِ زدن میں طے کیا تو نے وہ مرحلہ
جس کی تلاش میں رہے ہیں بندگانِ خاص

مولا کرے کہ ہم میں سے ہر اک کو ہو نصیب
تیری ادائے منفرد تیری زبانِ خاص

کیجئے دعائے صبر اب ان کے لئے نبیلؔ
جو رہ گئے ہیں بعد میں پس ماندگانِ خاص

اعانت

مندرجہ ذیل مجالس نے ماہنامہ خالد کے سالنامہ اگست، ستمبر ۱۹۹۹ء کی اشاعت کے سلسلہ میں مالی اعانت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب مجالس کے خدام واطفال کو احسن جزاء عطا فرمائے۔

قارئین ماہنامہ **خالد** ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

۱۔ مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ کالونی۔ کراچی

۲۔ مجلس خدام الاحمدیہ نارتھ کراچی

۳۔ مجلس خدام الاحمدیہ گلشن احمد۔ کراچی

۴۔ مجلس خدام الاحمدیہ گلشن اقبال۔ کراچی

۵۔ مجلس خدام الاحمدیہ عزیز آباد۔ کراچی

۶۔ مجلس خدام الاحمدیہ تیموریہ۔ کراچی

۷۔ مجلس خدام الاحمدیہ محمود آباد۔ کراچی

۸۔ مجلس خدام الاحمدیہ اورنگی ٹاؤن۔ کراچی

۹۔ مجلس خدام الاحمدیہ اسٹیل ٹاؤن۔ کراچی

۱۰۔ مجلس خدام الاحمدیہ ڈرگ روڈ۔ کراچی

۱۱۔ مجلس خدام الاحمدیہ ماڈل کالونی۔ کراچی

۱۲۔ مجلس خدام الاحمدیہ مارٹن روڈ۔ کراچی

۱۳۔ مجلس خدام الاحمدیہ النور سوسائٹی۔ کراچی

۱۴۔ مجلس خدام الاحمدیہ ڈیفنس سوسائٹی۔ کراچی

دُنیائے طِبّ کا جادو

ہومیوپیتھی علاج کے ذریعہ

شِفاء کی حیرت انگیز مُعجزانہ مثالیں

(حضرت امام جماعت احمدیہ کے لیکچرز پر مبنی کتاب میں سے اِنتخاب)

ترتیب: مکرمہ سعدیہ ایاز صاحبہ

آپ نے جادو کے کمالات تو بے شمار سنے ہوں گے یا دیکھیں ہونگے۔ "تیر بہدف" کا لفظ بھی سنا ہو گا اور "تیر بہدف نسخہ" بھی۔ لیکن عام حالات وواقعات میں یہ چیزیں حقیقت سے کافی دور ہوتی ہیں۔ البتہ "ہومیوپیتھی" ایک ایسی چیز ہے کہ یہ دوبارہ طلسماتی دنیابلکہ ایک طلسماتی محل میں لے جاتی ہے۔ یہاں آکر "تیر بہدف" کا لفظ انجانا سا نہیں لگتابلکہ بھلا معلوم ہوتا ہے۔ یقینی اور بر محل لگتا ہے۔ ہومیوپیتھی تو واقعی ایک جادو سے کم نہیں۔ خدائے رحمٰن و رحیم نے اپنی مخلوق پر اتنے انعامات اور احسانات کئے ہیں۔ اس نے اشیاء میں ایسی قوتِ تاثیر رکھ دی ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور روح وجد میں آجاتی ہے۔ لیکن بد قسمتی ہے ہومیوپیتھی کی۔ نہیں نہیں۔ بد قسمتی ہے ان کی جو ہومیوپیتھی سے غافل ہیں۔ وہ محروم ہیں ایک خوبصورت، سریع الاثر اس طلسماتی علاج سے۔ امام جماعت احمدیہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ کے لیکچرز پر مبنی جو کتاب شائع ہوئی ہے اس میں ضمناً حضور انور نے اپنے کچھ تجرباتی واقعات کا بھی تذکرہ فرمایا ان میں سے کچھ ھدیہ قارئین ہیں۔ بہت بہتر ہے کہ اصل کتاب کا مطالعہ کیا جائے۔ زیر نظر مضمون میں جن دوائیوں کے ذکر میں واقعہ ہے عموماً اسی دوائی کے نام میں آپ کو اصل کتاب سے تفصیل کا علم ہو سکتا ہے۔ اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ قارئین کو ہومیوپیتھی اور ادویات سے تعارف اور محبت اور اُنس پیدا ہو اور نسبتاً بے ضرر اور انتہائی سستے علاج کی طرف توجہ ہو۔

☆☆☆☆☆☆☆

"اسپرین"

"ایکونائٹ کو اگر رسٹاکس سے ملا کر دیا جائے تو علامتوں کے جھنجٹ میں پڑے بغیر یہ نسخہ بہت سی بیماریوں کے آغاز میں موثر ہے۔ میرے نزدیک یہ اسپرین کا بہترین بدل ہے۔ ہر ایسی بیماری کے آغاز میں جس میں بے چینی اور بخار کی کیفیت ہو اور محسوس ہوتا ہو کہ کچھ ہونے والا ہے ایکونائٹ اور رسٹاکس کی 200 طاقت میں دو تین خوراکیں بیماری کو آغاز ہی میں ختم کر دیتی ہیں۔ ایک دفعہ میجر محمود صاحب میرے سیکورٹی آفیسر ہمارے ساتھ سائیکلنگ پر گئے۔ سخت بارش ہو رہی تھی اور سردی بھی بہت تھی۔ ہم سب بھیگ گئے۔ صبح انہیں بخار ہو گیا اور جسم میں شدید درد تھا۔ انہیں ایکونائیٹ (Ac-conite200) + رسٹاکس (Rhustox200) اور آرنیکا (Arni-ca200) + برائیونیا (Bryonia200) کی دو تین خوراکیں نصف گھنٹے کے وقفہ سے باری باری استعمال کروائیں' چند گھنٹوں میں بالکل ٹھیک ہو گئے اور پوری صحت کے ساتھ ڈیوٹی پر حاضر ہو گئے۔"

چوٹ آنے پر

"اگر دل کا حملہ خون جمنے کے وجہ سے یا اعصاب کے کسی حصہ کے ناکارہ ہونے کی وجہ سے ہوا ہو تو آرنیکا خون کو پتلا کرتی ہے اور کسی حد تک ان اعصاب میں زندگی پیدا کر دیتی ہے بشرطیکہ ان میں زندگی کی کچھ رمق موجود ہو۔ اگر ایک دفعہ اعصاب مر جائیں تو وہ دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتے۔

☆...... حادثات اور چوٹوں کے لئے آرنیکا بہترین دوا ہے۔ چوٹ کھائی ہوئی جگہ نیلی پیلی ہو جائے اور خون جم گیا ہو تو آرنیکا بلا خوف و خطر استعمال کریں۔ ایک دفعہ میرے پاس ایک ایسا مریض لایا گیا جس کا سارا جسم سر سے پاؤں تک لاٹھیوں کی ضربوں سے کالا اور نیلا ہو رہا تھا۔ حالت اتنی خطرناک تھی کہ لگتا تھا کہ جلد مر جائے گا۔ میں نے اسے آرنیکا کی بہت سے خوراکیں دے کر گھر بھجوا دیا۔ دوسرے دن شام تک جب اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تو تشویش لاحق ہوئی۔ پتہ کروایا تو جواب ملا کہ وہ تو رات ہی کو بالکل ٹھیک ہو گیا تھا اور اب بھاگا دوڑا پھر رہا ہے۔ الحمد للہ"

☆...... اگر چوٹ لگ جائے تو فوراً آرنیکا 200 کو اگر ایکونائٹ 200 سے ملا کر دیں تو اکیلی آرنیکا کے مقابل پر یہ دونوں دوائیں اکٹھا زیادہ اچھا اور فوری اثر دکھاتی ہیں۔ ماؤف حصہ پر سرخی نمایاں ہو نیلاہٹ میں تبدیل نہ ہو تو آرنیکا کے ساتھ بیلاڈونا زیادہ مفید ہے کیونکہ یہ سرخی بتاتی ہے کہ چوٹ والی جگہ کی طرف خون کا غیر معمولی رجحان ہے جو سرخی پیدا کر رہا ہے۔ عموماً جس جگہ چوٹ لگے وہاں ابھار بن جاتا ہے جو چوٹ والے حصہ کو چھپا لیتا ہے۔ یہ ابھار دوران خون زیادہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جو جسم کے طبعی رد عمل کے طور پر صدمہ کی اطلاع ملتے ہی تیزی سے اس طرف دوڑتا ہے۔ چونکہ آرنیکا میں متاثرہ حصہ کی طرف خون کا رجحان بڑھانے کا مزاج نہیں پایا جاتا اس لئے آرنیکا اکیلی کافی نہیں ہوتی۔ میں اسے بیلاڈونا کے ساتھ ملا کر دیتا ہوں۔ ایکونائٹ بھی اس صورت حال میں عمومی طور پر مفید ہے۔ اس لئے ان تینوں دواؤں کو ملا کر اور بھی اچھا نسخہ بن جاتا ہے جو ہر طرح کی چوٹوں میں بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ میں عموماً 200 پوٹینسی استعمال کرتا ہوں۔ آرنیکا چھوٹی طاقت سے لے کر بڑی طاقت تک یکساں کام کرتی ہے لیکن تکلیف زیادہ گہری ہو تو اونچی طاقت میں دینی بہتر ہے۔ ہمارے ایک احمدی افسر میجر ممتاز ایک بار ہمالہ کی برفانی چوٹی سے پچھتر فٹ گہرائی میں جا گرے تھے۔ ان کی چوٹیں اس قدر شدید تھیں کہ ڈاکٹروں نے مایوسی کا اظہار کر دیا تھا۔ میں نے انہیں آرنیکا ایک ہزار اور نیٹرم سلف ایک ہزار پوٹینسی میں پہلے دن دو دفعہ' پھر روزانہ ایک دفعہ استعمال کروائی۔ اللہ کے فضل سے حیرت انگیز طور پر شفایاب ہو گئے۔

اسی طرح ایک دفعہ ایک اور فوجی افسر مجھے پاکستان سے یہاں لنڈن ملنے آئے۔ مگر میں انہیں پہچان نہیں سکا۔ انہوں نے بتایا کہ میری ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی اور ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ ساری عمر چل نہیں سکو گے اور وہیل چئیر (Wheel

(Chair) پر گزارہ کرو گے۔ آپ کی دوائی سال بھر استعمال کی ہے جس سے کھڑے ہونے اور پھر چلنے کی طاقت پیدا ہوگئی۔ اب چل کر آپ سے ملنے آیا ہوں۔ مجھے یاد آگیا کہ ان کی خطرناک حالت کے پیش نظر میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایک نسخہ ایجاد کیا تھا جس میں آرنیکا' روٹا' ہائی پیریکم' کلکیریا فاس اور سمفائیٹم شامل تھیں۔ ان سب دواؤں کو ملا کر 30 طاقت میں چوٹیں لگنے کی صورت میں استعمال کرنا چاہئے۔ یہی وہ نسخہ تھا جو وہ برابر سال بھر اسی طرح استعمال کرتے رہے۔"

☆...... "اگر چلتے ہوئے پاؤں مڑ جائے یا موچ آجائے تو آرنیکا کی اونچی طاقت میں ایک خوراک ہی کافی ہے۔ مالش وغیرہ سے پرہیز کرنا چاہئے۔ زخمی جگہ پر مالش نہایت خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ ایک خاتون موچ کی وجہ سے سخت تکلیف میں تھیں اور چل نہیں سکتی تھیں۔ میں نے انہیں آرنیکا' برائیونیا اور کاسٹیکم دی اور مالش سے پرہیز کرنے کو کہا۔ ایک ہفتہ کے اندر ہی ان کی طرف سے اطلاع ملی کہ بالکل ٹھیک ہیں۔"

☆...... "اگر کمر میں کسی جھٹکے کے نتیجہ میں "چک" پڑ جائے یعنی عارضی طور پر عضلات اپنی جگہ سے ٹل جائیں تو یہ کیفیت خود بخود کچھ عرصہ کے بعد ٹھیک ہو جاتی ہے اور کسی مستقل بیماری کا حصہ نہیں بنتی۔ لیکن بعض دفعہ یہی "چک" مستقل بیماری بن جاتی ہے اور معمولی جھٹکا بھی عمر بھر کا روگ لگا دیتا ہے۔ پہلے سے کمزور عضلات اور بھی سکڑ جاتے ہیں یا ڈھیلے پڑ جاتے ہیں۔ اس صورت میں آرنیکا مددگار ہوتی ہے لیکن آرنیکا براہ راست عضلات کی اندرونی کمزوریوں کی دوا نہیں ہے۔ "چک" کی ایک امکانی دوا "سی می سی فیوجا" ہے جو عضلات کی گہری تکلیفوں میں کام آتی ہے۔

☆...... آرنیکا ہرپیز (Herpes) میں بھی بہت مفید دوا ہے۔ اس بیماری کی ایک قسم عام ہے جو اعصابی کمزوری یا اعصاب میں انفیکشن سے تعلق رکھتی ہے۔ دوسری قسم جنسی بے راہ روی سے پیدا ہونے والی ہرپیز ہے۔ اعصابی کمزوری کی وجہ سے ہونی والی ہرپیز میں آرنیکا بہت مفید ہے۔ اس کے ساتھ آرسینک اور لیڈم ملا کر دینا بہت مفید رہتا ہے۔ یہ ایک بہت خطرناک مرض ہے۔ چہرے اور آنکھوں کے گرد ہو تو آنکھیں ضائع ہو سکتی ہیں۔ دماغ پر حملہ ہو جائے تو مریض ہمیشہ کے لئے گہری دماغی امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس میں اینٹی بائیوٹک اور دوسری ایلوپیتھک دوائیں کارگر نہیں ہوتیں اس لئے فوری طور پر مذکورہ دوائیں شروع کروا دینی چاہئیں۔ یو کے کے سابق امیر برادرم آفتاب احمد خان مرحوم کو بھی ایک دفعہ چہرے پر ہرپیز کا حملہ ہوا تھا۔ مذکورہ دواؤں سے خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تیسرے دن ہی تکلیف ختم ہوگئی اور دوبارہ عود کر نہیں آئی۔

☆...... گینگرین (Gangrene) کے تکلیف دہ مرض میں جس میں اعضاء گلنے سڑنے لگتے ہیں آرسنک اہم ترین ہے۔ میرے تجربے میں یہ بات ہے کہ جہاں ڈاکٹروں نے گینگرین کے خطرے کی وجہ سے اعضاء کاٹنے کا قطعی فیصلہ کر لیا تھا وہاں مریض نے میرے کہنے پر آرسنک 200 یا اونچی طاقت میں استعمال کی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے گینگرین کی جو علامتیں ظاہر ہو چکی تھیں وہ سرے سے غائب ہو گئیں۔

ایک نوجوان کا ہاتھ مشین میں آکر کچلا گیا' اس کے زخم مندمل نہیں ہوئے اور بگڑ کر گینگرین میں تبدیل ہو گئے۔ ڈاکٹر نے مایوس ہو کر پہلے انگوٹھا اور پھر بازو کٹوانے کا مشورہ دیا۔ میں نے اس کے لئے آرسنک سی۔ ایم (CM) تجویز کی اور ہفتہ دس دن کے بعد دہرانے کو کہا۔ چند ہفتوں کے بعد اس نے لکھا کہ درد تو ہے لیکن سیاہی رفتہ رفتہ سرخی میں تبدیل ہو رہی ہے۔ کچھ ہی عرصہ میں اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ہو گیا اور بازو کٹوانا تو کجا' ہاتھ کی انگلیاں کٹوانے کی نوبت بھی نہ آئے تو بہتر ہے کہ کوئی اور دوا مثلاً سلیشیا یا سلفر اونچی طاقت میں دے کر مرض کو قابو میں لائیں ورنہ بہتر ہے کہ سرجن کا مشورہ قبول کر لیا جائے۔ آغاز میں اگر ہاتھ کٹوانے سے جان

بچ سکتی ہے تو دیر ہو جانے پر بعض دفعہ بازو بھی کٹوانا پڑتا ہے اور پھر بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ گینگرین جسم اور دماغ کو متاثر نہ کرے گی۔ عام ناسوروں میں جو گہرے ہوں اور ہڈی کو بھی کھا رہے ہوں تو آرسنک سے زیادہ کالی آیوڈائیڈ (kali Iodide) یا آرسنک آیوڈائیڈ بہتر کام کرتی ہیں۔"

☆...... "ایک بچے کی ٹانگیں پولیو کے حملہ کی وجہ سے ٹیڑھی ہو گئی تھیں۔ اسے سلفر اور برائیٹا کارب دی گئیں جن سے اتنا نمایاں فائدہ ہوا کہ وہ اب معمول کے مطابق زندگی گزار رہا ہے' چلتا پھرتا ہے اگرچہ مکمل صحت نہیں ہے حالانکہ ڈاکٹروں نے کہا تھا کہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی یہ تکلیف بڑھتی جائے گی۔ ہومیوپیتھی دیکھنے میں میٹھی گولیاں لگتی ہیں لیکن بہت گہرے اثرات کی حامل ہے۔

☆...... سلفر کو 200 طاقت میں اور ربرائیونیا کو 30 یا سلفر کو 30 اور برائیونیا کو 200 طاقت میں بار بار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر جگر کی علامتیں گہری ہوں اور دوا کو بار بار دہرانے کی ضرورت پیش آئے تو سلفر 200 میں بار بار دہرانے سے خطرہ ہے کہ کہیں یہ منفی اثر ہی نہ پیدا کر دے کیونکہ یہ لمبا اور گہرا اثر کرنے والی دوا ہے اس لئے جگر کے معاملات میں سلفر کو 30 میں اور برائیونیا کو 200 میں استعمال کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں۔

Hepititis B میں بھی یہ بہت اچھا نسخہ ثابت ہوا ہے۔ اس کے ساتھ کارڈووس مریانس (Carduus Marianus Q) مدر ٹنکچر یعنی کیو (Q) طاقت میں دی جائے تو یہ نسخہ جگر کے کینسر میں بغیر کسی تبدیلی یا کسی اور دوا کی مدد کے بارہا اکیلا ہی شافی ثابت ہوتا ہے۔ بعض ایسے مریض تجربہ میں آئے ہیں جن کو ڈاکٹروں نے قطعی طور پر جگر کا کینسر تشخیص کیا اور ہر قسم کی ریڈی ایشن اور دواؤں کے استعمال کے بعد لاعلاج قرار دے دیا۔ جب یہ سمجھا کہ اب دو تین دن کے مہمان ہیں تو انہیں ہسپتال سے فارغ کر کے گھر بھجوا دیا گیا۔ اس وقت جب اسی نسخہ سے ان کا علاج کیا گیا تو تین دن میں مرنے کی بجائے تین میں صحت کے آثار واپس لوٹ آئے جس کی پہلی علامت یہ ظاہر ہوئی کہ پیاس اور بھوک جو بالکل مٹ چکی تھی از سر نو بحال ہونے لگی۔ جگر کے بہت سے دوسرے مریضوں نے بھی اس نسخے سے استفادہ کیا اور ابھی تک بقید حیات ہیں۔

☆...... "اگر اچانک ٹھنڈ لگ جائے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی اعصابی کمزوری یا سوزش کی وجہ سے مرگی کے دورے پڑنے لگیں یا کسی جذباتی صدمہ یا خوف کی وجہ سے مرگی شروع ہو جائے تو اس کا کاسٹیکم سے گہرا تعلق ہے اور کاسٹیکم سے علاج بہت مفید ثابت ہو سکتا ہے مگر آہستہ آہستہ طاقت بڑھائی جائے اور لمبا عرصہ مسلسل استعمال کی جائے۔

ایک دوا کیوپرم بھی ہے جو مرگی میں بہت کام آتی ہے اور وقتی طور پر فائدہ دینے میں سب سے زیادہ موثر دوا ہے لیکن اس کی خاص علامات یہ ہیں کہ انگلیوں سے تشنج شروع ہوتا ہے۔ مریض کا چہرہ نیلا ہو جاتا ہے اور منہ سے جھاگ نکلتی ہے۔

قابل جستجو بات یہ ہونی چاہئے کہ مرض کا آغاز کیسے ہوا اور مرض کا حملہ جب شروع ہو تو اس کے آغاز کی علامات ہوتی ہیں۔ یہ دونوں باتیں صحیح دوا کی تشخیص میں بہت مددگار بن سکتی ہیں۔ کیوپرم کی بیماری کا آغاز دراصل انتڑیوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً مریض کو ایسا ہیضہ ہو جس میں تشنج بہت نمایاں ہو' اسہال کھل کر نہ آئیں' وقفہ وقفہ سے اینٹھن ہوتی ہو۔ ایسے مریض کو اگر اینٹی بائیوٹک دوا سے شفا دے دی جائے تو وہ مرگی کا مستقل مریض بن جاتا ہے کیونکہ وہ گہری بنیادی مرض جس کی وجہ سے مریض اس حالت میں پہنچا ہے اس مرض کو شفا نہیں ہوئی بلکہ علامتیں ختم کر دی گئیں۔ کچھ ایسے مریض جب مرگی کا شکار ہوئے تو انہیں کیوپرم دینے سے مستقل فائدہ ہوا۔ شروع شروع میں جب بیماری شدید تھی تو جلد جلد کیوپرم

استعمال کرنا پڑتی تھی۔ جب دوروں کے وقفے لمبے ہوئے تو دوا کے وقفے بھی بڑھا دیئے گئے اور طاقت بھی 30 سے بڑھا کر 200 تک کر دی گئی۔ اللہ کے فضل سے ایسے مریضوں کی طرف سے یہی اطلاع ملتی رہی کہ وہ ٹھیک ہو گئے ہیں۔ لیکن قطعیت سے پھر بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ بعض مریضوں میں کیوپرم کی 200 یا زیادہ طاقت کو کلیتاً بے اثر بھی دیکھا گیا ہے۔ پس ہومیوپیتھک معالج کو محض کتابی علم پر انحصار نہیں کرنا چاہئے' اپنے تجربہ سے بھی دواؤں کے اثر کا باریک مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ بہر حال تحکم کے ساتھ یہ دعویٰ نہیں کرنا چاہئے کہ کیوپرم ہر مرگی کا مستقل علاج ہے۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ کیوپرم مستقل علاج ہو یا نہ ہو' کم سے کم وقتی فائدہ ضرور دیتا ہے۔"

☆...... "سلفر اور رسٹاکس کی جلدی امراض بھی رحم' انتڑیوں یا پھیپھڑوں کی طرف منتقل ہو جاتی ہیں۔ کروٹن کی جلدی امراض دب کر انتڑیوں میں ظاہر ہوتی ہیں۔ رسٹاکس کی علامات رکھنے والی بیماریوں سے مختلف ہوتی ہے۔ سلفر کی بیماریوں کا تعلق اکثر جلد سے بھی ہوتا ہے اور گلٹیوں، سے بھی۔ بواسیر' انتڑیوں کی سوزش اور جگر کی کئی بیماریاں اگر جلدی امراض کے دبنے سے پیدا ہوئی ہوں تو سلفر کی خاص علامات ہیں۔ کروٹن میں شدید پیچش اور اسہال جلدی امراض کے دبنے سے ہو سکتے ہیں خصوصاً جب جلدی امراض کا تعلق مردانہ اعضائے تناسل اور ان کے اردگرد کی جلد سے ہو۔ ایک معمر بزرگ کو ایگزیما کی پرانی تکلیف تھی۔ تحقیق سے پتہ چلا کہ تقسیم ہندوپاکستان کے وقت کیمپوں میں قیام کے دوران گندی غذا کے استعمال کی وجہ سے انہیں پیچش ہو گئی تھی جو آخر روایتی علاج سے ٹھیک ہو گئی لیکن اس کے معابعد ایگزیما ہو گیا جو ٹھیک ہونے میں نہیں آتا تھا۔ میں نے ان کی بیماری کے پس منظر کو مدنظر رکھ کر کروٹن ایک ہزار طاقت میں دی۔ اللہ کے فضل سے ایک خوراک ہی سے شفا ہو گئی اور ایگزیما بالکل دور ہو گیا اور پیچش بھی دوبارہ نہیں ہوئی۔

پس اگر دونوں طرف کی علامتیں ذہن میں ہوں تو ایسی دوا دینے سے جو دونوں بیماریوں کا بیک وقت علاج کر سکے مرض کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ اگر غلط دوا دے دیں تو ایک طرف سے بیماری دب کر دوسری طرف ضرور ظاہر ہو گی۔"

☆...... "کینسر کی گلٹیاں جو جلد پر ظاہر ہو جائیں کو نیم ان میں بہت مفید ہے کیونکہ ابتداء ہی میں کینسر پہچانا جاتا ہے۔ ایسے ابھاروں میں اگر زخم بننے لگیں تو خالص شہد کا لیپ کرنے سے بھی نمایاں فائدہ ہوتا ہے۔ یہ بات جدید طبی تحقیق سے بھی ثابت ہو چکی ہے کہ جہاں کوئی مرہم کام نہیں کرتی وہاں شہد کا لیپ حیرت انگیز فائدہ پہنچاتا ہے بلکہ بعض قابل ڈاکٹروں کے نزدیک اس سے مکمل شفا بھی ہو جاتی ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فیہ شفاء للناس کہ اس میں لوگوں کے لئے ایک شفا رکھی گئی ہے۔ ہمیں اس شفا کی ہمیشہ تلاش کرتے رہنا چاہئے کیونکہ ابھی تک شہد سے وابستہ شفا کا پورا علم ہمیں نہیں ہوا۔ ہاں اتفاقاً شہد کی کچھ خوبیوں کا علم ہوتا رہتا ہے۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ نے شہد کو ایک عظیم شفا کا حامل قرار دیا ہے اس لئے اس میں لازماً ایک پورا نظام شفا موجود ہے جس تک ابھی ہماری رسائی نہیں ہوئی۔ ہومیوپیتھ احمدیوں کو چاہئے کہ شہد پر بھی تحقیق کرتے رہیں اور اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ قرآن شریف نے مختلف الوانہ فرمایا ہے کہ اس کے رنگ جدا جدا ہیں جس کا مطلب ہے کہ ہر رنگ والا شہد الگ الگ بیماریوں پر اثر انداز ہو گا' ہر بیماری پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ اس کے شفا کے دائرہ کار رنگوں سے بھی تعلق ہے اور رنگوں کا پھولوں' موسموں اور علاقوں سے بھی تعلق ہے۔ یعنی شہد ایک دوا نہیں بلکہ سینکڑوں دوائیں کی ایک نوع کا نام ہے۔ ہر ملک میں وہاں کے شہد پر تحقیق ہونی چاہئے کہ وہ کن پھولوں سے بنتا ہے اور ان پھولوں اور پھلوں کا کیا مزاج ہے اور کیا انہیں طب میں استعمال کیا گیا ہے یا نہیں۔

جس طرح چین میں وسیع پیمانے پر جڑی بوٹیوں پر

تحقیق ہوئی تھی جو کبھی ان کی روایتی طب میں استعمال ہوا کرتی تھی۔ اس تحقیق سے ثابت ہوا تھا کہ ان میں تقریباً نصف پرانی دوائیں جدید ایلوپیتھک دواؤں کے مقابل پر زیادہ بہتر ہیں اور سستی بھی ہیں۔ دوسرے ان دواؤں میں ایسے ایسے عجیب و غریب اثرات ملے ہیں جو جدید ایلوپیتھ طبیبوں کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھے۔ پس ساری دنیا کے احمدیوں کو چاہئے کہ اپنے اپنے علاقہ میں شہد پر تحقیق کریں کہ وہاں کونسی بیماریاں ہیں اور کون سا شہد ان مخصوص بیماریوں کے لئے کہاں تک اور کس طریق پر استعمال کرنے سے مفید ثابت ہوتا ہے۔ یہ طبّی ہی نہیں بلکہ ہمارا مذہبی فریضہ بھی ہے۔"

شوگر کے لئے

"سوڈیم اور سلفر سے بنی ہوئی دوا نیٹرم سلف اہم اندرونی تبدیلیاں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس کا جگر سے گہرا تعلق ہے۔ شوگر کے لئے بہت مفید دوا ہے۔ اگر نیٹرم سلف دو طاقت میں کلیکریا فاس، کالی فاس اور نیٹرم فاس 6x کے ساتھ دیں تو یہ ایک وسیع الاثر نسخہ ہے۔ بعض اوقات ان چاروں دواؤں کو 6x میں بھی دے کر دیا ہے اور اچھے نتائج ظاہر ہوئے ہیں۔ حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب کو بھی یہی نسخہ استعمال کروایا تھا اور اللہ کے فضل سے مدتوں پہلے کی ذیابیطس سے شفا ہو گئی تھی اور پھر انہیں انسولین کی ضرورت نہیں رہی تھی جس کا اس علاج سے پہلے ان کو روزانہ ٹیکا لگانا پڑتا تھا۔"

شدید سر درد

"بیرونی عضلات میں جان پیدا کرنے کے لئے نکس وامیکا اچھا کردار ادا کرتی ہے۔ نیز ہر قسم کی عضلاتی کمزوریوں میں مفید ہے۔ اگر اس کی دیگر علامات ملتی ہیں اور معدے میں تیزابیت بھی ہو تو ایسے مریضوں کو اچانک پیدا ہونے والی کمزوری میں جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ ہاتھ ہلانے کی طاقت بھی نہیں رہتی یہ فوری فائدہ دیتی ہے اور مریض میں فی الفور جان پڑنے لگتی ہے۔ 30 طاقت میں چند منٹوں کے وقفہ سے دیں تو اللہ کے فضل سے غیر معمولی شفا ہو گی۔ ایسی صورت میں ایلوپیتھک دوائیں اتنی سرعت سے وہ کام نہیں کرتیں جو نکس وامیکا کر دکھاتی ہے۔ جب میں طالبعلم تھا تو میں سر میں شدید درد کی وجہ سے ایک دوا اسپنڈول جو اعصابی درد کی بہترین دوا ہے استعمال کیا کرتا تھا۔ یہ پاکستان میں نہیں ملتی تھی اور میرے والد مرحوم اسے کلکتہ سے منگوایا کرتے تھے۔ جب یہ دوا آپ کے پاس بھی نہ ملتی تو اسپرین کھانی پڑتی تھی جس کا اندرونی جھلیوں پر تیزابی اثر پڑتا تھا اور معدے میں تیزابیت بہت بڑھ جاتی تھی۔ غرضیکہ ایلوپیتھک علاج سے ایک تکلیف کم ہوتی تھی تو دوسری بہت سے تکالیف پیدا ہو جاتی تھیں۔ میرے ساتھ بھی یہی ہوا کہ سر درد کو دبانے کے لئے اتنی اسپرین کھانی پڑی کہ معدہ تیزاب سے بھر گیا اور تیزاب کی زیادتی سے جو اچانک کمزوری اور شدید دورے پڑتے ہیں ان سے بعض دفعہ ایسا لگتا ہے تھا کہ جسم سے بالکل جان نکل گئی ہے اور یہ کیفیت کئی کئی دن رہتی تھی۔ اس دوران مجھے ہومیوپیتھک طریق پر اپنا علاج خود کرنے میں دلچسپی پیدا ہوئی اور نکس وامیکا کا خیال آیا۔ ایک دفعہ اسی کیفیت میں میں نے پندرہ پندرہ منٹ سے نکس وامیکا کی دو خوراکیں کھائیں اور یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا کہ جسم میں ایک دم جان آچکی تھی۔ پتہ بھی نہیں چلا کہ کب کمزوری گئی اور کب طاقت آگئی۔ آزمائش کے طور پر میں اچھل کر کھڑا ہو گیا، کمزوری کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ اس کے بعد جب کبھی ایسی کیفیت ہوئی ہمیشہ نکس وامیکا نے فائدہ دیا اور رفتہ رفتہ یہ رجحان بالکل ہی ختم ہو گیا۔

دوسرے بہت سے مریضوں پر بھی جن کو تیزابیت کے

باعث اچانک کمزوری کے دورے پڑے تھے میں نے اس دوا کو استعمال کیا اور ہمیشہ کارآمد پایا۔

لہذا اگر معدہ میں تیزاب بڑھنے سے عضلات میں کمزوری واقع ہو جائے تو نکس وامیکا ہی اس کی بہترین دوا ہے۔

☆...... "دھوپ میں جانے اور ٹھنڈے کمرے سے گرم کمرے میں آنے سے سر درد بڑھ جائے گا۔ اچانک سردی سے گرمی میں آنے سے تکلیف بڑھ جائے تو برائیونیا بہترین دوا ہے لیکن روزمرہ کے تشنج میں نکس وامیکا زیادہ زوداثر ہے۔ نکس وامیکا بے خوابی کی بھی موثر دوا ہے۔ مثلاً جو لوگ نشہ کے عادی ہوں یا جنہیں نیند کی گولیاں کھانے کی عادت پڑ جائے ان کے لئے نکس وامیکا بہترین متبادل ہے۔ میں ڈرگ (Drug) کے عادی مریضوں کا علاج اکثر نکس وامیکا سے ہی شروع کرتا ہوں اور الاماشاء اللہ سب کو فائدہ ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک نوجوان کو جو نشہ کا عادی تھا' اس کے پریشان حال ماں باپ میرے پاس لائے۔ اس کی عادت کو نیند کی گولیوں کے ذریعہ چھڑانے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ لیکن بھاری مقدار میں گولیاں کھا کر بھی اسے بمشکل نیند آتی تھی' نہ کھاتا تو نیند نہیں آتی تھی اور نشہ چھوڑنے کی وجہ سے پیدا ہونے والی علامات میں شدت آجاتی تھی۔ میں نے اسے نکس وامیکا 30' دن میں تین دفعہ استعمال کرنے کے لئے دی اور اس کی نیند کی گولیوں کی شیشی اپنے پاس رکھی لی تاکہ اگر رات کو نیند نہ آئے تو صبح آکر واپس لے جائے۔ رات کو وہ لمبے عرصہ بعد پہلی دفعہ آرام سے سویا اور صبح آکر اس نے مجھے بتایا کہ نیند کی گولیوں سے جو نیند آتی تھی وہ بے چین کرنے والی تھی لیکن نکس وامیکا لے کر وہ چین اور آرام سے سوتا رہا ہے۔ اس کی نیند کی گولیاں ایک مدت تک میرے پاس بطور نشانی پڑی رہیں۔ غرضیکہ نکس وامیکا نشہ آور چیزوں کے منفی اثرات کے دور کرنے اور نیند کی گولیوں سے پیچھا چھڑوانے کے لئے اکثر مفید ثابت ہوتی ہے۔ اگر یہ اکیلی کافی نہ ہو تو کیمومیلا ساتھ استعمال کروائیں۔ یہ دونوں دوائیں نیند لانے کے علاوہ بہت سی نشہ آور ڈرگز (Durgs) کے بداثرات کو ختم کر دیتی ہے۔

اگر بہت سے کاموں کا بوجھ ہو' بہت بولنا پڑتا ہو یا دماغ میں کسی وجہ سے ہیجان ہو اور نیند نہ آئے تو اس میں بھی نکس وامیکا بہترین دوا ہے۔ یہ کافی (Cofee) کے بداثرات کا بھی بہت اچھا تریاق ہے۔ کافی پینے سے میری نیند اڑ جایا کرتی تھی لہذا میں رات کو کافی بالکل نہیں پی سکتا تھا۔ اب اگر میں رات کو کافی پیوں تو نکس وامیکا کی ایک خوراک لے لیتا ہوں اور اللہ کے فضل سے کافی کا اثر زائل ہو جاتا ہے' کسی اور دوا کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نکس وامیکا سے جو نیند آتی ہے اس میں ایک خاص بات یہ ہے کہ عام نیند سے پہلے جو ایک غنودگی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ پیدا نہیں ہوتی بلکہ ایک دم انسان نیند کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔ سونے اور جاگنے کا درمیانی وقفہ کم ہو جاتا ہے۔ اچانک نیند غلبہ کرتی ہے اور بہت گہری اور پرسکون نیند آتی ہے۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ اس سے ملتی جلتی نیند آور دوا بنا کس بھی ہے جو بہت گہری اور پرسکون نیند لاتی ہے۔"

نکسیر اور کینسر

☆...... شریانوں میں خون کا دباؤ زیادہ ہونے کی وجہ سے خون بہنا شروع ہو جائے تو فاسفورس خون کے بہاؤ کو روکنے میں مدد ثابت ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ ایک دوست کی نکسیر بے تحاشا پھوٹنے کے باعث طبیعت بے حد خراب تھی۔ مجھے آدھی رات کو بلایا گیا۔ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ فرش خون سے بھرا ہوا ہے۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہاں بکرا ذبح کر دیا گیا ہو۔ ان کے منہ سے بھی خون جاری تھا۔ میں نے خون والے منہ میں ہی فاسفورس اور ملی فولیم ملا کر ڈال دی۔ 15 منٹ کے اندر اندر خون آنا بند ہو گیا اور وہ آرام سے سو گئے اور خدا کے فضل سے انہیں مکمل صحت ہو گئی۔ اگر زخموں سے معمول سے زیادہ سرخ رنگ کا خون جاری ہو جائے تو اس سے بہت جلد فائدہ آتا ہے۔ ٹھنڈک سے آرام آتا ہے اور ٹھنڈے پانی کی ٹکور سے خون

بند ہو جاتا ہے۔ سر میں دوران خون بڑھنے سے درد ہو تو خطرہ ہوتا ہے کہ شریانیں پھٹ جائیں گی۔ ایسی حالت میں سر کو ٹھنڈا کرنے سے فائدہ ہو گا لیکن فاسفورس سے اس رجحان کا مستقل علاج ضروری ہے۔

مثانے اور غدہ قامیہ (پراسٹیٹ) کے کینسر میں بھی فاسفورس غیر معمولی اہمیت کی دوا ہے۔ ہڈیوں کے کینسر میں بھی فاسفورس بارہا شافی ثابت ہوتی ہے۔ ایک مریض کو جس کا ہر قسم کا ریڈی ایشن (Radiation) کا علاج ہو چکا تھا' میں نے فاسفورس 30 دینی شروع کی اور ہدایت کی کہ ایک ماہ کے بعد اپنی کیفیت سے آگاہ کرے۔ ایک ماہ کے بعد اس نے بتایا کہ اس کا وزن گرنا بند ہو گیا ہے اور بھوک پیاس محسوس ہونے لگی ہے۔ اس مریض کی ہڈیاں اتنی کمزور ہو گئی تھیں کہ چل نہیں سکتا اور دباؤ بالکل برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بیساکھیاں استعمال کرتا تھا۔ تین ماہ کے اندر اندر بیساکھیاں چھوٹ گئیں اور کمزوری جاتی رہی۔ آٹھ دس سال بالکل ٹھیک رہا۔ اس کے بعد دماغ کا کینسر ہو گیا۔ اس سے بھی خدا کے فضل سے صحت ہو گیا اور پندرہ سال زندگی پائی۔ کینسر کی یہ عادت ہے کہ باربار عود کر آتا ہے اس لئے اس کا مستقل علاج جاری رہنا چاہئے۔ فاسفورس کا استعمال بہت احتیاط سے کرنا چاہئے کیونکہ یہ بہت گہرا اثر کرنے والی دوا ہے۔ زیادہ اونچی طاقت میں استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔

اگزیما

☆...... "رسٹاکس کے اگزیما میں پانی بہت بہتا ہے۔ اسے رونے والا (Weeping) اگزیما کہتے ہیں۔ میرے پاس ایک دفعہ بہت غریب مریضہ آئی جس کے ہاتھوں پر پانی بہنے والا سخت تکلیف دہ اگزیما تھا۔ وہ روزمرہ کا کھانا پکانے سے بھی معذور تھی۔ خاوند اور بچے بھی اس وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا تھے۔ میں نے ایک ہزار میں رسٹاکس دی تو حالت مزید بگڑ گئی لیکن چند دنوں میں پانی خشک ہونے لگا۔ اگلے ہفتہ دوبارہ رسٹاکس دینے سے ردعمل ہوا لیکن پہلے سے کم' تین چار ہفتوں میں اس کے ہاتھ بالکل ٹھیک ہو گئے اور اگزیما کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ پس جب یہ دوا کام کرتی ہے تو حیرت انگیز اثر دکھاتی ہے۔ میرے علم کے مطابق اس کا کوئی اور متبادل نہیں ہے۔ جہاں رسٹاکس کی خاص علامتیں نمایاں ہوں وہاں رسٹاکس ہی فائدہ پہنچاتی ہے۔ رسٹاکس کا مرطوب اور سرد موسم سے گہرا تعلق ہے۔ برسات میں جبکہ گرمی بھی ہو اس کی تکلیف بہت بڑھ جاتی ہے۔"

☆...... مجھے بتایا گیا کہ کسی مریض کی انتڑیوں میں سوئی پھنسی ہوئی ہے اور آپریشن خطرناک ہے۔ اسے انہوں نے سلیشیا کی شہرت سن کر سلیشیا دی۔ کچھ عرصہ کے بعد اندرونی اعضاء زخمی کئے بغیر سوئی خود ہی جسم سے باہر نکل گئی۔ میرا بھی بار بار یہی تجربہ ہے۔ ایک دفعہ ربوہ میں ایک بچے کے پاؤں میں شیشے کا ایک بڑا سا ٹکڑا پاؤں کی ہڈی تک پہنچ کر وہیں پھنس گیا۔ پاؤں اتنا سوج گیا کہ ڈاکٹروں نے آپریشن سے انکار کر دیا۔ اسے میں نے ایک مہینہ کے لگ بھگ مسلسل سلیشیا کھلائی۔ سلیشیا نے بہت سلیقہ سے اس ٹکڑے کو نکال باہر کیا اور زخم بھی جلد مندمل ہو گیا۔

مجھے یاد ہے کہ اس بچے کی ماں اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوئی کہ اس نے ایک خوبصورت ٹرے میں ایک طرف یہ شیشے کا ٹکڑا رکھ کر دوسری طرف مٹھائی سجا کر مجھے اظہار تشکر کے طور پر بھجوائے۔

افریقہ کے بعض ممالک اور پاکستان میں سندھ کے علاقہ میں گندے پانی کی وجہ سے ایک کیڑا جسم میں داخل ہوتا ہے جو بہت خطرناک ہوتا ہے اور اندر ہی اندر فیتے کی طرح لمبا ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک سوت کی گھٹی کی طرح جسم میں ابھار بنا دیتا ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک فٹ بال کے برابر بھی ہو سکتا ہے۔ اسے فیل پا یعنی ہاتھی کا پاؤں بھی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر نثار مورانی صاحب ہومیوپیتھ جو کبھی

سندھ میں معلم وقف جدید ہوا کرتے تھے، سلیشیا کے عمومی خواص کے پیش نظر اسے بکثرت فیل پا کے مریضوں پر استعمال کرتے رہے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق سلیشیا 6x میں دی جائے تو وہ اس کیڑے کو اندر ہی اندر پگھلا دیتی ہے۔ اسے چیرا وغیرہ دے کر باہر نکالنے کی ہرگز کوشش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ اگر یہ کیڑا جسم سے باہر نکالنے کی کوشش میں ٹوٹ جائے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر خون کے ذریعہ جہاں جہاں یہ ٹکڑے پھیلیں اس کا ہر ٹکڑا بہت تیزی سے بڑھنے لگتا ہے اور مہلک ثابت ہوتا ہے۔ افریقہ میں اس کیڑے کے بعض ماہر معالجین اس کو کانٹے پر لپیٹتے ہیں۔ یہ سینکڑوں گز لمبا ہوتا ہے۔ اگر درمیان میں ٹوٹ جائے تو ساری محنت اکارت جاتی ہے لیکن سلیشیا اسے پگھلا کر پانی بنا دیتی ہے۔ بعض اوقات مچھلی کا ٹیڑھا کانٹا گلے میں پھنس جاتا ہے۔ جو نکلتا نہیں۔ ایک دفعہ مجھے بھی ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ جب باوجود کوشش کے کانٹا نہ نکل سکا تو میں نے سلیشیا 6x کھالی۔ چند گھنٹوں کے بعد ہلکی سی کھانسی کے ساتھ کانٹا خود بخود باہر آگیا۔ بعض بچوں پر بھی یہ تجربہ کر کے دیکھا ہے۔ الا ماشاء اللہ سلیشیا ہمیشہ اچھا اثر دکھاتی ہے۔"

ع کہتے ہیں تثلیث کو اب اہلِ دانش الوداع

بیسویں صدی ــــ کسرِ صلیب کی صدی

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا ایک معرکۃ الآراء کارنامہ

(مکرم نصیر احمد صاحب انجم۔ استاذ جامعہ احمدیہ ربوہ)

آج ہم اکیسویں صدی کے دہانے پر کھڑے ہیں (اور بڑے زور و شور سے دنیا اگلی صدی میں داخلے کی تیاریوں میں مصروف ہے) جس طرح سال کے اختتام پر جائزے لئے جاتے ہیں کہ سال گذشتہ میں مختلف نوعیت کے کیا کیا اُتار چڑھاؤ آئے۔ کسے نفع ہوا اور کون خسارے میں گیا۔ ہم بیسویں صدی کے اختتام پر ایک خاص جہت سے ایک جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں اور وہ مخصوص جہت مسیحیت اور اسلام میں موازنہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پس اگلے صفحات میں ہم تقابلی جائزہ لیں گے کہ گذرنے والی اس صدی سے پہلے دونوں مذکورہ مذاہب کی صورتحال کیا تھی۔ اور صدی کے اختتام پر کیا پوزیشن ہے۔ اس سلسلہ میں مسیحیت کے علاوہ دیگر مذاہب مثلاً ہنود و یہود کا ذکر بھی ضمناً آئیگا۔

گذشتہ دو صدیوں میں مسیحیت کی جارحانہ یلغار

سیدنا حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع اس زمانے کی مذہبی دنیا کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"تاریخ مذاہب میں ۱۹ ویں صدی کا نصف و آخر اور ۲۰ صدی عیسوی کا آغاز مذہب کے درمیان خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ وہ دور ہے کہ جب کہ تمام روئے زمین پر ایک طرف تو بڑے بڑے مذاہب کے درمیان گہری سنجیدگی اور انہماک کے ساتھ نظریاتی جنگ لڑی جا رہی تھی اور دوسری طرف احیائے علوم اور تہذیب نو کے نتیجہ میں مذہبی اور غیر مذہبی نظریات باہم دِگر بڑی شدت کے ساتھ برسرِ پیکار تھے۔ اوّل الذکر مقابلہ میں عیسائیت، اسلام اور ہندومت کا مجادلہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ان تینوں مذاہب کی باہمی جنگوں کے لئے ہندوستان ہی بہترین اکھاڑا ثابت ہو سکتا تھا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ۱۸ ویں صدی کے نصف آخر میں سرزمین ہند میں ان تینوں مذاہب کے درمیان وسیع پیمانے پر تاریخی اہمیت کی نظریاتی جنگیں لڑی گئیں اور یہ سلسلہ کسی نہ کسی رنگ میں اب تک جاری ہے۔"

(سوانح فضل عمر صفحہ ۴۔ ناشر فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ۔ پاکستان دسمبر ۱۹۷۵ء)

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اس زمانے میں مسیحیت نے اسلام کے خلاف محاذ کھول رکھا تھا۔ پادری اور مناد انگلستان سے ہندوستان درآمد ہوتے تھے۔ ایک طرف وہ اپنی تقاریر میں اپنی زبانوں سے اسلام کے خلاف شعلے اگلتے تھے تو دوسری جانب ان کی تحریریں زہر فشانی کرتی تھیں۔ آئندہ حوالوں سے ان عیسائی منادوں کی تعلیوں اور بلند بانگ دعاوی کی خوب عکاسی ہوتی ہے۔ پادری عماد الدین (جو کبھی اجمیر کی جامع مسجد کے امام تھے) وہ بھی اسی یلغار کی لپیٹ میں آئے لکھتے ہیں۔

"۱۸۰۰ء میں جب ولیم کیری صاحب نے آکر ملک بنگال کے ایک حصہ میں کام شروع کیا، اس وقت سے بہت آہستہ آہستہ مسیحی دین کا چرچا تمام ملک ہندوستان میں پھیلا ہے اور پنجاب میں قریب ۴۵ برس سے خدا کا دین آیا ہے۔ جس وقت کیری صاحب آئے اس وقت ملک کی ایسی حالت تھی کہ کوئی دنیاوی سمجھ کا آدمی نہ کہہ سکتا تھا کہ مسیح کا دین اس ملک میں پھیلے گا کیونکہ اس وقت کے محمدی اور ہندو اپنے اپنے مذہب میں بڑے مضبوط اور سرگرم اور

تعصب و سختی و ناواقفی سے بھرپور ہو کے ہوا سے باتیں کرتے تھے۔ ہاں اس وقت کیری صاحب کا مسیحی ایمان گواہی دیتا تھا کہ خدا کا دین اس ملک کو بھی ضرور فتح کریگا۔ جیسا کہ وہ پیچھے سے فتح مند چلا آیا ہے اسی طرح اب ہم مسیحی بھی خدا پر یقین اور بھروسہ کر کے کہتے ہیں کہ کسی وقت یہ ملک **ملک انگلستان** کی مانند ہونیوالا ہے۔ ہمارے مخالف ہندو و مسلمان و پانڈی و نیچری وغیرہ اگرچہ کیسا ہی زور دکھلاویں اور زبان درازیاں کریں، وقت چلا آتا ہے کہ پتہ ندارد ہونگے صرف مسیحی دیندار نیک نہاد ہونگے یا شرارت نفسانی کے لوگ ملیں گے کیونکہ ملک ملک نے اب ایسی حالت کی طرف رخ کر لیا ہے اور پیچھے یوں ہی ہوتا آیا ہے اور تعلیمات کے نتائج یہی ہیں۔"

(خط شکاگو ۸ فروری ۱۸۹۳ء صفحہ ۶)

ہندوستان میں عیسائیت کو جو کامیابی حاصل ہو رہی تھی اس کی ایک لائق سی جھلک پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر چارلس ایچی سن کی ایک تقریر میں پائی جاتی ہے جو انہوں نے ۱۸۸۸ء میں کی تھی۔ انہوں نے کہا۔

"بعض ایسے لوگوں کو جنہیں اس طرف توجہ کرنے کا موقع نہیں ملا، سن کر تعجب ہوگا کہ جس رفتار سے ہندوستان کی معمولی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس سے چار پانچ گنا زیادہ تیز رفتار سے عیسائیت اس ملک میں پھیل رہی ہے اور اس وقت ہندوستانی عیسائیوں کی تعداد دس لاکھ کے قریب ہو چکی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اس عظیم الشان امر کا سبب کہ ہر جگہ عیسائیوں کی جماعت ایسی تیز رفتاری سے پھیل رہی ہے کہ جتنی قرون وسطی کے بعد کبھی نہیں پھیلی۔ میں اور آپ اس کا حقیقی سبب جانتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ خداوند کی روح حرکت میں ہے۔ پہلے کی طرح اب بھی خداوند اپنے نام کو عظمت دے رہا ہے اور وہ ہمارے چرچ کو ان لوگوں سے وسعت دے رہا ہے جو نجات چاہتے ہیں۔ انجیل کے پیغام کی قدیم طاقت ابھی تک موجود ہے۔ اب بھی رسولوں کے زمانہ کی طرح خدا کا کلام زبردست نشوونما کی طاقت رکھتا ہے اور اس کا غلبہ ہو رہا ہے۔"

(دی مشنز۔ از۔ آر۔ کلارک صفحہ ۲۳۴ بحوالہ سوانح فضل عمر صفحہ ۱۲)

امریکہ کے مشہور عیسائی مناد ڈاکٹر جان ہنری بیروز کو ہندوستان بلوایا گیا وہ انگریزی زبان کے بڑے فصیح البیان مقرر تھے۔ انہوں نے ۱۸۹۶ء میں برصغیر کا طوفانی دورہ کر کے جگہ جگہ لیکچر دیئے اور ان لیکچروں میں عیسائیت کے عالمگیر غلبہ کا وہ ڈھنڈورا پیٹا کہ آسمان سر پر اٹھا لیا۔ انہوں نے اپنے لیکچر میں عیسائیت کے غلبہ واستیلا کا ذکر کرتے ہوئے بڑے طمطراق سے اعلان کیا:۔

"آسمانی بادشاہت پورے کرہ ارض پر محیط ہوتی جا رہی ہے۔ آج دنیا بھر میں اخلاقی و فوجی طاقت، علم و فضل، صنعت و حرفت اور تمام تر تجارت ان اقوام کے ہاتھ میں ہے۔ جو آسمانی اور انسانی اخوت کی تعلیم پر ایمان رکھتے ہوئے یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کرتی ہیں۔" (بیروز لیکچرز صفحہ ۱۹)

اس لیکچر میں آگے چل کر انہوں نے ایک برطانوی ادیب کے حوالہ سے نہایت درجہ فخریہ انداز اور تعلی آمیز الفاظ میں کہا:۔

"دنیائے عیسائیت کا عروج اس درجہ زندہ حقیقت کی صورت اختیار کر گیا ہے کہ ایسا درجۂ عروج اسے اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ ذرا ہماری ملکہ عالیہ (ملکہ وکٹوریہ) کو دیکھو جو ایک ایسی سلطنت کی سربراہ ہے جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا۔ دیکھو وہ ناصرہ کے مصلوب کی خانقاہ پر کمال درجہ تابعداری سے احتراماً جھکتی اور خراج عقیدت پیش کرتی ہے یا پھر گاؤں کے گرجا میں جا کر نظر دوڑاؤ اور دیکھو کہ وہ سیاسی مدبر (وزیراعظم برطانیہ) جس کے ہاتھوں میں ایک عالمگیر سلطنت اور اس کی قسمت کی باگ دوڑ ہے۔ جب یسوع مسیح کے نام پر دعا کرتا ہے تو کیسی عاجزی اور انکساری سے اپنا سر جھکاتا ہے۔

دیکھو جرمنی کے نوجوان قیصر کو جب وہ اپنے لوگوں کے لئے بطور پادری فرائض سرانجام دیتا اور یسوع مسیح کے مذہب یعنی

دین عیسائیت سے اپنی وفاداری کا اظہار کرتا ہے۔ مشرقی انداز پر ماسکو کے شاہانہ ٹھاٹھ باٹ میں زار روس کو دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک کو تاج پوشی کے وقت ابن آدم کے طشت میں رکھ کر اسے تاج پیش کیا جاتا ہے یا پھر مغربی جمہوریت (امریکہ) کے ایک صدر کے بعد دوسرے صدر کو دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک عبادت کے نسبتاً سادہ لیکن عمیق اسلوب میں ہمارے خداوند کے ساتھ اپنی وفاداری اور تابعداری کا اظہار کرتا چلا جاتا ہے۔

امریکی، برطانوی، جرمنی اور روسی سلطنتوں کے حکمران اقرار کرتے ہیں، کیا ان سب کے زیر نگیں علاقے ملکر ایک وسیع و عریض سلطنت کی حیثیت نہیں رکھتے کہ جس کے آگے ازمنہ قدیم کی بڑی سے بڑی سلطنت بھی سراسر بے حیثیت نظر آنے لگتی ہے؟"

(بیروز لیکچرز صفحہ ۲۰ اردو ترجمہ از سوانح فضل عمر)

عیسائی سلطنت کے دبدبہ و حکومت اور ان میں عیسائیت کے غلبہ کا نہایت پرشکوہ الفاظ میں نقشہ کھینچنے کے بعد ڈاکٹر بیروز نے خاص اسلامی ملکوں میں بھی عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا بڑے فاتحانہ انداز میں ذکر کیا اور کہا:۔

I might sketch the movemets in musulman lands, which has touched with the radiance of the cross the lebanon and persian mountians, as well as the waters of the basphorus and which is the sure harbinger of the day when Cario and Damascus and Tehran shall be the servants of jesus, and when even the solicitudes of Arabia shall be piereed and Christ in the person of his desciples, shall enter the Kaaba of Mecca and the whole truth shall at last be there spoken. "this is eternal life that they might know thee, the only true God and Jeses Christ whom thou hast sent."

"اب میں اسلامی ملکوں میں عیسائیت کی روز افزوں ترقی کا ذکر کرتا ہوں۔ اس ترقی کے نتیجہ میں صلیب کی چمکار اگر ایک طرف لبنان پر جلوہ فگن ہے تو دوسری طرف فارس کے پہاڑوں کی چوٹیاں اور باسفورس کا پانی اس کے نور سے جگمگ جگمگ کر رہا ہے یہ صورت حال اس آنے والے انقلاب کا پیش خیمہ جب قاہرہ، دمشق اور تہران خداوند یسوع مسیح کے خدام سے آباد نظر آئیں گے حتی کہ صلیب کی چمکار صحرائے عرب کے سکوت کو چیرتی ہوئی خداوند یسوع مسیح کے شاگردوں کے ذریعہ مکہ اور خاص کعبہ کے حرم میں داخل ہوگی اور بالآخر وہاں صداقت کی منادی کی جائے گی کہ ابدی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ حقیقی اور واحد خدا کو اور یسوع مسیح کو جانیں جس کو تو نے بھیجا ہے۔"

(بیروز لیکچرز صفحہ ۴۲)

یہ تو تھی اس زمانہ کی مسیحیت ان کے علاوہ ہندو بھی اسلام دشمنی میں دامے درمے سخنے شریک تھے۔

سیوا جی اپنے ایک خط میں جو انہوں نے راجہ جے سنگھ کو لکھا تھا، کہتے ہیں:۔

"میری تلوار مسلمانوں کے خون کی پیاسی ہے۔ افسوس۔ صد ہا افسوس کہ یہ تلوار مجھے ایک اور مہم کے لئے میان سے نکالنی پڑی۔ اسے مسلمانوں کے سروں پر بجلی بن کر گرنا چاہئے تھا جن کا نہ کوئی مذہب ہے اور نہ جنہیں انصاف کرنا آتا ہے۔

.... میری بادلوں کی طرح گرجنے والی فوجیں مسلمانوں پر تلواروں کا وہ خونی مینہ برسائیں گی کہ دکن کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک سارے مسلمان اس سیلاب خون میں بہہ جائیں گے اور ایک مسلمان کا نشان بھی باقی نہ رہے گا۔"

(منقول از اخبار الجمعیۃ جون ۱۹۲۷ء بحوالہ سوانح فضل عمر صفحہ ۱۵)

اس زمانے میں ہندوؤں کا ایک فرقہ آریہ سماج اٹھا۔ خود ہندو مورخین کی رائے میں آریہ سماج کے قیام کا واحد مقصد ہندوستان سے اسلام کو ملیا میٹ کرنا اور مکمل ہندو راج کا قیام تھا۔ چنانچہ لالہ دھنپت رائے بی۔ ایل۔ ٹی لکھتے ہیں۔

"ہندوستان میں سوائے ہندوراج کے دوسرا راج ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتا۔ ایک دن آئے گا کہ ہندوستان کے سب مسلمان شدی آدی اندولن کی وجہ سے آریہ سماجی ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہندو بھائی ہیں۔ آخر صرف ہندو ہی رہ جائیں گے یہ ہمارا آدرش (نصب العین) ہے یہ ہماری آشا (تمنا) ہے۔ سوامی جی مہاراج نے آریہ سماج کی بنیاد اسی اصول کو لے کر ڈالی تھی۔"

(اخبار پرکاش لاہور ۲۶ اپریل ۱۹۲۵ء بحوالہ سوانح فضل عمر صفحہ ۱۶)

اس زمانے میں ہندو علی الاعلان یہ دہائی دیتے تھے۔

مکہ کے مندروں میں ہو وید پاٹھ جاری
یروشلم میں گونجے جاکر صدا ہماری

اسلام کی حالت زار

ان مذاہب کے برعکس اسلام کسمپرسی کے عالم میں تھا۔ عیسائی اور ہندو جو زہرباد کتابیں لکھ رہے تھے، مسلمانوں میں ان کے دانت کھٹے کرنے والا کوئی نہ تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے الفاظ میں اسلام کی حالت یہ تھی :۔

"ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواج یزید
دین حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین"

ترجمہ "کفر ہر طرف یزید کی فوجوں کی طرح جوش میں ہے اور اسلام زین العابدین کی طرح بیمار اور بے کس ہو چکا ہے۔"

اس زمانہ کے مفکرین اور شعراء اسلام کی حالت زار پر نوحہ گری کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔ علامہ اقبال نے کہا :۔

ہاتھ بے زور ہیں اور الحاد سے دل خوگر ہیں
اُمتی باعث رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں
تھا ابرہیم پدر اور پسر آذر ہیں

(بانگِ درا صفحہ ۲۰۰ ایڈیشن ۱۹۸۸ نظم جواب شکوہ)

مولانا حالی نوحہ کناں ہیں :۔

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے
امت پر تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
ہر دیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے

مولانا ابوالکلام آزاد نے لکھا :۔

"آج دنیا پھر تاریک ہے۔ وہ روشنی کے لئے پھر تشنہ ہے ...... جو تاریکی چھٹی صدی عیسوی میں جہالت نے پھیلائی جبکہ اسلام کا ظہور ہوا ویسی ہی تاریکی آج تہذیب و تمدن کے نام سے پھیل ہوئی ہے .... شیطان کا تخت اس عظمت اور دبدبہ سے کبھی بھی زمین کی سطح پر نہ بچھایا گیا تھا جیسا کہ اب قائم و مسلط ہے۔"

(الہلال جلد نمبر ۴ صفحہ ۱۰۳)

"خون حرمین" کے مصنف یہ حالتِ زار دیکھ کر حضرت محمد ﷺ کے حضور عرض کرتے ہیں :۔

"خدارا ایسی بے بسی اور نازک حالت میں اپنے نام لیواؤں پر رحم کرتے ہوئے امام آخرالزمان کو جلد بھیجئے ...... یارسول اللہ اب عقل اور اسباب ظاہری کا سہارا جاتا رہا قوی بے کار ہو گئے ہمتیں پست ہو گئیں۔ خونخواران تثلیث نے انہیں قعر مذلت میں اس طرح دھکیل دیا ہے کہ اب پھر ابھرنے کی صورت نظر نہیں آتی .... اب دل کے زخم کی ٹیک اور سوزش قابل اظہار ہے۔"

(بحوالہ صداقت حضرت مسیح موعودؑ مصنفہ مولانا جلال الدین صاحب شمس صفحہ ۲۰-۱۹)

حضرت مسیح موعودؑ کی آمد اور کسرِ صلیب کا آغاز

۱۸۳۵ء وہ خوش قسمت سال ہے جس میں حضرت

مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوۃ والسلام پیدا ہوئے۔ آپ نے خدا سے اطلاع پا کر مسیح موعود اور امام مہدی ہونے کا اعلان کیا۔ آپ نے آغاز جوانی میں ہی جب آپ سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ عیسائیوں سے مناظرات کا آغاز کر دیا تھا۔ دین کا یہ پہلوان جری اللہ فی حلل الانبیاء بن کر ظاہر ہوا تھا۔ چنانچہ ہر دوسرے مذہب کے پیروکاروں اور راہنماؤں کو دعوت مبارزت دینے لگا۔ اس امام ہمام کی مساعی بلیغہ سے دین حق کئی صدیوں بعد اپنے اصلی اور غالب روپ میں نظر آنے لگا۔ آپ نے ۱۸۸۰ء میں اپنی شہرہ آفاق تصنیف "براہین احمدیہ" رقم فرمائی جس میں آپ نے حقیقت قرآن اور دین حق کے صدہا دلائل تحریر فرمائے جو بلاشبہ میدان عقل و منطق کے شہسوار ہیں اور آج تک اوراق پر سچے موتی بن کر چمکتے ہیں اس کتاب کے دلائل کو پیش کر کے آپ نے تمام دیگر مذاہب کو کھلے بندوں اِن دلائل کا جواب دینے کا چیلنج دیا۔ یہ کتاب مذہبی دنیا میں ایک زلزلہ ثابت ہوئی بعد ازاں آپؑ نے دیگر گراں قدر تصنیفات فرمائیں۔ آپؑ کے ملفوظات اور مکتوبات اس پر سوا ہیں۔ ان روحانی خزائن میں آپ نے عیسائیت کی ہر تار و پود کو بکھیر کے رکھ دیا۔ ہندوؤں بالخصوص آریہ سماج کی قلعی کھولی۔ عیسائیت کے بد عقائد کی بیخکنی کے لئے جو تصنیفات آپ نے بالخصوص لکھیں ان کے نام یہ ہیں۔

براہین احمدیہ ہر چہار حصص، راز حقیقت، مسیح ہندوستان میں، انجام آتھم، جنگ مقدس (ایک مباحثہ کی روداد جو آپ کے اور عیسائیوں کے مابین ہوا)، اسلامی اصول کی فلاسفی، تحفہ قیصریہ، ستارہ قیصریہ، سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب، چشمہ مسیحی، ایک عیسائی کے تین سوالوں کا جواب، نور الحق حصہ اوّل و دوئم، نور القرآن حصہ دوئم وغیرہ۔

اسی طرح ہندو مت پر دین حق کی فضیلت ثابت کرنے والی خصوصی تصانیف یہ ہیں :-

براہین احمدیہ ہر چہار حصص، پرانی تحریریں، سرمہ چشم آریہ، چشمہ معرفت، آریہ دھرم، سناتن دھرم، قادیان کے آریہ اور ہم، شحنۂ حق وغیرہ۔

قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے ہر کتاب بلکہ ہر دلیل اس لائق ہے کہ بار بار اس کا مطالعہ کیا جائے اور اس قابل ہے کہ اسے سمجھ کر اپنے قلب و ذہن کو جلا بخشی جائے۔

یوں آپؑ کے اس شاندار قلمی جہاد کے نتیجہ میں مذہبی دنیا کا منظر بالکل بدل گیا۔ دین حق کا بول بالا ہوا اور مخالفین کو شکست فاش ہوئی۔

آپ کی ان پاکیزہ اور کامیاب مساعی کا اقرار آپ کے پیروکاروں کے علاوہ آپ کے نہ ماننے والوں نے بھی برملا طور پر کیا مثلاً :-

مولانا ابوالکلام آزاد نے جب وہ اخبار وکیل (امرتسر) کے ایڈیٹر تھے لکھا۔

"وہ (حضرت مرزا صاحب) اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے.......... جبکہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو محافظِ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے۔ اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے ایک طرف حملوں کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمع عرفان حقیقی کو سر راہِ منزل مزاحمت سمجھ کر مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ اور یک پشت گری کے لئے ٹوٹی پڑتی تھیں اور دوسری طرف ضعف مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابل پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ آور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا.......... کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ

میں ہونے کیوجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں اور لاکھوں مسلمان اس کے خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا۔"

(بحوالہ بدر قادیان۔ ۱۸ جون ۱۹۰۸ء)

مرزا حیرت دھلوی ایڈیٹر کرزن گزٹ دہلی نے لکھا:۔

"بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے بلکہ محقق ہونے کے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ کسی بڑے سے بڑے پادری کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ مرحوم کے مقابلہ میں زبان کھول سکتا۔"

(کرزن گزٹ یکم جون ۱۹۰۸ء بحوالہ سلسلہ احمدیہ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ ۱۸۹)

مولوی نور محمد صاحب نقشبندی نے لکھا:۔

"اس زمانے میں پادری لیفرائے پادریوں کی ایک بہت بڑی جماعت لے کر اور حلف اٹھا کر ولائیت سے چلا کہ تھوڑے عرصہ میں تمام ہندوستان کو عیسائی بناؤں گا۔ ولائیت کے انگریزوں سے روپیہ کی بہت بڑی مدد اور آئندہ کی مدد کے مسلسل وعدوں کا اقرار لے کر ہندوستان میں داخل ہو کر بڑا تلاطم برپا کیا............ حضرت عیسیٰ کے مجسم خاکی زندہ ہونے اور دوسرے انبیاء کے زمین میں مدفون ہونے کا حملہ عوام کے لئے اس کے خیال میں کارگر ہوا۔ تب مولوی غلام احمد قادیانی کھڑے ہو گئے اور لیفرائے اور اس کی جماعت سے کہا کہ عیسیٰ جس کا تم نام لیتے ہو دوسرے انسانوں کی طرح سے فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں اور جس عیسیٰ کے آنے کی خبر ہے وہ میں ہوں۔ پس اگر تم سعادت مند ہو تو مجھ کو قبول کر لو۔ اس ترکیب سے اس نے لیفرائے کو اسقدر تنگ کیا کہ اسکو اپنا پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ اور اس ترکیب سے اس نے ہندوستان سے لے کر ولائیت تک پادریوں کو شکست دی۔

(دیباچہ بر ترجمہ قرآن مولوی اشرف علی صاحب تھانوی)

حضرات! انیسویں اور بیسویں صدی کے سنگم پر حضرت مسیح موعودؑ نے کسر صلیب کو جو مضبوط بنیادیں فراہم کی تھیں انہیں بنیادوں پر اس تمام صدی میں قصر احمدیت کی شاندار عمارت منصۂ شہود پر ابھری۔ کہاں پادریوں کی حرم میں صلیب کا جھنڈا گاڑنے کی مذموم خواہشات اور منصوبے اور کہاں اب یہ اقرار ملاحظہ کیجئے۔

"روزنامہ نوائے وقت" ۲ اپریل ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔

"انہوں (پادری بلی گراہم۔ ناقل) نے رپورٹروں کو بتایا کہ مسلمان مشنری افریقہ میں جب سات حبشیوں کو مسلمان بناتے ہیں۔ تو عیسائی مشنری کہیں مشکل سے تین حبشیوں کو عیسائی بنانے میں کامیاب ہوتے ہیں۔"

پھر اخبار لکھتا ہے۔

"افریقہ میں اگر کوئی پاکستانی مشنری کام کر رہی ہے تو وہ جماعت احمدیہ ہے۔ مشرقی افریقہ میں مسلمانوں کی آبادی پندرہ فیصد ہے۔ جس میں ایسٹ افریقن ٹائم کے بیان کے مطابق دس لاکھ افریقی لوگ احمدی ہیں۔ پر تگیزی مشرقی افریقہ میں تقریباً دس لاکھ افریقی (......) ہو چکے ہیں۔ جن میں غالب اکثریت احمدیوں کی ہے۔ نیروبی میں تو خیر احمدیوں نے ایک بہت بڑا تبلیغی مرکز قائم کر رکھا ہے۔ جو روزانہ انگریزی اخبار بھی شائع کرتا ہے...... بلی گراہم جب اپنے حالیہ دورے میں نیروبی گئے تو (......) کی طرف سے اگر کسی جماعت نے انہیں مباحثہ کی دعوت دی تو وہ جماعت احمدیہ تھی۔"

مارچ ۱۹۵۸ء برطانیہ کی معروف مضمون نگار الزبتھ ہجسلے مشرقی افریقہ گئیں۔ واپس انگلینڈ آکر انہوں نے اپنے دورے کے متعلق مضامین سنڈے ٹائمز لنڈن میں شائع کروائے۔ ۲۵ مئی ۱۹۵۸ء کی اشاعت میں اس موقر جریدہ میں مس ہجسلے نے لکھا۔

"جماعت احمدیہ کے مبلغین کی مساعی بار آور ثابت ہو رہی ہیں۔ اور وہاں لوگ اس جماعت میں داخل ہو رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ جماعت پہلے پہل ٹانگانیکا میں پھیلنی شروع ہوئی اب مشرقی افریقہ کے اکثر علاقوں میں پھیلتی نظر آرہی ہے۔ اس جماعت کی طرف سے جو مبلغین پاکستان سے بھجوائے جاتے ہیں۔ وہ اکثر و بیشتر ذہنی لحاظ سے پر اثر شخصیت اور اعلیٰ قوت کردار کے مالک ہوتے ہیں۔"

پروفیسر G.B Gold اپنی کتاب "Out line of East African Socity" میں اسلام کی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

"(......) کی یہ کامیابی اس لحاظ سے اور بھی نمایاں حیثیت رکھتی ہے کہ ابھی زمانہ حال میں چند سال تک یہاں (......) تبلیغی مساعی کا کوئی نام و نشان تک نہ تھا گذشتہ دس پندرہ سال میں روشن خیال جماعت احمدیہ نے جس کا مرکز پاکستان میں ہے، بعض مستعد نوجوان علماء بطور مبلغ یہاں بھجوائے اور آجکل سارے مشرقی افریقہ میں ایک درجن کے قریب ایسے مبلغین (......) مصروف کار ہیں۔

(بحوالہ مشرقی افریقہ میں تبلیغ اسلام از مولانا شیخ مبارک احمد صاحب)

لنڈن کے ایک پروفیسر لنڈن ہیرس اپنی کتاب "Islam in East Africa" میں جماعت احمدیہ کی مساعی کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :۔

"Even though they are regarded by the Orthodox as heretics. They are more able defender of their faith than any of their contemporaries There are no more active propogandists in the muslim world"

ترجمہ :۔ اگرچہ دوسرے (......) قسم کے (......) جماعت احمدیہ کو بدعتی خیال کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے تمام ہم مذہب فرقوں کے مقابلے میں اپنے مذہب کا زیادہ بہتر طور پر دفاع کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ آج (......) دنیا میں ان سے زیادہ فعال تبلیغی جماعت موجود نہیں ہے۔"

آنر یبل عبد اللہ فونڈا میکرا جو ٹانگانیکا (موجودہ تنزانیہ) میں وزیر انصاف رہ چکے ہیں، لکھتے ہیں۔ "مشرقی افریقہ میں احمدیہ جماعت نے گذشتہ پچیس سال میں دو جنگیں لڑی ہیں۔ ایک جنگ عیسائیوں کے ساتھ جو انتہائی دلآزار طریق پر اسلام اور حضرت بانی اسلام پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے۔ احمدی مبلغین نے جرات کے ساتھ ان حملوں کا جواب دیا۔ اور ایسا دفاع کیا کہ عیسائیت کو ناقابل عمل اور ناقابل قبول ثابت کر کے پادریوں کے منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیئے اور حمائیت (......) کا حق ادا کیا......"

(بحوالہ مشرقی افریقہ میں تبلیغ......)

یہ کامیابیاں افریقہ کے ایک حصہ سے ہی متعلق نہیں بلکہ مشرق و مغرب میں یہی عالم ہے۔

نیروبی کے اخبار East African Times کی یکم اکتوبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں جنوبی افریقہ کے شہر جوہنس برگ کے علم دوست مسٹر این۔ کے۔ جمال نے لکھا۔

The spread of (......) in east and west Africa is solely due to the unwavering efferts of the Ahmadies. No sunni Ablim can claim this honour.

ترجمہ :"مشرقی افریقہ اور مغربی افریقہ میں اشاعت (......) خالصۃً جماعت احمدیہ کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے اور کوئی سنی عالم اس اعزاز کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔"

قارئین کرام!! حالیہ برسوں میں جماعت احمدیہ کو عالمی سطح پر عظیم الشان فتوحات حاصل ہو رہی ہیں۔ MTA پر 1993ء سے ہر سال عالمگیر بیعت کا سلسلہ جاری ہے جس میں 93ء سے 99ء تک کروڑوں افراد احمدیت کے دامن سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ ہر گذرنے والا سال اپنی بیش بہا برکات چھوڑ کر رخصت ہوتا ہے اور ہر طلوع ہونے والا سال جلیل القدر فتوحات کی نوید لے کر آتا ہے۔ اور ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ اگر 20 ویں صدی کسر صلیب کی

صدی تھی تو 21ویں صدی یقیناً غلبہ دین حق کی صدی ہوگی۔ انشاء اللہ

عیسائیت کی شکست خوردہ صورتحال

ایک طرف تو جماعت احمدیہ کے ذریعے دین حق کے روز افزوں غلبہ کا ذکر آپ پڑھ آئے ہیں۔ دوسری طرف خود عیسائی حلقے گواہ ہیں کہ لوگ عیسائیت سے برگشتہ ہو رہے ہیں۔ بائبل پر کڑی تنقید کرتے ہیں۔ خلاف عقل عقائد کو ماننے سے منکر ہیں۔ اور یہ بات عین حقیقت ہے کہ دنیائے عیسائیت کی غالب اکثریت صرف اس وجہ سے عیسائی ہے کہ وہ عیسائی کے گھر پیدا ہوئے اور اس سے زائد عیسائیت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق و رابطہ نہیں ہے۔ چنانچہ درج ذیل حوالے ہمارے موید ہیں۔

ا۔ 1996ء میں آسٹریلیا میں جو مردم شماری ہوئی اس کے بعض دلچسپ اعداد و شمار یہ ہیں۔

ایک تجزیہ کے مطابق آسٹریلیا کے عیسائیوں کی تعداد نسبتاً گھٹ رہی ہے۔ پچاس سال قبل کی مردم شماری جو ۱۹۴۷ء میں ہوئی تھی۔ اس میں ۸۸ فیصد لوگوں نے اپنے آپ کو عیسائی ظاہر کیا تھا۔ یہ تعداد گر کر ۱۹۹۱ء میں ۷۴ فیصد اور ۱۹۹۶ء میں ۷۱ فیصد ہو گئی۔ ۱۹۹۶ء میں ۱۶ فیصد نے لکھا کہ ان کا کوئی مذہب نہیں اور ۸۶۷ ۶ نے مذہب کے خانہ کو خالی چھوڑ دیا۔ اور یوں آج کل ۲۵ فیصد آبادی کسی بھی مذہب سے منسلک نہیں ہے۔ اس کے بالمقابل ۱۹۴۷ء میں صرف ۰۶۳ فیصد نے کہا تھا کہ ان کا کوئی مذہب نہیں۔

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۲ مارچ ۱۹۹۹ء)

عیسائیوں کے علاوہ تعداد کم ہونے کا مسئلہ یہود کو بھی درپیش ہے۔ ورلڈ جیوش کانگریس نے اپنی ایک رپورٹ میں کہا ہے آج دنیا میں ۱۳ ملین یہودی ہیں جب کہ ہولوکاسٹ (Holo Caust) یعنی جنگ عظیم دوم سے پہلے ان کی تعداد 16 ملین تھی۔ آسٹریلیا میں ان کی تعداد پچھلے دس سال سے 90 ہزار پر ٹھہری ہوئی ہے۔ (بحوالہ الفضل انٹرنیشنل)

آسٹریلیا کا غالباً سب سے موقر روزنامہ (سڈنی مارننگ ہیرلڈ) اپنے ایک حالیہ اداریے میں اس بڑھتی ہوئی عیسائی عقائد سے بیزاری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

What all this suggests is that conventianal understanding of christmas can no longer enjoy the currency if one did. The claims made about meaning of Christmas for all people are no longer the claim of all people. Indeed even some Christians have begun to question key aspects of the Christmas story such as whether the account of virgin birth can be taken as literal truth- which were once considered central to its understanding. The meaning people attach to christmas in increasingly a matter of private intution and reasoning rether than declaration of a Creed.``

(Sydney Morning Herald 24.12.98

یعنی ان ساری باتوں سے جو معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ کرسمس کو تقلید کے طور پر جو کچھ پہلے سمجھا جاتا تھا۔ اب اس کا رواج نہیں رہا۔ کرسمس کے مدعا کے بارہ میں جو دعوے کیے جاتے تھے کہ یہ سب کے لئے ہے اب یہ سب کا دعویٰ نہیں رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ خود بعض عیسائیوں نے کرسمس کے کلیدی پہلوؤں پر سوالات اٹھانے شروع کر دیئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ آیا ابن بیاہی پیدائش کو حرف بحرف سچ تسلیم کیا جاسکتا ہے حالانکہ یہ ایسی باتیں ہیں جو کسی زمانہ میں کرسمس کے عقیدہ کو سمجھنے میں مرکزی حیثیت رکھتی تھیں۔ اب تو لوگ کرسمس کو جو بھی سمجھتے ہیں اس کا تعلق ان کے اپنے وجدان اور عقل سے ہے نہ کہ کسی عقیدہ کے اعلان سے"

(بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۱۲ مارچ ۱۹۹۹ء)

یہ حال صرف کرسمس کے تہوار کے متعلق ہی نہیں بڑے اور بنیادی عقائد کی بھی یہی کیفیت ہو رہی ہے۔

ایک حالیہ سروے کے مطابق اگرچہ آسٹریلیا کے ۴۷ فیصد لوگ خدا کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر صرف ۴۲ فیصد یسوع مسیح کی الوہیت اور مُردوں میں سے دوبارہ جی اٹھنے کے قائل ہیں۔ جنت کے وجود کو صرف ۵۳ فیصد مانتے ہیں اور جہنم کو ۳۲ فیصد' شیطان کے خارجی وجود کو صرف ۳۳ فیصد تسلیم کرتے ہیں۔ اس خبر پر سڈنی مارننگ ہیرلڈ نے اپنے اداریہ میں یوں تبصرہ کیا ہے۔

اس ہفتہ کے آغاز میں ہیرلڈ نے ایک حالیہ سروے کے جو نتائج شائع کئے تھے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ آسٹریلیا کے شہریوں کا تین چوتھائی حصہ خدا کے وجود پر ایمان رکھتا ہے لیکن نصف سے بھی کم ایسے ہیں جو عیسائیت کے مرکزی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ نیشنل چرچ لائف سروے (NCLC) نے ایڈتھ کوون یونیورسٹی پرتھ کے ساتھ مل کر جو سروے کیا ہے۔ اس کے مطابق صرف ۴۳ فیصد یہ مانتے ہیں کہ یسوع مُردوں سے جی اٹھا تھا۔ اور اس سے بھی کچھ کم ۴۲ فیصد یسوع کی خدائی پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ تو معلوم شدہ بات ہے کہ گزشتہ مردم شماری میں ۷۰ فیصد شہریوں نے اپنا مذہب عیسائیت لکھوایا تھا تو پھر یہ اعداد و شمار کیا ظاہر کرتے ہیں؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ عیسائی چرچوں کو ایک گھمبیر چیلنج کا سامنا ہے۔ عیسائیت کا اصل مسئلہ اس کے عقائد میں معقولیت کی تلاش ہے۔ Christionty has a plousibility pro-blem یہ ابھی تک کائنات کے اس تصور سے چمٹی ہوئی ہے۔ جو جدید سائنس کی نسبت زمانہ وسطی کے توہمات کے زیادہ قریب ہے۔ چرچ سکھاتا تو یہ ہے کہ سب کو اپنے دائرہ کے اندر لانا چاہئے۔ لیکن خود اس کا اپنا عمل لوگوں کو اپنے دائرہ سے باہر نکالنے کا ہے۔ (سب سے نمایاں مثال عورتوں کی مذہبی رسومات اور اس کے تنظیمی ڈھانچہ میں بھرپور شمولیت کی ہے) پھر عیسائیت بظاہر جماعت کی وحدت کی اہمیت کو برقرار رکھنے کا دعویٰ کرتی ہے مگر باوجودیکہ اس پر تیسرا ہزار سال شروع ہونے والا ہے یہ کئی گروہوں میں منقسم ہے اور باوجودیکہ ایک مشترکہ مقصد کے ادعا کے انہوں نے اپنے اختلافات حل کرنے کی کوئی راہ اب تک نہیں نکالی ہے۔

دوسری بات جو سروے سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چرچوں کو درپیش چیلنج صرف انہی تک محدود نہیں بلکہ یہ سبھی مروجہ مذاہب کا مسئلہ ہے۔ ان سب کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے مذکورہ بالا ادارے کے مطابق 16 فیصد سے بھی کم آسٹریلین ایسے ہیں جو مہینہ میں ایک بار بھی چرچ جانے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں اور اگر لوگ چرچ نہیں جاتے تو یہ خیال کرنا درست ہوگا کہ وہ چرچ کے قائدین کی باتوں کو بھی کم ہی درخور اعتنا جانتے ہیں نیز وہ اس اخلاقی تعلیم پر معترض ہیں جن کو قبول کرنا وہ دوبھر سمجھتے ہیں۔

(سڈنی مارننگ ہیرلڈ ۲ اپریل ۱۹۹۹ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل ۲۸ مئی ۱۹۹۹ء)

بائبل کی مشہور اور ۱۲ جلدوں پر مشتمل ضخیم تفسیر میں مسیح کے ظاہری طور پر آسمان سے اترنے کے متعلق یوں تبصرہ کیا گیا ہے۔

One mistake however, these early christian men made. They thaught that he would come back the same way he went. They watched the skies for his return. They forgot or perhaps they never knew that things seldom come back the way they go, who has watched the sky for Jesus have been Disappointed, and so will they always be. He will never come that way.

ایک غلطی جو ابتدائی عیسائیوں کو لگی وہ یہ تھی کہ انہوں نے خیال کیا کہ مسیح اسی طرح واپس آئے گا جیسے گیا تھا۔ چنانچہ وہ اس کی واپسی کے لئے آسمانوں کی طرف دیکھتے رہے۔ وہ بھول گئے یا شاید وہ جانتے ہی نہ تھے کہ شاذ و نادر ہی چیزیں اسی طرح واپس آیا کرتی ہیں

جیسے وہ جائیں۔ جن لوگوں نے مسیح کے لئے آسمان پر نگاہ ٹکائی ہوئی ہے وہ اب تک مایوس ہوئے ہیں اور آئندہ بھی مایوس ہونگے۔ وہ ظاہری طور پر کبھی بھی آسمان سے نہیں آئے گا۔

پس اے حق کے متلاشیو! مبارک ہو کہ ہم اس سعید زمانہ میں آن پہنچے ہیں جس کی خبر اس زمانے کے امام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان الفاظ میں دی تھی۔

"یاد رکھو کوئی آسمان سے نہیں اترے گا ہمارے سب مخالف جو اب زندہ ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مرے گی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی۔ تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور پھر ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کے انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد ۲۰ صفحہ ۶۷)

خدا کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ صرف سو سال گذرنے پر ہی توحید کی اس پرسکون فضا کے آثار ہویدا ہو رہے ہیں

آ رہا ہے اس طرح احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مردوں کی ناگاہ زندہ وار

خدا کرے اکیسویں صدی میں شرک کی نحوست دم دبا کر نکل بھاگ جائے بلکہ فنا ہو جائے اور انسان کل عالم میں اپنے رب کریم کے آستانہ پر جھک جائیں اور دنیا میں صرف ایک ہی کتاب ہو یعنی قرآن مجید اور ایک ہی رسول اور شفیع ہو یعنی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ۔ آمین یارب العالمین

آپ بیتی

جنّات کا کرشمہ۔ خُدا کی ہستی کا ثبوت۔ مسمریزم

(مرتّبہ و مرسلہ مکرمہ امۃ الحی آسیہ صاحبہ۔ لاہور)

افسانے اور ناول وغیرہ تو عموماً لوگ پڑھتے ہیں لیکن زیر نظر مضمون افسانہ ہے اور نہ ہی کوئی ناول کا حصہ۔ بلکہ سچے واقعات ہیں اور ہیں بھی شائستہ و شستہ طرز کلام میں۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے اپنے عمر بھر کے تجربات اور مشاہدات قلمبند فرمائے جو کہ مکرم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی نے "آپ بیتی" کے نام سے شائع کئے۔ اسی آپ بیتی میں سے چند ایک واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

جنات کا کرشمہ

"میں سرسہ ضلع حصار میں تھا اور غالباً ۱۹۱۴ء کا واقعہ ہے کہ ایک دن پولیس کنسٹیبل ایک عورت کو ڈاکٹری ملاحظہ کے لئے لایا۔ میں نے پولیس رپورٹ پڑھی تو اس میں لکھا تھا کہ مسمی فتح محمد موضع فلاں نے پولیس میں رپورٹ کی کہ میرے موضع کے ایک شخص مسمی جھنڈو نے جو میرا مخالف ہے' میری بیٹی مسمات نوری عمر بیس سال پر جو ابھی ناکتخدا ہے۔ کوئی عمل جن بھوت وغیرہ کا کرایا ہے۔ اور ایک منصوری پیسہ پڑھوا کر میری لڑکی کی طرف بذریعہ موکل بھیجا ہے۔ جو سخت زور سے لڑکی کی پیشانی پر لگا اور اس کے بعد وہ جن لڑکی پر سوار ہو گیا۔ اب لڑکی پر بے ہوشی کے دورے پڑتے ہیں اور وہ کہتی ہے کہ مجھ پر ماموں مولا بخش سوار ہیں۔ ہم نے بہت سے عامل بلائے مگر کوئی اس مولا بخش کو نہ اتار سکا۔ اب عرض یہ ہے کہ لڑکی کا ملاحظہ ڈاکٹری کرایا جائے اور جھنڈو کو قرار واقعی سزا دی جائے یا اس کی ضمانت لی جاوے۔ کیونکہ معاملہ قابل دست اندازی پولیس ہے۔ آخر میں لکھا تھا کہ لڑکی کو اس کے والد کے ہمراہ برائے ملاحظہ طبّی بھیجا جاتا ہے۔ مطلع فرماویں کہ اس پر جن چڑھا ہوا ہے یا نہیں اور خفیف ہے یا شدید۔ میں نے جب یہ پڑھا تو پولیس کی رپورٹ لکھنے والے کی عقل پر سخت حیران ہوا۔ سپاہی سے پوچھا کہ جب یہ مار کٹائی

کا معاملہ نہیں ہے تو میں ضربات کیا لکھوں؟ میرے محکمہ کو جنات سے کیا واسطہ؟ وہ احمق کہنے لگا کہ جناب لڑکی اپنے ماتھے پر عمل کا پیسہ لگنا بیان کرتی ہے۔ یہ تو صاف ضرب کی قسم ہے۔ اس کے بعد سے وہ بے ہوش ہو جاتی ہے اور اس کے سر پر جن بولتا ہے۔ یہ اس ضرب کا ہی اثر ہے۔ آپ جیسا مناسب سمجھیں لکھ دیں۔ مجھے فتح محمد مدعی سے بہت زیادہ خود پولیس والوں پر تعجب تھا۔ مگر چونکہ جنات کا معاملہ تھا۔ اس لئے میں اٹھ کر باہر نکلا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ دس بارہ آدمی سڑک پر ایک چھکڑا لئے کھڑے ہیں۔ اور اس میں ایک جوان مضبوط مسٹنڈی عورت لیٹی ہوئی ہے۔ جس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی ہے۔ بہتیرا اس سے پوچھا' گچھا مگر وہ کچھ نہ بولی۔ آخر میں نے اس کے رشتہ داروں سے کہا کہ اسے چھکڑے پر سے اتار کر اندر اپریشن والے کمرے میں لے چلو۔ دو آدمیوں نے اس کا سر پکڑا' دو نے پیر۔ درمیان میں کسی نے سہارا بالکل نہیں دیا۔ مگر وہ لڑکی ایسی سیدھی اور اکڑی رہی گویا لکڑی کا ایک تختہ ہے۔

غرض ان آدمیوں نے لکڑی کے کندے کی طرح اسے اٹھایا۔ کمرہ میں لے جا کر اپریشن کی میز پر لٹا دیا۔ میں نے جب لڑکی کو دیکھا تو پتہ لگ گیا کہ کس قسم کا جن ہے۔ اس کے ساتھی مرد مضبوط اور تندرست زمیندار جاٹ تھے۔ میں نے ان میں سے چھ کو انتخاب کر کے باقیوں کو کمرہ سے باہر بھیج دیا۔ اور یہ کہا کہ اب میں اس جن کو بلانے لگا ہوں۔ تم پوری قوت کے ساتھ میری مدد کرنا۔ اور اسے ہلنے نہ دینا۔ چنانچہ ایک آدمی نے ایک ہاتھ لڑکی کا پکڑ لیا۔ دوسرے نے دوسرا ہاتھ۔ دو نے ٹانگیں اور باقی نے باقی حصہ جسم کا میز پر اپنی پوری قوت سے دبا لیا کہ وہ ذرہ بھر بھی حرکت نہ کر سکے۔ اور انہیں سمجھا دیا کہ خواہ یہ عورت کتنا ہی تڑپے تم اسے ہلنے نہ دینا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ جن اسے چھوڑ کر تم پر چڑھ جائے گا۔ غرض اس طرح اس کو چومکھا کر کے میں نے پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ زور زور سے باتیں کرنی شروع کیں کہ تو کون ہے اور کیوں اس لڑکی کے سر پر چڑھا ہے۔

مگر اس لڑکی نے کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ آخر تنگ آ کر میں نے ایک بڑی بوتل چوڑے منہ کی لے کر اس میں ایمونیا کارب (Am. Carb) بھرا۔ اور بوتل کا منہ اس کی ناک پر لگا کر سر کو اس طرح پکڑ لیا کہ وہ حرکت نہ کر سکے۔ لڑکی نے شروع میں تو بڑی ہمت دکھائی۔ اور کچھ نہ بولی۔ مگر آخر تابکے۔ پہلے تو ناک سے پھر آنکھوں سے اور منہ سے بھی پانی جاری ہو گیا مجبور ہو کر چیخنے لگی کہ چھوڑو چھوڑو۔ میں نے کہا نہیں پہلے یہ بتا کہ تو کون ہے اور کس لئے اس لڑکی کے سر پر چڑھا ہے۔ وہ کہنے لگا کہ میں جن ہوں اور مسمی جھنڈو نے عمل کرا کے ایک منصوری پیسے کو پڑھ کر مجھے اڑایا۔ اس عمل کے زور سے وہ پیسہ اس لڑکی کے ماتھے پر آ کر لگا اور میں اس کے سر پر چڑھ گیا۔ اب میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ چاہے تم کچھ بھی کرو۔ میں نے کہا بھائی اس غریب کو پکڑنے میں کیا فائدہ؟ تم کسی زبردست سے جا کر زور آزمائی کرو۔ کہنے لگا تو زور لگا لے۔ میں نے ایک تولیہ لے کر دوا کی بوتل کے منہ کے چاروں طرف اس طرح لگا دیا کہ ناک اور منہ میں تازہ ہوا بالکل نہ جا سکے۔ اس طرح جب دوا پوری تیزی کے ساتھ اس کے دماغ میں گھسی' تو وہ عورت بے قرار ہو کر چیخنے لگی۔ میں نے کہا۔ یہ ہماری تمہاری زور آزمائی ہے۔ یا تو اسے چھوڑ کر چلتے ہو نہیں تو میں تم کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ کچھ لحہ صبر کر کے پھر وہ عورت چلائی کہ "کہ اچھا اب میں جاتا ہوں"۔ پھر خاموش ہو گئی۔ میں نے آواز دی۔ نوری' نوری' نوری تو اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ادھر اس کے پکڑنے والوں نے غلطی سے سمجھ لیا کہ جن اتر گیا ہے۔ انہوں نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ گرفت نرم کرنے کی دیر تھی کہ وہ تو سانپ کی طرح بل کھا کر ان چھ آدمیوں کے ہاتھوں میں سے نکل اٹھ بیٹھی اور کہنے لگی کہ مجھے کون نکال سکتا ہے؟ ہٹ جاؤ۔ دور ہو جاؤ۔ گردن مروڑ دوں گا۔ غرض ایک دفعہ آزاد ہو کر اس نے ان سب لوگوں کو نئے سرے سے مرعوب کر لیا۔ اور ہمارا عمل سب بے کار گیا۔ مگر میں نے ان سے کہا کہ جلدی اسے قابو کرو اب یہ جن نکلنے پر آیا ہے۔ اس وقت ذرا بھی

غفلت کی تو میری اور تمہاری دونو کی خیر نہیں۔ غرض بہ ہزار دقت انہوں نے اسے پھر پکڑ کر گرایا۔ اور پوری قوت کے ساتھ اس طرح میز پر دبایا کہ ہلنے کی گنجائش نہ چھوڑی۔ میں نے پھر اپنا عمل شروع کیا اور اب کی دفعہ ہوا کو چاروں طرف سے بند کر کے بوتل کو ہلا کر اس طرح اسے منہ اور ناک پر فٹ کر دیا کہ دو منٹ میں ہی اس کی عقل ماری گئی۔ پانی کے شراٹے اس کی ناک سے 'آنکھوں سے اور منہ سے بہنے لگے اور موت کا مزا آگیا۔ آخر جب معاملہ اس کے ضبط سے نکل گیا تو جن کہنے لگا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا۔ بس یہی کہ تم اس لڑکی کو چھوڑ دو۔ کہنے لگا اچھا۔ میں نے کہا پہلے بھی تم نے ہمیں دھوکا دیا تھا۔ اور ایک منٹ کے بعد پھر واپس آگئے تھے۔ اس لئے اب تم یہ وعدہ کرو کہ میں جاتا ہوں۔ اور پھر کبھی عمر بھر اس کے سر پر نہیں آؤں گا۔ تھوڑی دیر تو وہ خاموش رہا۔ مگر خاموش رہنا اس خوفناک دوا کی وجہ سے ناممکن تھا۔ مجبوراً اس نے کہہ دیا کہ میں جاتا ہوں۔ پھر کبھی اس لڑکی پر نہیں آؤں گا۔ یہ میرا پکا قول و قرار ہے۔ اس پر میں نے لوگوں سے جو اسے پکڑے ہوئے تھے کہا کہ اب لڑکی کو چھوڑ دو۔ جب اسے چھوڑ دیا گیا تو دو منٹ تک تو وہ بدحواس سی رہی۔ مگر جب میں نے نوری نوری کہہ کر آواز دی۔ تو جواب دیا "جی" میں نے کہا کیا حال ہے۔ کہا اچھی ہوں۔ جن اب بھی ہے کہنے لگی چھوڑ گیا۔ پھر مجھے دیکھ کر سلام کیا۔ اور اپنے باپ کو دیکھ کر اس کے گلے میں باہیں ڈال کر رونے لگی۔ اور کہنے لگی کہ چلو گھر چلو۔ میں نے کہا تو خود ہی اس میز پر سے اتر کر پیدل باہر جا۔ اور اپنے چھکڑے پر سوار ہو جا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ میں نے اس کے باپ سے پکار کر کہا۔ کہ جب کبھی پھر یہ جن تمہارے ہاں آئے تو پولیس میں رپورٹ دینے کی ضرورت نہیں۔ تم فوراً سیدھے اسے یہاں لے آنا اور پولیس والوں کو میں نے یہ جواب دیا کہ "مسماۃ نوری" پر واقعی سخت جن چڑھا ہوا تھا۔ میں نے بمشکل اس کو اپنے عمل سے اتار دیا ہے۔ امید ہے کہ آئندہ پھر وہ اس پر نہیں چڑھے گا۔ مگر اسے مسمی جھنڈو نے اس کی طرف نہیں بھیجا تھا۔ بلکہ جنوں کا ایک بادشاہ ہسٹریا نام (Hysteria) کوہ قاف میں رہتا ہے۔ اس نے اس جن کو اس لڑکی پر بھیجا تھا۔ جھنڈو بے قصور ہے۔ اور اگر خدانخواستہ وہ جن پھر کبھی اس عورت پر آجائے۔ تو اسے دوبارہ میرے پاس بھیج دینا تاکہ اس جن کو اسم اعظم کے عمل کے ساتھ بکلی جلا کر پھونک دیا جاوے۔

بوتل پر لیبل

میں لاہور میو ہاسپٹل میں ایک زمانہ ہاؤس سرجن بھی رہا ہوں۔ اس وقت ایک پروفیسر کرنل گرانٹ نامی کچھ دنوں کے لئے کالج کے پرنسپل اور ہسپتال کے سپرنٹنڈنٹ بنادئے گئے تھے۔ ان میں کامن سنس Common Senses بہت تھی۔ ہم چار ہاؤس سرجن شفاخانہ میں بیک وقت موجود تھے۔ ایک دن کرنل گرانٹ کی آنکھ جو دکھنے آئی تو آنکھوں کے محکمہ کے ہاؤس سرجن سے کہنے لگے۔ کہ ویل آئی سوس سرجن صاحب۔ میرے لئے کچھ زنک لوشن آنکھ کی سوزش کے لئے بنا کر بھجوا دینا۔ اس بیچارے نے اپنے ہاتھ سے ایک اچھی سی نئی شیشی دھو کر صاف کی پھر نہایت احتیاط سے تازہ زنک لوشن بنا کر خود گرانٹ صاحب کے لئے لے کر آیا۔ صاحب نے شیشی ہاتھ میں لے کر کہا۔

گرانٹ صاحب۔ کیا میں تمہارا دشمن ہوں۔ یا تم کوئی پرانا انتقام مجھ سے لینا چاہتے ہو؟

ہاؤس سرجن۔ (حیران ہو کر) نہیں جناب۔ میں تو آپ کے فرمانے کے بموجب زنک لوشن بنا کر لایا ہوں۔

گرانٹ صاحب۔ نہیں تو۔ یہ تو شورہ کا تیزاب ہے۔ خالص تیزاب۔ نائٹرک ایسڈ۔

ہاؤس سرجن: (پریشان ہو کر) آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ صرف زنک لوشن ہے۔ اور میں اپنے ہاتھ سے تیار کر کے لایا ہوں۔

گرانٹ صاحب۔ اس کا ثبوت؟

ہاؤس سرجن۔ میں خود اپنے ہاتھ سے بنا کر ابھی سیدھا لئے چلا آرہا ہوں۔

گرانٹ صاحب۔ افسوس ہے کہ یہ میں نہیں لے سکتا۔ آپ کے پاس جو ثبوت ہے۔ اس پر آپ خود ہی تسلی پا سکتے ہوں گے۔ میری تسلی نہیں ہے۔ میں تو اسے تیزاب ہی خیال کرتا ہوں۔ اسے لے جایئے۔ میں ایسی خطرناک چیز اپنی آنکھوں میں نہیں ڈال سکتا۔

ہاؤس سرجن۔ میں آپ کے ارشاد کا مطلب سمجھا نہیں؟

گرانٹ صاحب۔ ہاؤس سرجن صاحب۔ ہر شیشی پر دوا کے نام کا لیبل ہونا ضروری ہے۔ جس سے معلوم ہو کہ اس کے اندر کیا ہے۔ ورنہ پھر سوائے اعتبار کے ہمارے پاس کوئی ثبوت نہیں رہتا۔ آپ زنک لوشن تو بنا لائے۔ مگر دواسازی کا پہلا اصول ہی بھول گئے۔ اب میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ یہ تیزاب ہے نہ کہ زنک لوشن۔ اگر لیبل نہ ہوا کریں تو لوگوں کی جانیں خطرہ میں پڑ جائیں اور جس نے زبانی طور پر جو نام جس دوا کا رکھ دیا۔ اگر وہ مان لیا جاوے تو اندھیر آجائے۔ اس لئے ہر شیشی پر لیبل ضروری ہے تا دھوکا نہ رہے اور بیمار نقصان نہ اٹھائیں۔

یہ قصہ ہم سب پڑھے لکھے لوگوں کے لئے جن کے گھروں میں دوائیاں اور شیشیاں رہتی ہیں۔ بہت اچھا سبق ہے۔ اگر بوتلوں پر ہمیشہ لیبل اور دوا کا نام ہوتا تو بیسیوں حادثات سے لوگ بچ جاتے۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک مدت کے بعد لوگ بغیر لیبل کی بوتلوں کی دواؤں کے نام خود بھول جاتے ہیں۔ پھر مجبوراً وہ دوا پھینک دینی پڑتی ہے۔ کہ خدا جانے کیا چیز اس بوتل میں تھی۔ اور اس طرح کارآمد اور قیمتی دوائیں بھی ضائع ہوتی رہتی ہیں۔

ایک دفعہ اسی غلطی کے ماتحت کسی شخص نے اپنی آنکھ میں ایسے رین کی جگہ خالص کاربالک ایسڈ ڈال لیا تھا۔ اور میری ایک ملازمہ نے نمک کی جگہ میرے سالن پر کوکین چھڑک دی تھی۔ یہ محض خدا کا فضل تھا جو میں بچ گیا۔

خدا کی ہستی کا ثبوت

اب تو اکثر شہروں میں بجلی لگ گئی ہے۔ مگر پہلے عموماً اچھی روشنی کے لئے گول بتی کا لیمپ استعمال ہوا کرتا تھا۔ میز پر پڑھنے کے لئے بھی اور چھت میں لٹکانے کے لئے بھی۔ گول بتی، گول شعلہ، اور گول چمنی، ان لیمپوں کی خصوصیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں شفاخانہ کے آؤٹ ڈور میں بیٹھا ہوا تھا کہ بارہ بجے کے قریب ایک لالہ جی اپنی دائیں آنکھ پر رومال رکھے ہوئے تشریف لائے۔ میں نے پوچھا۔ کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ ہمارے ہاں گول بتی، اور گول چمنی کا چھت گیر لیمپ ہے۔ رات بھر جلتا ہے اور صبح بجھا دیا جاتا ہے۔ آج بھی حسب معمول صبح کے وقت بجھا دیا گیا۔ میں اتفاقاً ابھی آدھ گھنٹہ ہوا کمرہ میں اس کے نیچے کھڑا تھا کہ چٹاخ سے کسی چیز کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے چھت کی طرف دیکھا ہی تھا کہ اتنے میں چاندی کی دوانی کے برابر ایک ٹکڑا اس لیمپ کی چمنی میں سے الگ ہو کر سیدھا میری دائیں آنکھ کے اندر لگا۔ میں درد کے مارے بے قرار ہو گیا۔ اور بھاگا ہوا ہسپتال آیا ہوں۔ میں نے ان کو میز پر لٹا کر آنکھ میں کوکین لوشن ڈالا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس شیشہ کے ٹکڑے کے تیز کنارے سے ان کی آنکھ صاف آدھم آدھ کٹ گئی ہے۔ میں نے آہستہ سے وہ شیشہ کا ٹکڑا جس سے مشیت الہی نے لالہ جی کی آنکھ کی چاند ماری کی تھی۔ زنبور سے پکڑ کر نکال دیا۔ پھر آنکھ پر پٹی باندھ دی۔ مجھے بظاہر کوئی امید نہ تھی کہ آنکھ بچ جائے گی۔ مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ چند دن میں زخم اس طرح اچھا ہو گیا گویا کبھی لگا ہی نہ تھا۔ لیکن ساتھ ہی آنکھ کی بینائی بھی جاتی رہی۔ کیونکہ چوٹ کی وجہ سے اس آنکھ میں موتیا بند پیدا ہو گیا۔ دو ماہ کے مسلسل علاج کے بعد وہ موتیا بند بھی آہستہ آہستہ جذب ہو گیا اور مریض کو اچھا خاصہ نظر آنے لگ گیا۔ وہ شخص اب بھی زندہ ہے۔ مگر خدائی تقدیر کا نشانہ دیکھو کہ دن کو لیمپ گل ہونے کے کئی گھنٹے بعد وہ چمنی چٹخی۔ تقدیراً وہ شخص اس کے نیچے کھڑا

تھا۔ آواز سن کر اوپر کو دیکھتا تھا کہ شیشے کا ٹکڑا سیدھا آنکھ کے اندر گھس گیا۔ اور اسے دو حصوں میں کاٹ دیا۔ گویا اتفاقی بات نہ تھی۔ بلکہ کسی صاحب ارادہ ہستی کا فعل تھا۔ پھر یہ تماشہ دکھا کر اسی ہستی نے مضروب پر رحم فرمایا اور اپنے کیے کو اُن کیا کر دیا۔ اور اتنا بڑا زخم اچھا ہو گیا مگر آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ کیونکہ ایسے زخموں کا یہی قدرتی نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے بعد اس ہستی نے پھر دوبارہ اس شخص پر رحم فرمایا اور اس کا موتیابند اندر ہی اندر چند ہفتوں میں تحلیل اور جذب ہو کر صاف ہو گیا۔ اور مریض کو پھر دکھائی دینے لگ گیا۔ قدرت کے ایسے افعال جن میں خدائی ارادہ، خدائی رحم، اور خدائی شفا شامل حال ہوں۔ میں نے بہت دیکھے اور ساری عمر دیکھتا رہا ہوں۔ اس لئے میں اس ہستی پر یقین رکھتا ہوں۔ جسے لوگ اللہ کہتے ہیں۔ اور جس پر ایمان لائے بغیر انسان کبھی حقیقی سکھ اور سچی خوشی حاصل نہیں کر سکتا۔

زبان کے اختلاف کا فساد

پنجاب کے مختلف حصوں کی بولیوں میں اتنا فرق ہے کہ بعض دفعہ زبان کی یہ ناواقفی بڑے فساد یا نقصان کا موجب ہو جاتی ہے۔ کسی علاقہ میں بادنجان کو بینگن کہتے ہیں اور کسی میں "بتاؤں"۔ کہیں "شہدا" بدمعاش کو کہتے ہیں۔ کہیں شریف اور غریب کو۔ کہیں "لے ونج" کے معنی ہیں لے جا۔ اور کہیں اس کے معنی ہیں لے بانس۔ میں ایک دفعہ ملتان کے علاقہ میں نیا نیا لگایا گیا۔ وہاں چھوٹی لڑکی کو مائی کہتے ہیں۔ ایک شخص آکر کہنے لگا کہ بخار کی دوائی چاہیے۔ میں نے پوچھا کس کے لئے؟ کہنے لگا ایک مائی ہے اسے روزانہ بخار ہو جاتا ہے۔ میں نے عمر نہ پوچھی اور اندازہ کر لیا کہ کوئی عورت ہوگی پچاس ساٹھ سال کی۔ چنانچہ میں نے مائی کا نام لکھ کر دس گرین کونین کا مکسچر اس کے لئے لکھ دیا۔ دوسرے دن وہ شخص پھر آیا۔ اور اس کی گود میں چھ سات مہینہ کی ایک لڑکی تھی۔ پرچی میرے سامنے رکھ کر کہنے لگا کہ اس مائی کے لئے کل بخار کی دوا لے گیا تھا۔ مگر وہ اس کے پیٹ میں نہیں ٹکی۔ کوئی ایسی دوائی دیں جو پچ جائے۔ میں نے کہا یہ تو کسی بڑی عورت کی پرچی ہے۔ کہنے لگا۔ نہیں۔ اسی مائی کے لئے آپ سے کل ہی یہ نسخہ لکھوا کر لے گیا تھا۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ اس علاقہ میں لڑکی کو خواہ وہ کسی عمر کی ہو مائی کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ تیری مائی کی قسمت اچھی تھی کہ اسے دوا قے ہو گئی۔ اگر اندر رہ جاتی تو شاید یہ آج قبر میں ہوتی۔ کیونکہ چھ ماہ کی بچی کے لئے دس گرین کونین کی مقدار مہلک ہو سکتی ہے۔

خدائی فیصلہ

شملہ کے علاقہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہیں۔ حتیٰ کہ اتنی چھوٹی بھی کہ وہاں کی آبادی پانچ سات مَردوں سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک چارپائی کے سرہانے راجہ صاحب بیٹھے ہیں اور پائنتی وزیر صاحب۔ جو ریاست کے فنانس ممبر، کمانڈر انچیف، ریونیو منسٹر، چیف جسٹس، غرض سب کچھ وہی ہوتے ہیں۔ چارپائی سے نیچے جو تین چار آدمی بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ ریاست کی ساری رعایا ہوتے ہیں۔ اور بس۔ مگر میں جس ریاست کا ذکر کرنے لگا ہوں۔ وہ خاصی بڑی تھی۔ وہاں کی عدالت میں ایک نہایت اہم مقدمہ ایک پیتل کی گڑوی کا پیش ہوا۔ مدعی نے کہا گڑوی میری ہے۔ ملزم نے کہا میری۔ بڈھا مدعی بولا۔ کہ اگر مدعا علیہ اپنے بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھ کر خدا کی قسم کھا جائے تو میں اپنا دعویٰ چھوڑ دیتا ہوں۔ عدالت نے یہ طریق فیصلہ منظور کر لیا۔ مدعا علیہ صاف قسم کھا گیا اور گڑوی اٹھا کر مع اپنے بیٹے کے چلا گیا۔ غریب مدعی نے بھی ایک ایسی نظر سے اسے دیکھا۔ جو بددعاؤں سے بھری تھی۔ خیر عدالت ختم ہو گئی اور خدائی فیصلہ کا انتظار ہونے لگا۔ جھوٹا مدعا علیہ قسم کے ایک دو گھنٹہ کے بعد بیٹے سمیت اپنے گاؤں کی پگڈنڈی پر جا رہا تھا کہ یک دم بادل گھر کر آنے شروع ہو گئے۔ پھر بارش آگئی اور آخر میں بجلی کا کڑاکا۔ مگر ایسا کہ لوگوں نے برسوں سے ویسا ہولناک کڑاکا نہ سنا تھا۔ دوسرے دن لوگوں نے بجلی سے جھلسی ہوئی دو لاشیں راستہ میں پڑی پائیں۔ اور ان

میں سے ایک کے ہاتھ میں وہی گڑوی تھی۔ جو کل عدالت کی میز پر رکھی ہوئی دیکھی گئی تھی۔ ایسے خدائی فیصلے ہمیشہ نہیں ہوا کرتے۔ مگر کبھی کبھی صرف بطور نمونہ اہل دنیا کو اس لئے دکھائے جاتے ہیں کہ وہ ایک مالک یوم الدین ہستی اور جزا سزا کی مختار کل عدالت پر ایمان رکھیں۔ ورنہ دراصل یہ دنیا دار الجزاء نہیں ہے۔

عادت کا اثر صحت پر

میڈیکل کالج لاہور میں ہمارے ساتھ یوپی کے ایک طالب علم بھی ڈاکٹری پڑھنے داخل ہوئے۔ آدمی تھے دھان پان مگر طرار۔ پچھلی ساری عمر تو اس طرح گذری تھی کہ آٹھویں دسویں دن گرم پانی سے نہایا کرتے تھے۔ لاہور میں آئے تو کسی ڈاکٹر کا لیکچر سنا کہ روزانہ سرد پانی سے نہانا نہایت مفید ہے۔ بس اسی بات کو پلے باندھ کر لے دوڑے۔ اب ہر شخص کو تبلیغ کر رہے ہیں کہ بھائی روزانہ ٹھنڈے پانی سے نہایا کرو۔ اس سے صحت بہت اچھی رہتی ہے۔ لوگوں نے کہا۔ کہ آپ خود بھی تو نہایا کریں کہنے لگے واقعی مجھے تو سب سے پہلے اس پر کاربند ہونا چاہئے تھا۔ غرض انہوں نے اپنی پرانی عادت توڑ کر یکدم روزانہ باسی پانی سے نہانا شروع کر دیا۔ اور وہ بھی علی الصبح اندھیرے منہ سردی کا موسم قریب تھا۔ دسمبر کے مہینے میں بھی ان کا یہ عمل جاری رہا۔ اور ساتھ ہی ان کی لیکچر بازی سرد پانی سے غسل کے متعلق تیز تر ہو گئی۔ چند دن وہ کالج میں نظر نہ آئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بیمار ہیں۔ پھر سنا کہ نمونیہ ہو گیا ہے۔ پھر مشہور ہوا کہ ڈبل نمونیہ ہے۔ جو بھی ان کی عیادت کو جاتا وہ ان سے یہی کہتا کہ سرد پانی سے نہانے کا نتیجہ ہے۔ غرض مر مر کر اچھے ہوئے۔ تو انہیں بھی یقین آ گیا کہ واقعی میں نے بڑی غلطی کی۔ کم ٹھنڈے پانی سے روزانہ نہاتا رہا۔ شکر ہے کہ جان بچ گئی۔ مگر خدا جانے کتنے لوگ میرے پراپیگنڈے سے متاثر ہو کر ٹھنڈا غسل کر کے بیمار ہوئے ہوں گے۔ اور شاید کوئی مر بھی گیا ہو۔ چنانچہ ان کے گھنٹے کا پنڈولم میری طرف زیادہ چلا گیا۔ اور شفا پاتے ہی پہلے پروپیگنڈا کے بالکل برخلاف ان کی تبلیغی مساعی شروع ہو گئیں۔ اب ہر شخص کو منع کرتے پھرتے ہیں کہ باسی اور ٹھنڈے پانی سے نہانا محض خودکشی ہے۔ میں نے خود تجربہ کر کے دیکھ لیا ہے۔ یہ بڑی خطرناک عادت ہے۔ اگر ڈبل نمونیہ سے مرنا منظور ہو تو بے شک جاڑے میں سرد پانی سے غسل کیجئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ غرض وہ ان لوگوں میں سے تھے جو میانہ رو اور معاملہ فہم نہیں ہوتے۔ بلکہ محض جذباتی ہوتے ہیں۔ نہ وہ مختلف حالات کے ماتحت مختلف اور مناسب حکم لگاتے ہیں۔ نہ موقعہ اور محل دیکھتے ہیں۔ جب کہ ایک ہی ڈنڈے سے سب کو ہانکنا جانتے ہیں۔ ایسے لوگ جب کسی بات کی موافقت میں تبلیغ کرتے ہیں تب بھی وہ خطرناک ہوتے ہیں اور جب مخالفت میں بولتے ہیں تب بھی خطرناک ہوتے ہیں۔

دعویٰ اور چیز ہے اور حقیقت اور چیز

ایک میرے رشتہ دار بزرگ تھے وہ ظاہر حصہ مذہب کے بہت پابند تھے۔ جب بھی ان سے کبھی ذکر آتا کہ دنیا کی اخلاقی اور روحانی حالت بہت خراب ہو گئی ہے اور وہ ایک حقیقی مصلح کی محتاج ہے تو فرمایا کرتے کہ "ہاں اور لوگ شاید محتاج ہوں مگر ہم تو نہیں ہیں۔ ہم تو پچاس سال سے باقاعدہ نماز پڑھتے ہیں۔ رمضان کے روزے رکھتے ہیں بلکہ نفلی بھی۔ تہجد پڑھتے ہیں پچھلی رات سے ذکر شروع کرتے ہیں تو محلہ والے بھی بیدار ہو جاتے ہیں۔

حزب البحر کئی لاکھ دفعہ پڑھ چکے ہیں۔ دعائے گنج العرش کا لفظ لفظ یاد ہے کسی سے برائی نہیں کرتے کوئی عیب ہم میں نہیں۔ لوگوں کی خیر خواہی اور خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ بھلا کسی مصلح کی کیا ضرورت ہے"۔ چونکہ صوبہ بہار کی طرف ہمارے کنبہ کو بعض گاؤں بطور معافی ملے ہوئے تھے اس لئے ان بزرگ کو ہم نے نگران بنا رکھا تھا۔ ایک سال ہماری کسی غفلت اور گاؤں والوں کی شکایت کی وجہ سے وہ گاؤں نیلامی پر چڑھ گئے۔ بچارے بزرگ صاحب دوڑے اور بڑی کوشش سے دیہات کو مصیبت سے واگذار کرایا۔ مقدمات

ہوئے، گواہیاں پیش ہوئیں تو ان کو بہت سے گواہ فرضی کھڑے کرنے پڑے۔ کئی آدمیوں سے غلط اور جھوٹی گواہیاں دلوانی پڑیں۔ اور بہت سی ناجائز باتیں کرنی پڑیں۔ جب فتح یاب ہو کر واپس آئے تو فخریہ بیان کرنے لگے کہ میں نے زمینیں واگذار کرانے کے لئے ان ان فریبوں اور چالاکیوں اور رشوتوں اور جھوٹی گواہیوں سے کام لیا۔ تب مطلب بر آیا۔ میں نے عرض کیا حضرت یہ تو سب کچھ درست۔ مگر کیا یہ باتیں شرعاً جائز تھیں؟ فرمانے لگے اور کیا کرتا؟

اس وقت ان کے ظاہری تقویٰ کی سب حقیقت ہم پر اور خود ان پر واضح ہو گئی کہ ذرا سا نقصان دیکھ کر بظاہر پارسا لوگ ہر قسم کی ناجائز کارروائی پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ تب پتہ لگتا ہے کہ ان میں صرف ظاہری دینداری ہے یا حقیقی پاکیزگی۔ یہ ٹھیک ہے کہ اکثر مولویوں اور صوفیوں کا ظاہری حال پسندیدہ نظر آتا ہے۔ مگر مشکلات، مصائب اور مقدمات کے وقت ساری حقیقت کھل جاتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دنیا اس زمانہ میں واقعی بڑی اصلاح کی محتاج ہے۔ بڑی بڑی سلطنتیں صرف امن انصاف اور دنیا میں اصلاح اور ترقی کی خاطر لڑنے کی دعویدار ہیں۔ مگر پردہ اٹھا کر دیکھو تو وہی زمین کی حرص، قومی برتری، خام مصالحہ کے حصول کی خواہش اور ایک دوسرے سے نفرت ان سب دعووں کی پشت پر کارفرما نظر آئیں گی۔ اور اپنے مطلب کے حصول کے لئے جھوٹ، رشوت، ظلم اور چالاکی سب شیر مادر ہو نگے۔

دنیا کی حرص و آز میں کیا کچھ نہ کرتے ہیں
نقصاں جو ایک پیسے کا دیکھیں تو مرتے ہیں

بیویوں میں عجیب اور نرالا انصاف

ایک میرے دوست تھے۔ اب فوت ہو چکے ہیں حکیم بلکہ اشتہاری حکیم تھے۔ ان کی چار بیویاں تھیں۔ بیچارے کہیں سے یہ بھی سن بیٹھے تھے کہ شریعت کا حکم ہے کہ جب تم ایک سے زیادہ بیویاں کرو تو عدل و انصاف پر عمل کرو۔

ایک دن ان کی ایک بیوی ہمارے ہاں آئیں تو ان کے جسم پر تازہ نشانات زدو کوب کے تھے۔ کسی نے پوچھا کہ کیا حکیم صاحب آپ سے ناراض ہیں؟ کہنے لگیں نہیں تو۔ وہ تو بیوی نمبر ۲ سے ناراض تھے۔ پوچھنے والے نے کہا پھر یہ چوٹوں کے نشان آپ کے جسم پر کیسے ہیں؟ کہنے لگیں یہ عدل و انصاف کے نشانات ہیں۔ اس نے نہایت تعجب سے پوچھا۔ "ہیں وہ کیسے؟" اس پر انہوں نے کہا کہ حکیم جی جب بھی اپنی کسی بیوی پر ناراض ہوتے ہیں تو اسے خوب پیٹتے ہیں۔ مگر پیٹنے کے بعد اپنی باقی تین بیویوں کو سامنے بلا کر فرماتے ہیں کہ اب میں جب گھر سے باہر جاؤں گا تو تم تینوں اس کی نقلیں کرو گی اور اسے چڑاؤ گی نیز انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جب اسے مار پڑی ہے تو تمہیں بھی پڑے۔ اس لئے اب ادھر میرے پاس سامنے آجاؤ۔ اس کے بعد جس قدر مار پہلی کو پڑی تھی۔ اتنی ہی مار کوٹ سے باقیوں کی تواضع فرماتے ہیں۔ یہ میرے جسم پر اس عدل و انصاف کے نشانات ہیں۔ ناراضگی کے نہیں ہیں۔

مسمریزم

اکثر مقامات پر کلبوں اور جلسوں میں میں نے مسمریزم کرنے والوں کے تماشے دیکھے ہیں۔ کئی تماشے تو صرف چابکدستی اور ہوشیاری کے کھیل ہوتے ہیں لیکن کئی جگہ اصل مسمریزم بھی ہوتا ہے۔ اور مسمرائیزر اپنے ساتھ ایک لڑکا بطور "معمول" رکھتا ہے جس پر توجہ ڈال کر وہ باتیں پوچھتا ہے۔ ایک دفعہ ایک کلب میں سب افسر لوگ بیٹھے ہوئے ایسے ہی تماشے دیکھ رہے تھے کہ تماشے کرنے والے نے کہا۔ "صاحبان۔ آپ اپنے دل میں کسی پھول کا خیال کریں۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ ڈپٹی صاحب آپ نے موتیا کا پھول دل میں رکھا ہے۔ تحصیلدار صاحب آپ نے چنبیلی کا پھول، کپتان صاحب آپ نے نرگس کا پھول وغیرہ وغیرہ۔ سب لوگ یہ بات دیکھ کر متعجب ہوئے وہاں صاحب ڈپٹی کمشنر بھی موجود تھے انہوں نے کوئی پھول اپنے دل میں نہیں رکھا تھا۔ کہنے لگے کہ میں نے تو کوئی

پھول دل میں نہیں رکھا۔ مگر تم نے ان لوگوں کو جواب بہت صحیح دئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ تم نے کوئی اندازہ لگایا ہے۔ تماشہ کرنے والا کہنے لگا۔ اب آپ اپنے دل میں کسی پھول کا نام سوچ لیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا اچھا۔ میں نے سوچ لیا۔ اب بتاؤ۔ وہ شخص کچھ دیر تو چپ رہا۔ پھر کہنے لگا۔ "گوبھی کا پھول"۔ ڈپٹی کمشنر صاحب کرسی سے اچھل پڑے اور کہنے لگے۔ "میں نے خیال کیا تھا کہ ایسا پھول ذھن میں رکھوں جدھر تمہارا خیال بھی نہ جائے مگر تم نے بتا ہی دیا"۔

اسی طرح یہ لوگ نوٹوں کے نمبر' گھڑی کا وقت' اور بعض باتیں جو کاغذ پر لکھ کر محفوظ کر لی جاویں۔ اپنے معمول یعنی (سبجیکٹ) کی معرفت بتا دیتے ہیں۔ حالانکہ اس لڑکے کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی ہوتی ہے۔ ان سب تماشوں کو دیکھ کر جو نتیجہ میں نے نکالا ہے وہ یہ ہے کہ مسمرائیزر اپنے عمل کے زور سے غیب حاضر بتا سکتا ہے۔ یعنی ایسی مخفی چیز جو موجود ہو اور قریب ہو لیکن غیب غائب ہے۔ یعنی ایسی بات غیب کی جو آئندہ ہونے والی ہو نہیں بتا سکتا۔ مثلاً وہ لڑکا یہ تو کہہ دے گا کہ فلاں شخص کی جیب میں اتنے روپے ہیں۔ یا فلاں شخص کی گھڑی میں یہ وقت ہے۔ مگر فاصلہ بہت ہو تب نہیں بتا سکے گا۔ اور نہ یہ بتا سکے گا کہ کل پرسوں یا فلاں دن ایسی ایسی بات وقوع میں آئے گی۔ حاضرین میں سے کسی کے دل کی خاص بات اس وقت تو پڑھ لے گا لیکن یہ کہ دس دن کے بعد فلاں شخص کو پچاس روپیہ کا منی آڈر ملے گا یہ نہ بتا سکے گا۔ پس مسمرائیزر کا غیب نزدیک کی اور موجود باتوں کے متعلق تو ٹھیک ہو سکتا ہے مگر وہ پیشگوئی نہیں کر سکتا۔ لوگ غلطی سے ان دونوں باتوں کو ملا دیتے ہیں اور اس کو غیب دان سمجھ لیتے ہیں۔

یوگ بھی مسمریزم ہی کی مشق ہے اور اس کی بھی یہی اصلیت ہے یوگ میں کسی لڑکے کو مسمرائیز کرنے کی بجائے خود اپنے آپ کو مسمرائیز کرتے ہیں۔ یوگی بھی اپنی مشق کے زور سے یہ تو بتا دے گا کہ کسی بند خط میں کیا مضمون ہے۔ (کیونکہ یہ غیب حاضر ہے۔) لیکن یہ نہ بتا سکے گا کہ اگلے برس مجھے اس مضمون کا خط فلاں شخص کی طرف سے ملے گا (کیونکہ یہ پیشگوئی ہے)

اس علم کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ ہر مذہب والا بلکہ لامذہب اور دہریہ بھی اس کی مشق کر سکتا ہے۔ اور تماشے دکھا سکتا ہے۔ غلطی سے آج کل اسی طاقت کا نام لوگوں نے مذہب کی روحانیت رکھ چھوڑا ہے۔ بیماروں کو اچھا کرنا۔ توجہ دینا۔ دلوں پر اثر ڈالنا۔ بے ہوش کر دینا وغیرہ۔ یہ سب مسمریزم ہے اور ہر مذہب والا کر سکتا ہے بشرطیکہ اس میں قدرتی طور پر یہ طاقت زیادہ ہو اور مشق اچھی ہو۔ مشہور غلام پہلوان امرت سری کا لڑکا ایک دفعہ میرے پاس آیا تو میں نے پوچھا کہ "باپ کا علم بھی کچھ سیکھا ہے" کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا "کیوں"؟ اس نے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ جب اکھاڑے میں اترتا ہوں تو دم چڑھ جاتا ہے اور میں قدرتی طور پر سخت ورزشوں کے ناقابل ہوں۔" اسی طرح بعض آدمی قدرتی طور پر توجہ یعنی مسمریزم کی طاقت اپنے اندر زیادہ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر مشق کریں تو بے ہوش کرنا تو کیا ایک نظر سے انسان کو مار بھی سکتے ہیں۔ مگر اس کا تعلق مذہب سے کیا؟ آدمی تو لٹھ سے بھی مارا جا سکتا ہے۔ پس جو لٹھ اچھا چلائے وہ بھی خدا رسیدہ ہوتا ہوگا؟ مذہب صرف دو چیزوں کا مجموعہ ہے (۱) خدا شناسی (۲) اعلیٰ اخلاق۔ نہ کہ مسمریزم اور پہلوانی۔ کیونکہ مسمریزم بھی اعصاب کی پہلوانی ہی ہے۔

مقالۂ خصوصی

سرزمینِ ربوہ اور اس کے ماحول کا تاریخی اور روحانی پس منظر

(مقالہ نگار مکرم مولانا دوست محمد صاحب شاہد۔ مؤرخِ احمدیت)

تعریف کے قابل ہیں یا رب تیرے دیوانے
آباد ہوئے جن سے دنیا کے ہیں ویرانے

ابن خلدون اور اصول تعمیرات

فن عمرانیات اور فلسفہ تاریخ کے بانی علامہ ابن خلدون (۱۳۳۲ء۔۱۴۰۶ء) نے اپنی شہرہ آفاق تاریخ کے مقدمہ میں نئے شہروں کی تعمیر کے متعدد اصول پیش کئے ہیں اور خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ۱۶۔۱۷ ھجری (مطابق ۶۳۷ـ۸ء) میں ایک ساتھ آباد ہونے والے شہر کوفہ اور بصرہ ان اصولوں کا نہایت عمدہ نمونہ تھے۔ دونوں کا نقشہ یکساں تھا۔ دونوں کا آغاز خلیفہ رسول کی ہدایات اور حکم کے مطابق ابتدأ سرکنڈے کے کچے مکانات سے ہوا اور جیسا کہ "ابن خلدون" "طبری" "الفاروق" وغیرہ کتب سے ثابت ہے جب پختہ عمارتوں کی تعمیر کا مرحلہ آیا تو سب سے پہلے مرکزی مسجد بنائی گئی جس کے ساتھ قصر امارت بھی تھا۔ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے عہد فاروقی کے ان دونوں شہروں کا ذکر "منن الرحمٰن" میں فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ یہ انکشاف کرنے کے بعد کہ "بابل اسی سرزمین پر آباد تھا جہاں اب کربلا ہے" یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"بالاتفاق انگریز محققوں اور اسلامی محققوں کے یہ بات ثابت ہے کہ بابل جس کی آبادی کا طول دو سو میل تک تھا اور وہ اپنی آبادی میں شہر لنڈن جیسے پانچ شہروں کے برابر تھا عراق عرب کے اندر تھا اور جب ویران ہوا تو اس کی اینٹوں سے بصرہ اور کوفہ اور حلہ اور بغداد اور مدائن آباد ہوئے اور یہ تمام شہر اس کی حدود کے قریب قریب ہیں"

(منن الرحمٰن صفحہ ۱۰ طبع اول تصنیف 1895ء اشاعت جون 1915ء قادیان)

حیرت انگیز بات

حیرت انگیز بات ہے کہ حضرت فضل عمر کے مبارک ہاتھوں قائم ہونے والے شہر ربوہ کی تعمیر بھی اصولی طور پر قریباً انہی خطوط پر ہوئی جن کی نشان دہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت میں کی گئی تھی۔

سرزمین ربوہ کا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ اس کا جواب قطعی و یقینی رنگ میں نہیں دیا جا سکتا کیونکہ اس امر کا سراغ آریوں کے عہد کی قدیم تاریخ ہی سے مل سکتا ہے مگر ہندو لٹریچر کی بابت ڈاکٹر گستاولی بان جیسے فرانسیسی محقق وسیع مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہندوؤں میں ذوق تاریخ کے فقدان کا یہ عالم ہے کہ "ان ہزارہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے اپنی تین ہزار سال کے تمدن میں

تصنیف کی ہیں' ایک واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں۔ اس زمانے کے کسی واقعہ کو معین کرنے کے لئے ہمیں بالکل بیرونی چیزوں (آثار قدیمہ) سے کام لینا پڑتا ہے" ان کی قطعی رائے ہے کہ مہابھارت اور رامائن تک جو اس زمانہ کی یادگاریں ہیں' مبالغہ سے مملو اور دور از کار باتوں سے بھری ہوئی ہیں۔ ("تمدن ہند" مترجم صفحہ ۴۵ و ۲۰۱ طبع دوم ناشر مقبول اکیڈمی لاہور 1962ء)

تاریخ قدیم

جہاں تک سرزمین ربوہ کا تعلق ہے تاریخ قدیم کے ہزاروں دبیزی پردوں کے باوجود بعض امور کو قریب قریب حقائق کا درجہ حاصل ہے مثلاً جھنگ کے مشہور وقائع نگار جناب بلال زبیری صدر رہا ہو اکیڈمی جھنگ نے لالہ بال کشن تبرہ کی "تاریخ ملتان" کے حوالہ سے یہ تحقیق پیش کی کہ تیسری صدی قبل مسیح میں چنیوٹ پر ہی نہیں پورے مغربی پنجاب پر چندر گپت موریہ نے اپنا اقتدار قائم کر لیا تھا اور اس میں چنیوٹ کے ایک برہمن مصنف اور دانشور چانکیہ کا بھاری عمل دخل تھا۔ چانکیہ نے سیاست دان ارتھ شاستر نامی کتاب لکھی۔ چانکیہ پہلا ہندو مصنف ہے جس کی کتابوں کے ترجے عربی میں عباسی خلیفہ مامون الرشید نے کرائے تھے۔

("تاریخ جھنگ" صفحہ ۵۶۔ ۵۷ ناشر جھنگ ادبی اکیڈمی جھنگ صدر مولفہ جناب بلال زبیری صاحب اشاعت دسمبر ۱۹۷۶ء)

ہندو دور میں چنیوٹ کی اس مرکزی اہمیت کے پیش نظر یہ خیال ہرگز خارج ازامکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ قدیم ہندو حکمرانوں نے چنیوٹ کے کنارہ پر واقع کسی دوسرے کنارہ کو بھی اپنی تمدنی اور مذہبی سرگرمیوں کا آماجگاہ بنالیا ہوگا۔ اس قیاس اور خیال آرائی کی بھاری تائید ہندو دانوں کی ان روایات سے ہوتی ہے جو بقول بلال زبیری صاحب متحدہ ہندوستان میں مشہور تھیں اور ان کا ماخذ سنسکرت کے قلمی مخطوطے تھے۔ اس کی تفصیل جناب بلال زبیری صاحب کے ایک غیر مطبوعہ مکتوب سے ملتی ہے جو انہوں نے آج سے قریباً تیس برس پیشتر محترم حمید خلیق صاحب کے نام سپرد قلم کیا۔ افسوس وہ اس کے جلد بعد اس عالم فانی سے گذر گئے اور تاریخ کا یہ گوشہ تشنہ تحقیق رہ گیا۔ ذیل میں جناب بلال زبیری صاحب کے مکتوب کا مکمل متن ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم و محترم خلیق صاحب۔ سلام احترام۔ مکتوب گرامی ملا۔ کتاب (تذکرہ اولیائے جھنگ کی طرف اشارہ ہے جو بلال زبیری کی تالیف ہے۔ ناقل) کے بارے میں جن جذبات کا جناب نے اظہار کیا ہے اس کا میں مستحق نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے مکمل ہوئی ہے۔ اس کتاب کی ضرورت تھی اور یہ خدمت میرے ہاتھوں انجام ہوئی۔ الحمد للہ

اہمن نام کا تذکرہ پہلی بار میں نے ۱۹۴۲ء میں روزنامہ تیج دہلی کے ایک مضمون میں پڑھا۔ یہ مضمون ۲۶ اگست ۱۹۴۲ء کے شمارہ میں لالہ جمنا داس اختر کے نام سے چھپا تھا اور انہوں نے اس مضمون میں مہابھارت (جنگ جس میں مہاراجہ کرشن کا اہم کردار تھا) کے حالات پر مشتمل سنسکرت کی عبارت اور ترجمہ دونوں شامل تھے' مطالعہ میں آئے۔ وہ پرچہ میرے پاس محفوظ رہا لیکن ۱۹۵۰ء کے سیلاب میں ضائع ہوگیا تاہم اس کا قلمی اقتباس میری ذاتی ڈائری پر رہا۔ اس کے بعد حضرت احسان دانش کے ہاں سنسکرت کی ایک قلمی کتاب جس میں ہندوؤں کے ان مقدس مقامات کا ذکر تھا جو شمال مغربی پنجاب میں واقع تھے' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ شائد یہ کتاب احسان صاحب کے ہاں موجود ہو پھر ۱۹۵۶ء میں غالباً ربوہ میں ڈویژنل صحافیوں کا اجلاس ہوا جس میں مَیں شامل تھا اور آپ کے دوسرے خلیفہ میاں بشیر الدین محمود بھی تشریف فرما تھے۔ لائل پور کے ایک صحافی ایم ایم شیدا نے ایک مقالہ پڑھا تھا۔ اس میں بھی انہوں نے مختلف کتابوں کے حوالہ سے بتایا تھا کہ ربوہ کے مقام پر

سکندر اعظم کے حملہ سے پہلے سنسکرت یونیورسٹی تھی۔ انہوں نے شہر یا یونیورسٹی کا نام ایجاھن بتایا تھا۔ اب اس کتاب کی ترتیب کے وقت جب مجھے ضرورت پڑی تو چوہدری سر شہاب الدین مرحوم سابق سپیکر پنجاب اسمبلی لاہور کی مرتبہ تاریخ پنجاب کا ایک نسخہ جو خاصا ضعیف تھا' مطالعہ میں آیا۔ انہوں نے شہر چنیوٹ کے بارے میں اسقدر لکھا کہ پہلا شہر دریا کے پار تھا۔ وہ کسی بڑی جنگ میں تباہ ہو گیا اور برباد شدہ شہر و قلعہ کے آثار دریا کے پار موجود ہیں۔ بعد میں رانی چندن نے یہ شہر دریا کی دوسری طرف بسایا اور چندن وٹ سے چنیوٹ مشہور ہوا۔

اس کے علاوہ "ریسز آف پنجاب" پنجابی قبائل کے نام سے ایک کتاب چھ جلدوں میں ایک انگریز کرنل جو سیاح بھی تھا' نے لکھی ہے۔ یہ کتاب اب بھی گورنمنٹ کالج میانوالی کی لائبریری میں موجود ہے۔ اس میں بھی اسی قسم کی عبارت درج ہے۔ یہ کتاب تذکرہ اولیاء جھنگ چھپنے کے بعد مجھے ملی۔ اس وجہ سے اس کا حوالہ درج نہیں ہو سکا۔ البتہ چند نئی چیزیں میرے علم میں آئی ہیں اور کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں اس کے مطابق بعض جگہ ترمیم کر دی گئی ہے۔ آپ ڈاکٹر سید محمد عبداللہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ملیں اور یا مجلس ترقی ادب کے رسالہ صحیفہ کا فائل تلاش کر لیں تو آپ کو وسیع معلومات مل جائیں گی۔ کتاب کے بارے میں مشورہ کا محتاج۔ آپ کا مخلص بلال زبیری جھنگ صدر۔

مولانا ابو العطاء صاحب کی خدمت میں سلام عرض کر دیں۔"

(اصل مکتوب راقم الحروف کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔)

مسلم تاریخ

قدیم مسلم عہد حکومت سے متعلق بھی دو روایات ہمارے سامنے آتی ہیں جن میں سرزمین ربوہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

پہلی روایت

جناب ڈاکٹر عبدالحمید خان ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی رائل پاکستان نیوی اپنی محققانہ تالیف "محمد بن قاسم پاکستان میں" کے صفحہ ۲۱۔ ۲۳ میں رقمطراز ہیں:۔

"چندرود یا چنیوٹ دریائے چناب کے کنارے ایک بہت ہی قدیم شہر ہے اور جس وقت عرب فوج نے اس شہر پر حملہ کیا ایک ہندو راجہ یہاں حکمران تھا...... عرب فوج کے تقریباً سو سپاہی چنیوٹ کو فتح کرنے میں کام آئے۔ ان شہیدوں کا قبرستان اب بھی چنیوٹ کے باہر موجود ہے۔ چندرود یا چنیوٹ ریاست عسیغان کا دار الخلافہ تھا...... اس شہر چنیوٹ کے قریب سندھ سے کشمیر جانے والے مسافر دریائے چناب کو عبور کرتے تھے کیونکہ چنیوٹ سے کشمیر جانے کے لئے راستہ بالکل سیدھا تھا جو پنج مہات یا جہلم میں سے گزرتا تھا اس لئے عرب جرنیل محمد بن قاسم چنیوٹ سے جہلم اور پھر کشمیر گیا...... کیونکہ محمد بن قاسم نے چچ کے بیٹے راجہ داہر کی سلطنت کو فتح کیا تھا اس لئے وہ سندھ کی اس حد تک پہنچنا چاہتا تھا جو کشمیر کو سندھ سے جدا کرتی تھی...... محمد بن قاسم نے نصف کشمیر فتح کیا...... کشمیر سے واپسی پر جیسا کہ چچ نامہ میں بتایا گیا ہے محمد بن قاسم اودے پور پہنچا......" (صفحہ ۲۱ تا ۲۳ مطبوعہ مسلم پرنٹنگ پریس کراچی)

یاد رہے افواج اسلامی کے سپہ سالار محمد بن قاسم نے دیبل کے مقام پر راجہ داہر کو جون ۷۱۱ء میں شکست دی۔ راجہ دہر مارا گیا جس کے بعد محمد بن قاسم اسلامی پرچم لہراتے ہوئے شہر پر شہر فتح کرتا ہوا ملتان پہنچا جہاں راجہ داہر کے چچازاد بھائی کی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا لیکن بالآخر وہ بھی قلعہ چھوڑ کر بھاگ گیا اور ملتان اور اس کا ارد گرد علاقہ بھی مسلم حکومت کے زیر نگیں آ گیا۔

دوسری روایت

"سرزمین جھنگ" کے مولف جناب پروفیسر سمیع اللہ قریشی گورنمنٹ کالج جھنگ نے سرزمین ربوہ سے متعلق روایت درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے۔

"دوسری کہانی کا تعلق جھنگ کے شہر چنیوٹ سے ہے جہاں شہر سے لپٹا ہوا دریائے چناب گذر رہا ہے۔ جس کے دوسرے کنارے پر کلر اٹھی زمین میں سیاہ پتھروں کی چٹانیں سایہ کرتی ہیں اور ان کے دامن میں محمود غزنوی کے سپاہیوں سے مقامی ہندو راجہ کی خونریز جنگ ہوئی اور گمنام شہیدوں کا ایک سلسلہ بھی ان چٹانوں کے دامن میں آج بھی بیان کیا جاتا ہے جہاں بے آبادی کے زمانے میں مسافروں کو صبح کی آذان سنائی دیا کرتی تھی۔ اس لوک کہانی میں اسلام کا بیج کاشت ہوتا ہے"

(صفحہ ۱۳ ناشر فکشن ہاؤس ۱۸ مزنگ روڈ لاہور ۱۹۹۸ء

مسلم حکومت کا ہزار سالہ دور

سرزمین ربوہ اور اس کے ماحول (یعنی موجودہ ضلع جھنگ) نے بڑے بڑے سیاسی اور تہذیبی اور تمدنی انقلابات دیکھے اور جیسا کہ بلال زبیری کی تالیف "تاریخ جھنگ" سے پتہ چلتا ہے سلطان محمود غزنوی نے یہ علاقہ ایاز کی علمداری میں دے دیا تھا۔ قطب الدین ایبک نے اسے اپنی ریاست ملتان میں شامل کر لیا ازاں بعد شیر شاہ سوری اور اکبر جیسے بادشاہوں کے زیر نگیں آگیا۔ یہی وہ سنہری دور ہے جس میں سرزمین ربوہ سے متصل چناب کے دوسرے کنارے پر حضرت شاہ بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۶ء۔ ۱۳۲۴ء) ساڑھے سات سال محو عبادت رہے۔ ان کی چلہ گاہ اور حجرہ آج بھی مرجع خواص و عام ہے (ساندل بار صفحہ ۲۵۴ مولفہ جناب احمد غزالی ناشر فیروز سنز لاہور) اس سے بڑھ کر تعجب خیز اور پراسرار بات یہ ہے ربوہ کے ماحول میں بہت سے اولیاء اور مبلغین و داعیان اور سلسلہ رشد و ہدایت کے بلند پایہ بزرگ آسودہ خاک ہیں جنہوں نے ضلع جھنگ میں اشاعت اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور لاکھوں قلوب میں عشق رسول عربی کی شمع روشن کر ڈالی جس کے اثرات صدیوں بعد آج بھی محسوس ہوتے ہیں۔ یہ سب اہل اللہ آسمان دعوت و ارشاد کے درخشندہ اور تابندہ ستارے تھے جن کی جہاد بالقرآن اور جہادِ بالنفس سے متعلق شاندار مساعی کو جناب الٰہی نے ایسا شرف قبولیت بخشا کہ آسمانوں پر یہ فیصلہ ہوا کہ دین حق کی عالمی اشاعت کا مرکز انہی کی پیدا کردہ روحانی فضاء میں قائم کیا جائے۔

ذیل میں ماحول ربوہ کی بعض مشہور اور قدیم بزرگ شخصیتوں کی ایک نا تمام سی فہرست درج کی جاتی ہے۔

چنیوٹ۔ حضرت شاہ اسماعیل بخاریؒ۔ حضرت شاہ برہان بخاریؒ۔ حضرت شیخ حسین شاہ قریشیؒ۔ حضرت میاں حماند متھرومہؒ۔

لالیاں۔ حضرت مولوی محمد صدیق صاحب لالیؒ

شیخ بہلول تحصیل چنیوٹ۔ حضرت شاہ بہلولؒ (سلسلہ قادریہ میں حضرت شاہ حسینؒ لاہور کے مرشد)

محمدی شریف۔ حضرت میاں محمدیؒ

موضع برخوردار نزد بھوانہ۔ حضرت حافظ برخوردارؒ

رجوعہ۔ حضرت شاہ دولتؒ (سادات رجوعہ کے مورث اعلیٰ)

جھنگ شہر۔ سید محبوب حضرت شاہ جیونہ کروڑوی نقویؒ۔ حضرت نور شاہؒ (مداریہ سلسلہ کے بزرگ)۔ حضرت سید امان اللہ شاہؒ (حضرت بانی سلسلہ کی ولادت سے ایک سال قبل واصل بحق ہوئے)۔

جھنگ صدر چوک بازار۔ حضرت حافظ علی محمد نقشبندیؒ

نہنگ آباد۔ حضرت شاہ صادقؒ

پیر کوٹ سدھانہ۔ حضرت عبدالقادر جیلانی ثانیؒ

ماڑی شاہ سخیرا۔ حضرت شاہ صغیرؒ

شور کوٹ۔ حضرت غازی پیرؒ (محمد بن قاسم کی فوج کے ایک سپاہی)۔ سلطان العارفین قدوۃ السالکین حضرت سلطان باہوؒ۔

بدھ رجبانہ تحصیل شورٹ کوٹ۔ حضرت شاہ خلیل شیرازیؒ (مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرہ الیائے جھنگ" از بلال زبیری۔ "سرزمین جھنگ" از پروفیسر قریشی سمیع اللہ۔ "ساندل بار" از احمد غزالی) ان صاحب کمال بزرگوں میں حضرت سلطان باہوؒ (۱۶۲۹ء۔ ۱۶۹۱ء) اور حضرت شیخ محمد بہلولؒ (۱۵۱۵ء۔ ۱۶۳۰ء) کو نہایت ممتاز اور منفرد مقام حاصل ہے۔

حضرت سلطان باہو کے صوفیانہ کلام نے نہ صرف جھنگ بلکہ مغربی پنجاب پر گہرے اثرات اور نقوش چھوڑے ہیں آپ تقریباً ۴۰ اکتب کے مولف تھے۔ شہرت "ابیات باہو" سے پائی۔ آپ کے کمالات روحانی کا اندازہ لگانے کے لئے صرف ایک اقتباس آپ کی پر معارف تحریرات میں سے ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:

"حضرت سرور کائنات ﷺ اس فقیر کو باطن میں اپنے حرم محترم کے اندر کمال شفقت اور رحمت سے لے گئے اور امہات المومنین حضور حضرت فاطمہ الزہرا اور حضرت خدیجہ الکبریٰ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن نے اس فقیر کو دودھ پلایا اور آں حضرت صلعم اور امہات المومنین نے مجھے اپنے نوری حضوری فرزند کے خطاب سے سرفراز فرمایا("حق نمائے" اردو ترجمہ "نورالہدیٰ" تصنیف لطیف حضرت سلطان باہو قدس اللہ العزیز صفحہ ۲۲۵ حاشیہ ناشر عرفان منزل کلاچی ڈیرہ اسماعیل خان طبع پنجم ۱۹۷۶ء۔)

حضرت شیخ محمد بہلولؒ سلطنت خداداد میسور کے آخری تاجدار سلطان شہید ابوالفتح فتح علی ٹیپو سلطان رحمۃ اللہ علیہ (۱۷۵۲ء۔ ۴ مئی ۱۷۹۹ء) کے جد امجد تھے جیسا کہ جناب بلال زبیری نے اپنی کتاب "تاریخ جھنگ" صفحہ ۳۰۹ تا ۳۱۵ میں ناقابل تردید شواہد و دلائل سے ثابت کیا ہے۔ سلطان ٹیپو کا یہ آخری فقرہ قیامت تک سنہری حروف میں لکھا جائے گا کہ "گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے" سلطان ٹیپو کے سوانح نگار اور جنوبی ہند کے نامور مورخ جناب محمود خاں بنگلوری کی تحقیق کے مطابق سلطان المجاہدین ٹیپو نے اپنی فوج کا نام جماعت احمدی اور سونے کے شاہی سکہ کا نام احمدی رکھا۔ انہوں نے ایک نیا اسلامی کیلنڈر بھی جاری کیا جس کے پہلے مہینہ کا نام احمدی تجویز فرمایا۔ یہی نہیں اپنے دارالسطنت سرنگا پٹم کی مسجد کو مسجد احمدی سے موسوم فرمایا(تاریخ سلطنت خداداد میسور صفحہ ۷۶ ۴۔ ۲۱۴۔ ۴۲۶۔ ۴۹۹۔ ۵۹۷ مولفہ محمود خان بنگلوری پبلشر یونائٹڈ لاہور۔ طبع چہارم ۱۹۴۷ء)

حضرت سلطان باہوؒ کو بھی احمدی کا مبارک نام بہت محبوب تھا۔ آپ کی عارفانہ تحریرات سے اس ضمن میں ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

"جب نور احدی نے...... اپنے حسن کے جلوہ مصفا...... کو ذریعہ بنایا (تو) اس شمع جمال نور احمدی ﷺ پر کونین پروانہ وار جل مٹے (نور ذات نے) نقاب میم احمدی، پہن کر صورت احمدی ﷺ اختیار کی"۔ ترجمہ رسالہ "روحی شریف" صفحہ ۷ تصنیف لطیف حضرت سلطان باہو قدس اللہ سرہ۔ ناشر نوری کتب خانہ لاہور۔)

لفظ "احمدی" کی یہ ترویج و اشاعت آسمانی تحریک کی بدولت ہو رہی تھی کیونکہ حضرت سلطان باہو کی ولادت سے بھی قریباً اٹھارہ سال پیشتر حضرت مجدد الف ثانی (وفات ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء) کو الہاماً بتایا جا چکا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ رحلت کے ایک ہزار اور چند سال بعد حقیقت محمدی اپنے مقام سے عروج فرمائے گی اور حقیقت کعبہ کے مقام میں متحد ہو جائے گی...... اس وقت حقیقت محمدی کا نام حقیقت احمدی ہو جائے گا"

(مبداء و معاد ترجمہ صفحہ ۲۰۵ تصنیف امام ربانی حضرت

مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہ۔ تالیف ۱۰۰۹ ہجری مطابق ۱۶۱۱ء ناشر ادارہ مجددیہ ۲/۵ اے ناظم آباد نمبر ۳ کراچی)

آفتاب احمدیت کی ضیاء پاشیاں مطلع ضلع جھنگ پر

امام عالی مقام حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (۱۸۳۵ء-۱۹۰۸ء) نے ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو پہلی بیعت لی۔ اس موقع پر چالیس بزرگوں نے شرف بیعت حاصل کیا۔ دوسرے روز جھنگ کے ایک مغل خانوادہ کے چشم و چراغ مرزا خدا بخش صاحب (مترجم چیف کورٹ لاہور) داخل سلسلہ احمدیہ ہوئے۔

اگلے سال تحصیل چنیوٹ کی ایک بستی بُرج لون کے میاں محمد دین صاحب ولد پٹھانا ۱۹ مئی ۱۸۹۰ء کو اور ۴ ستمبر ۱۸۹۰ء کو چنیوٹ کے ایک اصل باشندہ میاں نور احمد صاحب اس پاک جماعت سے وابستہ ہوئے۔ آپ ان دنوں اپنے کاروبار کے سلسلہ میں کلکتہ محلہ پلوٹولہ کوٹھی نمبر ۳ میں مقیم تھے۔

دسمبر ۱۸۹۵ء میں حضرت امام الزمان کی خدمت اقدس میں جو مخلص مرید فیض صحبت اٹھا رہے تھے ان میں خدا بخش صاحب ماڑوی ضلع جھنگ بھی تھے (نور القرآن نمبر ۲ مطبوعہ دسمبر ۱۸۹۵ء صفحہ ۴۸)

اس زمانہ میں چنیوٹ کے ایک خدا رسیدہ بزرگ شیخ عطاء محمد صاحب (تاجر واشتام فروش) کو قبول حق کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے ۳۱۳ رفقاء کی تاریخی فہرست میں ۲۴۱ نمبر پر آپ کا اسم گرامی رقم فرمایا ہے (ضمیمہ انجام آتھم صفحہ ۴۴ اشاعت جنوری ۱۸۹۷ء) اس فہرست میں نمبر ۴۲ پر مرزا خدا بخش صاحب جھنگ کا نام بھی درج ہے۔ اپریل ۱۸۹۷ء میں مولوی عمر الدین صاحب کوٹ محمد یار تحصیل چنیوٹ اور مئی ۱۸۹۷ء میں موسیٰ بخش صاحب ولد شیخ جھنڈا مقیم چنیوٹ مبائعین میں شامل ہوئے۔ حضرت صاحب نے اشتہار ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء میں اپنے ایک مرید مولوی عبد الرحمٰن صاحب ملازم دفتر جھنگ کا ذکر فرمایا ہے ان سابقون الاولون کے بعد حضرت امام الزمان کی حیات طیبہ میں ضلع جھنگ کے جن بزرگوں کو نعمت احمدیت میسر آئی ان میں سے مندرجہ ذیل احباب خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔

۱۔ حکیم محمد زاہد صاحب شور کوٹ (الحکم ۷ فروری ۱۹۰۱ء صفحہ ۶ پر آپ کا نام نو مبائعین میں مذکور ہے)

۲۔ الحاج تاج محمود صاحب (سیٹھ محمد صدیق صاحب بانی جیسے مشہور عالم مخیر بزرگ کے محترم چچا) غالباً ۱۹۰۲ء میں امام وقت کے دامن سے وابستہ ہوئے۔ (تابعین ......احمد جلد دہم صفحہ ۲۷-۲۸ مولفہ ملک صلاح الدین صاحب ایم اے اشاعت اگست ۱۹۸۲ء مطبوعہ راما آرٹ پریس امرتسر)

۳۔ مولوی تاج محمود صاحب ساکن لالیاں جو ۹ اگست ۱۹۰۴ء کو حضرت اقدس کی خدا نما مجلس میں شامل ہوئے اور حضور سے مصافحہ کا شرف حاصل کیا۔ حضور نے انہیں ہدایت فرمائی کہ "دعا کرتے رہو اور کراتے رہو اور ایک کارڈ روزانہ لکھ دیا کرو کہ دعا یاد آجایا کرے۔ طبیعت پر جبر کر کے جو کام کیا جاتا ہے' ثواب اسی کا ہوتا ہے" (البدر ۲۴ اگست ۱۹۰۴ء)

۴۔ شیخ گلزار محمد صاحب ولد شیخ عطاء محمد صاحب چنیوٹ بیعت مطبوعہ اخبار بدر ۶ فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۵)

سلسلہ احمدیہ کے قدیم اخبارات کے سرسری مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کی زندگی میں اس ضلع کے مندرجہ ذیل شہروں' قصبوں یا بستیوں تک احمدیت کا نور پہنچ چکا تھا اور ان مقامات میں مخلص اور ایثار پیشہ جماعتوں کا قیام عمل میں آچکا تھا۔

جھنگ صدر۔ جھنگ مگھیانہ۔ اجلانہ۔ بستی وریام کملانہ۔ کوبڑہ۔ بھاگووال۔ پھپیاں والا۔ بستی ہڈی نخش۔ چک ۳۵۔ چک ۱۰۸۔ چک ۱۶۲ برانچ ۲۶۵ جھنگ۔ چنیوٹ۔ لالیاں۔ موضع برجی لون۔ کوٹ محمد یار۔

قدرت ثانیہ کے پہلے مظہر حضرت مولانا حاجی الحرمین مولانا نورالدین صاحب بھیرویؓ کے عہد مبارک میں حضرت چوہدری محمد حسین صاحب (والد ماجد ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نوبل پرائز یافتہ) اور ان کے برادر اکبر حضرت چوہدری غلام حسین صاحب جیسے اہل اللہ حلقہ بگوش احمدیت ہوئے جن کے جد امجد حضرت سعد بڈھن علیہ الرحمۃ حضرت غوث بہاؤالدین ذکریاؒ (۱۱۸۳ء۔ ۲۱ دسمبر ۱۲۶۲ء) کی طرف سے علاقہ بار جھنگ کو اسلامی پیغام پہنچانے پر متعین تھے اور ان کے خلیفہ مجاز تھے۔

حضرت سعد بڈھنؒ اپنے مرشد کے مقبرہ واقع پرانا قلعہ ملتان میں آسودہ خاک ہیں (سوانح حیات "چوہدری محمد حسین" صفحہ ۱۱۔ ۱۳ مرتبہ حضرت شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی ناشر محمد احمد اکیڈمی رام گلی نمبر ۳ لاہور اشاعت اول ۱۹۷۴ء) یہ دونوں بھائی سلسلہ احمدیہ بالخصوص جماعت احمدیہ ضلع جھنگ کے لئے ایک مضبوط ستون ثابت ہوئے۔ حضرت چوہدری غلام حسین صاحب کا انتقال ۲۴ جنوری ۱۹۵۰ء کو اور حضرت چوہدری محمد حسین صاحب کا ۷ اپریل ۱۹۶۹ء کو ہوا۔ دونوں بھائی بانی ربوہ حضرت سیدنا محمود کے قدموں میں بہشتی مقبرہ ربوہ میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

اللھم اغفرلھم وأد خلھم فی جنتِک النعیم۔

خطہ جھنگ میں قیام مرکز کا راز سربستہ

اس خطہ میں مرکز احمدیت کے قیام میں خدا تعالیٰ کی کیا حکمت ہے؟ اس کا مختصر جواب حضرت بانی سلسلہ کے مبارک الفاظ میں صرف یہ ہے کہ :۔

"تیری باتوں کے فرشتے بھی نہیں راز دار"

باہیں ہمہ یہاں حضرت اقدس کے ایک دینی سفر کا تذکرہ اضافہ ایمان و عرفان کا موجب ہوگا جو یہ ہے کہ آپ ایک مقدمہ میں شہادت کے لئے قادیان سے ۷ نومبر ۱۹۰۲ء کو بٹالہ تشریف لے گئے اور عدالت سے متصل ایک باغ میں اپنے عشاق کے درمیان رونق افروز ہوئے اور فرمایا ہمارا یہاں آنا تو کوئی اور حکمت رکھتا ہے۔ ہر جگہ جو انسان قدم رکھتا ہے اس میں خدا کی حکمت ہوتی ہے زمین پر کچھ نہیں ہوتا جب تک آسمان پر تحریک مقدر نہ ہو۔

ازاں بعد یہ روح پرور واقعہ بیان فرمایا کہ دو بزرگ ابوالقاسم اور ابوسعید نام تھے۔ اتفاق سے دونوں ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ ان کے ایک مرید نے کہا کہ میرے دل میں ایک سوال ہے۔ اتفاق سے دونوں ایک جگہ جمع ہو گئے ہیں۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں اور وہ سوال یہ پیش کیا کہ آنحضرت ﷺ جو مدینہ آئے تھے اس کی وجہ کیا تھی؟ ابوالقاسم نے کہا بات اصل میں یہ تھی کہ آنحضور ﷺ کے بعض کمالات مخفی تھے ان کا بروز اور ظہور وہاں آنے سے ہوا۔ ابوسعید نے کہا بعض لوگ مدینہ میں ناقص تھے اور معرفت کے پیاسے تھے ان کو کامل کرنے اور دلوں کی پیاس بجھانے کے لئے آپ مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے (الحکم ۱۰ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۱۴۔ ۱۶ البدر ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۳۔ البدر ۲۱ نومبر ۱۹۰۲ء صفحہ ۲۶۔ ۲۷)

ربوہ کی نسبت حیرت انگیز آسمانی خبریں

اب آخر میں ربوہ کی نسبت چار حیرت انگیز آسمانی خبروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو ۱۹۰۰ء سے ۱۹۴۴ء کے دوران جناب الٰہی کی طرف سے سیدنا محمود امام جماعت احمدیہ (الثانی) اور بعض اور بندوں کو دی گئیں اور قیام ربوہ کی شکل میں لفظاً لفظاً پوری ہوئیں۔ اس پہلو

سے ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کا دن قیامت تک یادر کھا جائے گا انشاء اللہ

پہلی خبر

پہلی خبر خود حضرت فضل عمر کو متعدد رویاء کے ذریعہ دی گئی جو بہت سے اخبار غیبیہ پر مشتمل تھے جن میں یہاں تک منکشف کر دیا گیا کہ :۔

۱۔ قادیان اور اس کے گردونواح میں دشمن یکایک حملہ آور ہو جائے گا۔

۲۔ دشمن کی طرف سے خفیہ رنگ میں جنگ ہو گی۔

۳۔ قادیان سے جالندھر تک خوفناک تباہی آئے گی اور لوگ نیلہ گنبد یعنی آسمان تلے پناہ لیں گے۔

۴۔ دشمن قادیان کی بستی پر بھی غالب آجائے گا البتہ بیت المبارک کا حلقہ محفوظ رہے گا۔

۵۔ حضرت امام جماعت احمدیہ پہاڑیوں کے دامن میں واقع ایک میدان میں نیا مرکز تعمیر کریں گے اور یہ واقعہ پسر موعود سے متعلق انکشاف (۱۹۴۴ء) کے بعد پانچ سال کے عرصہ میں ہو گا۔

۶۔ اس انقلاب انگیز واقعہ کے بعد خدا کا نور تمام دنیا میں جائے گا یہاں تک کہ دنیا کا ایک انچ حصہ بھی باقی نہیں رہے گا جہاں خدا کا یہ نور نہیں پہنچے گا۔ (جیسا کہ ایم۔ ٹی۔ اے کے ذریعہ سے پوری دنیا پر نور کا نزول ہو رہا ہے۔)

حضرت امام ہمام کی جملہ رویاء جن میں یہ سب تفصیلات موجود ہیں۔ الفضل ۲۱ دسمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۲، ۶ جون ۱۹۴۴ء صفحہ ۱۔ ۲ پر شائع شدہ ہیں (متن کے لئے ملاحظہ ہو "البشرات" صفحہ ۸۳ تا ۹۶ مرتبہ دوست محمد شاہد ناشر ادارۃ المصنفین ربوہ)۔ اور اس بات کا دستاویزی ثبوت ہیں کہ :۔

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

دوسری خبر

دوسری خبر داتہ ضلع ہزارہ کے ایک بزرگ سید میر گل شاہ صاحب کو دی گئی چنانچہ انہوں نے ۴ رمضان المبارک ۱۳۱۷ء بمطابق ۵ جنوری ۱۹۰۰ء میں حضرت امام الزمان بانی سلسلہ احمدیہ کی خدمت میں ایک مکتوب لکھا کہ :۔

"آج یکم رمضان شریف کی شب کو مجھے اللہ تعالیٰ نے دکھلایا ایک نقشہ کاغذ کا ہے جس کی خوبصورتی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس نقشہ پر جلی قلم سے قادیان کا نام لکھا ہوا ہے اور اس نقشہ سے اوپر کی طرف ایک اور نقشہ ہے جو کسی اور مقدس شہر کا ہے جس کا نام فدوی کو بھول گیا ہے"

یہ مکتوب خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ضلع جھنگ کے اولین احمدی مرزا خدا بخش صاحب کے ہاتھوں سے افتتاح ربوہ سے سینتالیس برس پیشتر ان کی کتاب "عسل مصفی" صفحہ ۶۰، ۷ اپریل ۱۹۰۱ء میں شائع کرادیا جو مصلحت خداوندی کا زبردست کرشمہ ہے وجہ یہ کہ موصوف اپنی زندگی کے آخری دور میں غیر مبائع حضرات سے منسلک ہو گئے تھے جن کے اہل قلم رہنما جناب ڈاکٹر بشارت احمد صاحب نے اخبار "پیغام صلح" لاہور مورخہ ۱۵ دسمبر ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۹ پر سیدنا محمود پر تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا :۔

"بنا بنایا کام 'بنی بنائی جماعت' بنی بنائی قومی جائدادیں سکول 'بورڈنگ' روپیہ خزانہ سبھی کچھ بنا بنایا مل گیا قادیان کا مرکز اور مسیح موعود کا بیٹا ہونا کام بنا گیا۔ قادیان کی گدی نہ ہوتی' مسیح موعود کا

بیٹانہ ہوتے اور کہیں باہر جاکر میاں محمود اپنے عقیدہ..... کو پھیلا کر دکھاتے اور پھر نئے سرے سے جماعت بنتی اور ترقی کرتی تو کچھ بات تھی"

خدا کی قدرت! اس تحریر پر ابھی چودہ سال بھی مکمل نہیں ہوئے تھے کہ تحریک احمدیت کے اولوالعزم قافلہ سالار اور قدرت ثانیہ کے اسی دوسرے مظہر نے ربوہ جیسے عظیم الشان عالمی مرکز کی اپنے دست مبارک سے بنیاد رکھ دی۔ ربوہ کی برق رفتار ترقی دیکھ کر نسیم حجازی نے اپنے اخبار "کوہستان" کی یکم جنوری ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں الطاف سرحدی کے قلم سے یہ نظریہ پیش کیا کہ :۔

"مغربی پاکستان کے دارالسلطنت کے لئے نہ لاہور موزوں ہے، نہ پشاور، نہ راولپنڈی، اس کے لئے موزوں جگہ قادیانیوں کا مرکز ربوہ ہے۔"

صاف دل کو کثرت اعجاز کی حاجت نہیں
اک نشان کافی ہے گر دل میں ہو خوف کردگار

تیسری آسمانی خبر

تیسری آسمانی خبر حضرت چوہدری غلام حسین صاحب (ڈاکٹر عبدالسلام صاحب مرحوم کے تایاجان) متوطن جھنگ کو عطاء ہوئی جن کے ضلع میں اور جن کی زندگی میں ربوہ کی تعمیر مقدر تھی۔

آپ ۱۹۳۲ء میں عہدہ ڈسٹرکٹ انسپکٹری سے ریٹائر ہوکر تشریف لے آئے اور پھر ملک معظم شاہ ابن سعود والئی حجاز ونجد کو اپنی خدمات پیش کرنے کے بعد ۱۹۴۷ء تک قادیان میں قیام فرما رہے پھر ہجرت کر کے اپنے وطن جھنگ میں آگئے اور یہیں وفات پائی۔

حضرت چوہدری صاحب نے الفضل ۹ مارچ ۱۹۴۵ء صفحہ ۴ پر ایک ایمان افروز نوٹ شائع کیا کہ (۱۹۳۲ء سے قبل) کرنال میں سرکاری ملازمت کے دوران آپ نے متضرعانہ دعائیں کیں "الٰہی تین کو چار کرنے" میں کیا راز ہے؟ اس پر آپ کو عالم رویاء میں یہ حقیقت افروز نظارہ دکھایا گیا کہ۔

"دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان میدان ہے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مصلح موعود کا جلسہ ہے اور خوب چہل پہل ہے خدام کام کر رہے ہیں اور دو پہاڑیوں کے درمیان ایک سڑک بنا ڈالی ہے...... سامنے کی پہاڑی پر میں...... اونچی سریلی آواز سے یہ شعر جو حضرت مسیح موعود ہی کا ہے دقفوں کے ساتھ بولتا ہوں۔

نگاہ رحمت جاناں عنایت ہالمن کرد است
وگر نہ من کسے یا بد بایں رشدو سعادت را

(یعنی خداتعالیٰ کی نظر کرم نے مجھ پر عنایت فرمائی ہے وگرنہ میں یہ رشد وہدایت کیسے پاسکتا تھا)

سبحان اللہ حق تعالیٰ نے برس ہا برس قبل جبکہ ربوہ کا کوئی تصور بھی کسی فرد بشر کے ذہن میں نہیں آسکتا تھا، اس کے محل وقوع، اس کی تعمیر میں جوانان احمدیت کے ناقابل فراموش کردار اور محض اس کی عنایت سے وادی غیر ذی زرع اور پرہول اور کلر زدہ ویرانے کے شہر میں ڈھل جانے کا پرکیف نقشہ دکھلادیا۔ ناممکن ہے کہ کوئی مادی قلم اس سے زیادہ جامع اور بلیغ انداز میں مستقبل کی ایسی تصویر کھینچ سکے۔

اس پر اسرار رویاء سے بالبداہت ثابت ہے کہ اللہ جلشانہ وعزاسمہ نے ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو "وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا" کے الفاظ میں جو عظیم الشان بشارت دی تھی ربوہ اس کی دلکش عملی تعبیر بھی ہے اور سیدنا محمود کی حقانیت کا زندہ، تابندہ نشان بھی۔

اک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملت کے اس فدائی پر رحمت خدا کرے

چوتھی آسمانی خبر

خالد احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب نے رسالہ "الفرقان" مئی ۱۹۷۵ء کے اداریہ میں "دریائے چناب پر نور خدا کا نزول" کے زیر عنوان لکھا :۔

"راولپنڈی کے مشہور ماہنامہ فیض الاسلام میں جناب مولوی محمد فضل قدیر ظفر صاحب ندوی نے جناب سید محمد سلیمان ندوی کی مشہور تالیف سیرۃ النبیؐ مجلد سوم سے رویائے تمثیلی کے عنوان سے احادیث نبویہؐ جمع فرمائی ہیں اور اسی سلسلہ میں انہوں نے قیام پاکستان سے پہلے کے اپنے ایک رویا کا بایں الفاظ ذکر فرمایا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :۔

"پاکستان کی روز بروز گرتی ہوئی حالت میں میرے دل کو سہارا مل رہا ہے۔ عالم بیداری میں ایک مشاہدہ سے۔ ابھی تقسیم ملک کا معاملہ گومگو میں تھا کہ میں نوافل تہجد کے بعد تخت پر آنکھیں بند کئے ہوئے ذکر میں مشغول تھا۔ جاگ رہا تھا اونگھ بھی نہیں رہا تھا دیکھا کہ لفظ خدا موٹے حروف میں چاند کی رنگت میں آسمان سے نازل ہو کر دریائے چناب کے پانی پر اتر گیا۔ میرا گھر تھا چناب سے تین سو میل مشرق میں کیتھل ضلع کرنال۔"

(رسالہ فیض الاسلام راولپنڈی اپریل ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۲)

جناب ظفر ندوی صاحب اس سے آگے اس خواب یا کشف یا یوں استدلال فرماتے ہیں کہ :۔

"راقم نے چاند کی روشنائی میں اسم خدا کو آسمان سے آبِ چناب پر اترتا دیکھا تو میں اسے پاکستان کے حق میں بشارت کیوں نہ باور کروں؟ مجھے یاد ہے کہ مجھے یہ صبح صادق کے قریب یا کچھ دیر بعد نظر آیا تھا۔"

(رسالہ فیض الاسلام۔ اپریل ۱۹۷۵ء صفحہ ۲۳)

ہمارے نزدیک جناب ظفر ندوی صاحب کا یہ رویاء یقیناً سچا ہے اور اس کو پاکستان کے حق میں بھی بالواسطہ بشارت باور کرنا چاہئے مگر اس سے بھی بڑھ کر اور براہ راست یہ رویا جماعت احمدیہ کی صداقت پر ایک روشن دلیل ہے۔ ۴۷۔۱۹۴۶ء میں ندوی صاحب کو دکھایا جاتا ہے کہ دریائے چناب کے پانی پر اسم خدا چاند کے نور کے رنگ میں نازل ہوا ہے۔ جب پاکستان کا قیام ہوا اور ملک تقسیم ہوا تو صرف ایک دینی جماعت یعنی جماعت احمدیہ کا مرکز دریائے چناب کے کنارے قائم ہوا۔ اسی جماعت نے سچے معنوں میں ہجرت کر کے بے آب و گیاہ بنجر میں دریائے چناب کے کنارے نزول کیا۔"

بانی ربوہ کی پر شوکت پیشگوئی

بانی ربوہ سیدنا فضل عمر حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب (۱۸۸۹ء۔۱۹۶۵ء) کی ایک پر شوکت اور پر جلال پیشگوئی پر یہ مقالہ خصوصی ختم کیا جاتا ہے۔ فرمایا :۔

"ربوہ کے چپے چپے پر اللہ اکبر کے نعرے لگ چکے ہیں اور رسول کریم ﷺ پر درود بھیجا جاتا ہے۔ یہ بستی انشاء اللہ قیامت تک خدا کی محبوب بستی رہے گی۔ یہ بستی انشاء اللہ کبھی نہیں اجڑے گی بلکہ قادیان کی اتباع میں (دین حق) اور محمد رسول ﷺ کے جھنڈے کو بلند سے بلند تر کرتی رہے گی۔"

(الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۵۷ء صفحہ ۳۔ کالم ۳)

مکرر اشاعت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نوّر اللہ مرقدہٗ کی

ربوہ کی سرزمین پر دوبارہ تشریف آوری

وادی غیر ذی زرع میں پانی کا فوارہ پھوٹ پڑا

جاتے ہوئے حضور کی تقدیر نے جناب
پاؤں کے نیچے سے میرے پانی بہا دیا

(مکرم عبدالسلام اختر صاحب ایم۔اے کی تحریر)

آج ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی جب کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ربوہ میں تشریف لائے۔ حضور کے ساتھ مکرم جناب ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب اور مکرم جناب مولانا عبدالرحیم صاحب درد بھی تھے۔ حضور نے ربوہ میں رونق افروز ہوتے ہی جس خیمہ میں قیام فرمایا وہ اپنی سادگی کی وجہ سے ممتاز رہے گا۔ اس خیمہ میں صرف ایک دری اور ایک چادر بچھی ہوئی تھی۔ حضور نے تشریف لاتے ہی مختلف صیغہ جات کے انچارج صاحبان سے ان کے صیغہ کے امور کے بارے میں گفتگو شروع کی۔ ان کے کاغذات ملاحظہ فرمائے اور مسلسل دو گھنٹے تک اوورسیر صاحبان کو نقشہ اور تعمیر کے متعلق ضروری ہدایات دیتے رہے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو میں نے عرض کیا کہ حضور کھانا تیار ہے۔ حضور نے فرمایا کھانا تو ہم ساتھ لائے ہیں آپ نے کھانا کیوں تیار کروایا۔ جب کھانا پیش کیا گیا تو حضور نے فرمایا وہ کھانا کہاں ہے جو آپ دوسروں کو کھلاتے ہیں۔ اس پر میں نے عرض کیا کہ حضور لنگر کے پروگرام کے مطابق ایک وقت دال اور ایک وقت گوشت پکتا ہے۔ اور چونکہ صبح کے وقت دال ہوتی ہے اس لئے میں دال حاضر کرتا ہوں۔

چنانچہ میں نے تنور کی چند روٹیاں اور ایک پلیٹ دال بھجوائی۔ میں انتظار کرتا رہا جب تبرک آیا تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ حضور نے صرف دال اور تنور کی روٹی تناول فرمائی دوسرے کھانے کو بالکل استعمال نہیں فرمایا۔

کھانے کے بعد حضور خیمے والی (بیت) میں تشریف لائے۔ اور نماز ظہر بغیر قصر کرنے کے پڑھائی۔ (یہ بیت اس مقام پر واقع ہے جہاں حضور نے افتتاح کے موقع پر نماز اور نفل ادا فرمائے تھے) نماز کے بعد بیت ہی میں بیٹھ گئے اور مکرم قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی سے مکانات کی تعمیر کے بارے میں گفتگو فرماتے رہے۔ ابھی حضور قاضی صاحب سے گفتگو فرما ہی رہے تھے کہ مستری فضل حق صاحب جو گزشتہ بارہ دنوں سے نلکہ لگانے پر مقرر تھے اور شب و روز مٹی کی کھدائی میں مصروف تھے بھاگے ہوئے آئے اور کہنے لگے کہ حضور کے یہاں تشریف لانے پر زمین سے پانی آ گیا۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمیں گزشتہ کئی روز سے پانی کی شدید تکلیف تھی۔ ایک جگہ ۷۵ فٹ تک مٹی کی کھدائی کی گئی مگر پانی نہیں آیا تھا۔ مستری صاحبان نے تنگ

آکر دوسری جگہ کھدائی شروع کر دی مگر اتفاق کی بات ہے کہ دوسری جگہ بھی تقریباً ۴۰ فٹ جا کر نلکہ کی ٹیوب بری طرح مٹی میں پھنس گئی اور حالت یہ ہوگئی کہ نہ تو وہ ٹیوب مٹی کے اندر جاتی تھی اور نہ ہی باسانی باہر آسکتی تھی۔ چنانچہ مستری صاحبان نے صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ ٹیوب کو کیا ہو گیا ہے ایک تیسرا گڑھا گھودنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن جس وقت حضور کے قدم اس زمین پر داخل ہوئے۔ مستری فضل حق صاحب کا بیان ہے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے نلکہ کی نال کو کوئی طاقت خود بخود پانی کے قریب لے جا رہی ہے۔ چنانچہ جب حاضرین نے مستری صاحب کے یہ کلمات سنے کہ حضور پانی آگیا ہے تو بے اختیار الحمدللہ زبان پر جاری ہو گیا۔ حضور اس کے بعد دیر تک مستری صاحب سے گفتگو فرماتے رہے اور ہر رنگ میں ان کی حوصلہ افزائی فرماتے رہے۔

پھر عصر کی نماز ہوئی اور اس کے بعد پھر صیغہ انچارج صاحبان سے کاغذات نقشہ جات اور تعمیر کے مختلف امور کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی حتی کہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا۔ حضور نے نماز پڑھائی تمام دوستوں کو مصافحہ کا شرف بخشا اور واپس لاہور تشریف لے گئے۔

(روزنامہ الفضل لاہور ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۴)

بقیہ از صفحہ 94

توسیع کے ساتھ مرکز (یعنی قادیان) کے علاوہ مختلف ملکوں میں مقامی مراکز بھی بنائے جانے ضروری ہوں گے۔ اس غیر معمولی تقریب کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحم سے اس برکت سے بھی نوازا کہ قربانیوں کے بعد اور عصر کی نماز سے پہلے ایک نوجوان نے جو ترکستان سے آئے ہوئے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس طرح یہ خوش قسمت نوجوان نئے مرکز کا پہلا پھل قرار دیا گیا۔

حضرت خلیفۃ المسیح نے اس موقع پر یہ بھی اعلان فرمایا کہ نئے مرکز کا نام ربوہ تجویز کیا گیا ہے جس کے معنی بلند مقام یا پہاڑی مقام کے ہیں۔ یہ نام اس نیک فال کے طور پر تجویز کیا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس مرکز کو حق و صداقت اور روحانیت کی بلندیوں تک پہنچنے کا ذریعہ بنائے اور وہ خدائی انوار کا ایک ایسا بلند مینار ثابت ہو جسے دیکھ کر لوگ اپنے خدا کی طرف راہ پائیں۔ اس کے علاوہ ظاہری لحاظ سے بھی یہ جگہ ایک ربوہ کا حکم رکھتی ہے۔ کیونکہ وہ اردگرد کے علاقہ سے اونچی ہے اور اس کے ساتھ بعض چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی ہیں۔ گویا ایک پہلو میں چناب کا دریا ہے۔ جو پانی یعنی ذریعہ حیات کا منظر پیش کرتا ہے اور دوسرے پہلو میں بعض پہاڑیاں ہیں جو بلندی کی علامت کی علمبردار ہیں۔ ان پہاڑیوں کی ایک شاخ رقبہ کے اندر بھی گھسی ہوئی ہے۔ اس خیال سے کہ قادیان کے دوست بھی اس موقعہ پر دعا میں شریک ہو جائیں میں نے انہوں فون اور تار کے ذریعہ نماز اور دعا کے وقت کی اطلاع کر دی تھی اور میں یقین کرتا ہوں کہ انشاء اللہ وہ بھی اپنی جگہ انتظام کر کے دعا میں شریک ہوئے ہوں گے۔

بالآخر سب دوستوں کو خدا سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ احمدیت کے اس نئے مرکز کو جو حقیقتاً ایک وادی غیر ذی زرع میں آباد کیا جا رہا ہے اپنے خاص فضلوں اور رحمتوں اور برکتوں سے نوازے اور اسے توجہ اور دنیا کے روحانی اتحاد اور حق و صداقت کا مرکز بنائے اور یہ بھی کہ یہ مرکز ہمارے دائمی مرکز قادیان کی واپسی کو بھی ہمارے لئے آسان کر دے۔ آمین

(منقول از روزنامہ الفضل ربوہ)

تبرکات

مرکز پاکستان کا افتتاح

ایک غیر ذی زرع وادی میں رُوح پرور نظارے

(حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی ایک تحریر)

ربوہ کو تیرا مرکز توحید بنا کر
اک نعرہ تکبیر فلک بوس لگائیں

قادیان سے باہر آنے کے بعد سب سے زیادہ ضروری سوال جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے زیرِ غور تھا وہ مرکز پاکستان کے قیام سے تعلق رکھتا تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ خلافت کا وجود اپنی ذات میں ایک عظیم الشان مرکز ہے۔ لیکن اس شخصی مرکز کے علاوہ ہر ترقی کرنے والی جماعت اور خصوصاً ہر دینی جماعت کو ایک جغرافیائی مرکز کی بھی ضرور ہوا کرتی ہے۔ جہاں جماعت کے مرکزی ادارے اور جماعت کے مرکزی کارکن اور دیگر افراد جماعت جو مرکز میں رہائش اختیار کرنا چاہیں اکٹھے ہو کر اپنے مخصوص ماحول میں زندگی گزار سکیں۔ یہ مرکزیت ہمیں لاہور میں حاصل نہیں تھی۔ کیونکہ ایک تو لاہور میں ہمارے پاس اتنے مکانات نہیں تھے کہ اپنے سب اداروں اور اپنے سب کارکنوں کو ایک جگہ آباد کر سکیں۔ یا آنے جانے والے مہمانوں کا انتظام کر سکیں اور دوسرے ایک وسیع شہر میں جس میں ہر قسم کے عناصر آباد ہیں اپنا مخصوص ماحول پیدا کرنا مشکل تھا۔ اس لئے خاص کوشش کے ساتھ ایسی جگہ تلاش کی گئی جو غیر آباد اور بنجر ہو اور گورنمنٹ اسے فروخت کرنے میں تامل نہ محسوس کرے۔ تاکہ ایسا قطعہ اراضی حاصل کر کے وہاں قادیان سے آئے ہوئے اداروں اور کارکنوں اور دیگر افراد جماعت کو ایک بستی کی صورت میں آباد کیا جا سکے۔

سو الحمدللہ کہ کافی تلاش کے بعد چنیوٹ ضلع جھنگ کے قریب دریائے چناب کے پار ایک ایسا رقبہ مل گیا جو بالکل بنجر اور غیر آباد تھا اور صدیوں سے بنجر اور غیر آباد چلا آتا تھا۔ بلکہ وہ بالکل ناقابل آبادی اور ناقابل زراعت سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ رقبہ جو دس سو چونتیس ایکڑ پر مشتمل ہے۔ گورنمنٹ سے خرید لیا گیا اور گو اس قطعہ کی صورت اور ہیئت جس کا طول بہت زیادہ ہے اور عرض نسبتاً کم اور اس کے اندر سے گزرنے والی ریلوے لائن اور پختہ سڑک اور پہاڑی ٹیلوں کی وجہ سے یہ قطعہ کئی حصوں میں تقسیم شدہ بھی ہے وہ اچھی آبادی کے زیادہ مناسب نہیں۔ مگر بہر حال جو چیز مل سکی وہ خدا کے شکر کے ساتھ قبول کر لی گئی اور اب اس میں قادیان سے آئے ہوئے پناہ گزینوں اور صدر انجمن احمدیہ کے اداروں کے واسطے بستی آباد کرنے کی تجویز کی جا رہی ہے۔ یہ رقبہ چنیوٹ سے قریباً ۵ میل پرے واقع ہے اور جائے وقوع کے لحاظ سے لائلپور اور سرگودہا کے عین وسط میں ہے۔ یعنی اس سے قریباً ۲۸ میل جنوب مشرق میں لائلپور کا شہر آباد ہے اور قریباً ۲۸

میل شمال مغرب میں سرگودھا کا شہر ہے۔ اس رقبہ کی زمین بظاہر ادنی درجے کی ہے جو کچھ شور کا مادہ بھی رکھتی ہے۔ مگر خدا چاہے تو اس بنجر اور غیر ذی زرع رقبہ میں بھی مکہ کی پاک زمین کے طفیل جس کے دین کی خدمت کیلئے جماعت احمدیہ اپنی ساری توجہ وقف رکھتی ہے غیر معمولی برکت عطا کر سکتا ہے۔ وتوجوا منہ خیرا

اس آبادی کا اصل افتتاح تو اس وقت ہو گا جب کہ اس آبادی کی سب سے پہلی بیت کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا لیکن حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مناسب خیال کیا کہ پہلے قدم کے طور پر اس رقبہ میں جا کر ایک نماز ادا کی جائے اور خدا کے حضور دعا کی جائے کہ وہ اس نئی قائم ہونے والی آبادی کو اپنے فضلوں اور رحمتوں اور برکتوں سے نوازے اور اس میں آباد ہونے والے لوگوں کو اسلام کی خدمت کی توفیق عطا کرے اور قیامت تک عطا کرتا چلا جائے۔ چنانچہ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء کو یعنی بروز پیر (دو شنبہ) یہ ابتدائی افتتاح وقوع میں آگیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے وہاں جا کر ایک بڑے مجمع کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی۔ اس موقعہ پر ایک وسیع شامیانہ اور کچھ خیمے نصب کر دیئے گئے تھے اور چنیوٹ اور احمد نگر اور لالیاں اور سرگودھا کے علاوہ کئی دوست لاہور سے بھی اس بابرکت تقریب میں شامل ہونے کیلئے پہنچ گئے تھے۔ نماز ظہر ڈیڑھ بجے شروع ہوئی جس میں تقریباً اڑھائی سو احباب شریک تھے۔ اسکے بعد شریک ہونے والے اصحاب کی فہرست تیار کی گئی اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک نہایت درجہ موثر اور درد سے بھری ہوئی تقریر کے بعد حاضرین کے ساتھ مل کر لمبی دعا کی۔ اس دعا کے بعد برکت کے خیال سے پانچ بکرے ذبح کئے گئے جن میں سے ایک اس رقبہ کے وسط میں ذبح کیا گیا اور چار چاروں کونوں میں ذبح کئے گئے۔ وسط والا بکرا خود حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے مسنون دعائیہ الفاظ کے ساتھ اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اس کے بعد تھوڑے سے وقفہ سے اسی مقام پر جہاں شامیانے کے نیچے ظہر کی نماز ادا کی گئی تھی۔ عصر کی نماز پڑھی گئی۔ جس میں کچھ اوپر پانچ سو احباب نے شرکت کی اور بعض مستورات بھی جو اس وقت تک وہاں پہنچ چکی تھیں پردہ کے پیچھے کھڑی ہو کر نماز میں شامل ہوئیں۔ نماز کے بعد صبح کا کھانا کھایا گیا جس کے لئے چنیوٹ کے دوستوں نے انتظام کیا تھا اور پھر چار بجکر چالیس منٹ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی لاہور کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ لاہور سے حضور کی روانگی نو بجکر بیس منٹ پر ہوئی تھی اور لاہور میں واپسی آٹھ بج کر پانچ منٹ پر ہوئی۔ مرکز پاکستان میں پہنچنے کا وقت ایک بجکر بیس منٹ تھا۔ سفر کے لئے جو موٹروں میں کیا گیا۔ لائلپور کا راستہ اختیار کیا گیا تھا۔ کیونکہ شیخوپورہ کے رستہ کا کچھ حصہ زیر آب تھا۔ عصر کی نماز سے قبل تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر پانچسو کے قریب مرد و زن کے اجتماع کے علاوہ ایک موٹر لاری تھی اور پانچ کاریں اور چوبیس تانگے اور بتیس سائیکل تھے۔ اور ایک وسیع شامیانے کے علاوہ چھ عدد خیمے بھی نصب کئے گئے تھے۔ شامل ہونے والے دوستوں کی فہرست انشاء اللہ صاف کر کے بعد میں شائع کی جائے گی۔ یہ موقعہ سلسلہ کی تاریخ میں ایک خاص یادگاری موقعہ تھا۔ جس میں دو قسم کے بظاہر متضاد لیکن حقیقتاً ایک ہی منبع سے تعلق رکھنے والے جذبات کا ہجوم تھا۔ ایک طرف نئے مرکز کے قیام کی خوشی تھی کہ خدا ہمیں اس کے ذریعہ سے پھر مرکزیت کا ماحول عطا کرے گا اور ہم ایک جگہ اکٹھے ہو کر اپنی تنظیم کے ماحول میں زندگی گزار سکیں گے اور دوسری طرف اس وقت قادیان کی یاد بھی اپنے تلخ ترین احساسات کے ساتھ دلوں میں جوش مار رہی تھی اور نئے مرکز کی خوشی کے ساتھ ساتھ ہر زبان اس ذکر کے ساتھ تازہ اور ہر آنکھ اس دعا کے ساتھ پرنم تھی کہ خدا ہمیں جلد تر اپنے دائمی اور عالمگیر مرکز میں واپس لے جائے۔ جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح نے اپنی تقریر میں فرمایا اصل مرکز قادیان ہی ہے اور وہی قیامت تک احمدیت کا مرکز رہے گا۔ لیکن جب تک قادیان کا مرکز واپس نہیں ملتا۔ اس وقت تک یہ نیا مرکز قادیان کا قائمقام ہو گا اور اس کے بعد صرف اپنے علاقہ کا مرکز ہو جائے گا کیونکہ ظاہر ہے کہ احمدیت کی

بقیہ صفحہ 92 پر

ربوہ میں پہلی کانفرنس کی جھلکیاں

(مکرم ثاقب زیروی صاحب مدیر ہفت روزہ "لاہور" کی خصوصی تحریر)

۴ نومبر ۱۹۴۸ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد (امام جماعت احمدیہ) نے اس ناچیز سے فرمایا کہ وہ ایک پریس کانفرنس سے خطاب فرمانا چاہتے ہیں جس میں اندرون و بیرون ملک کے تمام جریدہ نگار شرکت کریں۔ یہ کانفرنس ربوہ میں ہوگی میں نے عرض کیا مگر حضور ربوہ میں کیا ہے ؟ فرمایا! مجھے معلوم ہے۔ رُلدو محمد الدین کو آرڈر دو وہ وہاں ڈریسنگ' ڈرائینگ کانفرنس رومز کا انتظام کریں اور مجھے آج شام حساب دو کہ اس سفر پر کیا خرچ ہوگا۔ میں نے پٹرول' جریدہ نگاروں کے ناشتے' ربوہ میں کھانے وغیرہ کا اندازہ تین ہزار لگایا۔ فرمایا میں نے چار ہزار لگایا ہے۔ تم نے رولدو محمد الدین کے خیموں وغیرہ کا کرایہ اور باربرداری کا صرفہ شامل نہیں کیا۔ چنانچہ ۷ نومبر ۱۹۴۸ء کو صدر انجمن احمدیہ کے ناظر امور خارجہ حضرت مولانا عبدالرحیم درد کی دعوت پر لاہور کے مدیران جرائد اور رپورٹر حضرات نے ربوہ میں منعقدہ اپنی نوعیت کی پہلی پریس کانفرنس میں شرکت کی۔ چونکہ یہ خاکسار (بحیثیت پریس اتاشی) اس پریس کانفرنس اور پکنک کا کنوینر تھا' واپس آکر میں نے جماعت احمدیہ کے ترجمان روزنامہ "الفضل" کو حسب ذیل رپورٹ بھیجی۔ جسے ان سرخیوں کے ساتھ شائع کیا گیا۔

لاہور کے موقر جریدہ نگاروں کا صدر انجمن احمدیہ

کے نئے مرکز ربوہ میں ورود

ایک بے آب و گیاہ میدان میں امام جماعت احمدیہ کی

پریس کانفرنس

(الفضل کے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے)

لاہور۔ ۸ نومبر ۱۹۴۸ء۔ صدر انجمن احمدیہ پاکستان کے ناظر امور خارجہ مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے کی دعوت پر کل لاہور کے موقر جریدوں کے مدیران اور چیف رپورٹرز لاہور سے سو میل دور اس بے آب و گیاہ قطعۂ زمین کو دیکھنے کیلئے تشریف لے گئے جسے صدر انجمن احمدیہ پاکستان نے اپنے نئے مرکز کیلئے چن کر اس کا نام ربوہ رکھا ہے۔

مدیران اور چیف رپورٹرز (حضرات) کا یہ قافلہ حضرت امام جماعت احمدیہ کے ہمراہ رتن باغ لاہور سے پونے نو بجے صبح موٹر کاروں پر روانہ ہو کر قریباً پونے بارہ بجے ربوہ پہنچ گیا جہاں میدان کا

احاطہ کئے ہوئے پہاڑوں کے دامن میں صدر انجمن احمدیہ کے دفاتر کے خیمے کسی فوج کے ٹریننگ کیمپ کا منظر پیش کر رہے تھے۔ کاروں سے اترتے ہی جریدہ نگاروں کی نگاہیں جونہی دور تک پھیلی ہوئی پہاڑیوں کے سلسلہ پر پڑی جن کے دامن میں نصب شدہ خیموں کے مکین ان کے لئے سراپا خیر مقدم بنے کھڑے تھے تو ان میں سے ہر ایک نے تھکن محسوس کئے بغیر ان پر چڑھ کر مناظر قدرت سے لطف اندوز ہونے کو ترجیح دی۔

کچھ رپورٹر حضرت امام جماعت احمدیہ سے یہ دریافت کرنے میں مصروف ہو گئے کہ انہوں نے شہری علاقوں سے دور ایک ایسے قطعے کو کیوں ترجیح دی جسے حکومت باقاعدہ تحقیق کے بعد "ناقابل کاشت" قرار دے چکی ہے اور جس کی خاک کو اکسیر بنانے کے لئے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو ایک کثیر رقم خرچ کرنی پڑے گی۔ حضور نے مختصراً انہیں بتایا کہ گو یہ زمین موجودہ صورت میں واقعی مہنگی ہے اور اس میں کوئی جاذبیت نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اسے ایک نہایت شاندار شہر کی صورت میں تبدیل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں جو دفاعی لحاظ سے بھی پاکستان میں محفوظ ترین مقام ہوگا۔ آپ نے انہیں یہ بھی بتایا کہ اس کے پاس دس پندرہ میل کے اندر بعض اس سے بھی بڑے بڑے قطعات پڑے ہیں جن کی زمین اس سے اچھی اور رقبہ اس سے کئی گنا ہے اور اگر حکومت چاہے تو صنعتی شہر آباد کرنے کے لئے وہ محفوظ ترین مقامات بن سکتے ہیں۔ جریدہ نگاروں کا یہ قافلہ جس نے قریباً سارا دن ربوہ میں گزارا مندرجہ ذیل مدیران اور رپورٹرز پر مشتمل تھا۔

کرنل فیض احمد فیض (چیف ایڈیٹر پاکستان ٹائمز) میاں محمد شفیع (چیف رپورٹر پاکستان ٹائمز) مسٹر جمیل الزمان (چیف رپورٹر سول اینڈ ملٹری گزٹ) مولانا عبدالمجید سالک (مدیر اعلیٰ روزنامہ انقلاب) سردار فضلی (چیف رپورٹر روزنامہ احسان) میاں صالح محمد صدیق، (چیف نیوز ایڈیٹر روزنامہ مغربی پاکستان) مولانا باری علیگ (برٹش انفارمیشن سروس) چوہدری بشیر احمد (نائب مدیر روزنامہ سفینہ) مسٹر عبداللہ بٹ (برٹش انفارمیشن سروس) مسٹر عثمان صدیقی (مینیجر اینڈ چیف رپورٹر "سٹار" نیوز ایجنسی) پروفیسر محمد سرور (مدیر ہفتہ وار آفاق) اور ثاقب زیروی (نامہ نگار خصوصی روزنامہ الفضل)

حضرت امام جماعت احمدیہ کے ہمراہ اکابر سلسلہ میں سے مندرجہ ذیل احباب تھے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب، صاجزادہ مرزا ناصر احمد صاحب، (پرنسپل تعلیم الاسلام کالج) شیخ بشیر احمد صاحب (ایڈووکیٹ و امیر جماعت احمدیہ لاہور) چوہدری اسد اللہ خان صاحب (بیرسٹر ایٹ لاء لاہور) نواب محمد الدین صاحب (ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر) مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے، ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب اور چوہدری اعجاز نصر اللہ صاحب (نظارت امور عامہ)

انہی خیموں میں سے ایک خیمے سے ڈرائنگ روم کا کام لیا گیا جس میں کھانے وغیرہ کا سارا انتظام تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر سید محمود اللہ شاہ صاحب کے سپرد تھا اور جنہوں نے اس فریضے کو اس احسن طریق سے انجام دیا کہ جریدہ نگاروں نے ربوہ سے رخصت ہوتے وقت ان کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ کھانے کے بعد حضور نے پریس کے نمائندوں کو خطاب کرتے ہوئے بتایا کہ اس زمین کو حکومت بالکل "ناقابل کاشت" قرار دے چکی ہے۔ گرمی کے متعلق ریسرچ کرنے والوں کا کہنا یہی ہے کہ یہاں گرمی بہت زیادہ پڑے گی لیکن ہم اس جنگل کو منگل بنانے کا تہیہ کئے ہوئے ہیں۔ ایک عرصہ کی کوشش کے بعد پانی نکلا ہے۔ لیکن وہ نمکین زیادہ ہے لہذا ابھی مزید کوشش کی جائے گی۔ آپ نے ربوہ پر آباد کئے جانے والے شہر کا نقشہ سامنے رکھ کر بتایا کہ

اس کی تعمیر امریکی طرز پر ہوگی جس میں ہسپتال، سکول، ویٹرنری ہسپتال، ریلوے سٹیشن، ڈاکخانہ، واٹر ورکس اور بجلی گھر کے علاوہ صنعتی اداروں کے لئے بھی ایک طرف جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔

حضور نے بتایا کہ ہم فی الحال پختہ بنیادوں پر کچی دیواریں ہی کھڑا کرنا چاہتے ہیں اور اس پر کم از کم خرچ کا اندازہ ۱۳ لاکھ روپیہ ہے اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ ہمیں پختہ مکانات تعمیر کرنے کا موقع دے گا تو مزید ۱۷، ۱۸ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ گویا ۳۰ لاکھ کے قریب رقم تو اس پر سلسلہ کو خرچ کرنی پڑے گی دوسرے لوگ جو اپنے مکانوں پر خرچ کریں گے وہ اس کے علاوہ ہوگا۔ اس سے آپ لوگ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمیں یہ زمین کتنی مہنگی پڑے گی۔ اور اس پر سلسلہ کو کس قدر محنت اور مشقت کرنی پڑے گی۔

آپ نے اس کے علاوہ بتایا کہ یہ جگہ صوبے کے عین وسط میں پڑتی ہے اور اگر اس کے محل وقوع میں حکومت جدید نمونے کے صنعتی شہر آباد کرائے تو یہ شہر پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کا کام دے سکیں گے۔

حضور کے خطاب کے بعد چند ضروری کاموں کی وجہ سے "پاکستان ٹائمز" کے مدیر اعلیٰ کرنل فیض احمد فیض صاحب، مسٹر عثمان صدیقی، شیخ بشیر احمد صاحب اور عبدالرحیم صاحب پراچہ واپس تشریف لے آئے۔ حضور ان مہمانوں کو سڑک تک چھوڑنے کیلئے پیدل تشریف لے گئے۔ فیض صاحب کے روانہ ہونے کے بعد اخبار نویسیوں کا یہ مجمع بیٹھنے کیلئے مخصوص خیمے میں آگیا۔ جہاں مدیر اعلیٰ روزنامہ انقلاب، حضرت سالک نے حاضرین کو اپنے کلام بلاغت نظام سے محفوظ فرمایا۔

یہ شعر و شاعری کا دور ابھی شروع تھا کہ نماز سے فراغت کے بعد حضور کا پیغامبر یہ پیغام لئے ہوئے پہنچا کہ آؤ ذرا اس سے آگے پندرہ سولہ میل چل پھر آئیں۔ چنانچہ یہ سارے کا سارا قافلہ کاروں پر سوار ہو کر اس چند ہزار ایکڑ بنجر زمین کے ایک میدان میں آگیا جس کے شمال میں بہت اونچی پہاڑیوں کا ایک لمبا سلسلہ تھا۔ حضور نے ایک نیا شہر آباد کرنے کیلئے اس ٹکڑے کی اہمیت کی وضاحت کے بعد پہاڑیوں کی بلندی پر بنے ہوئے چند مکانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا

اس پر ہندو یوگیوں کی ایک بستی تھی اور یہ بستی سارے ہندوستان کے یوگیوں کا مرکز تصور ہوتی تھی۔ اسے پنجاب میں "بھگت بالناتھ کاٹلہ" یا ٹیلہ بھی کہا جاتا تھا اور اس کے متعلق روایت ہے کہ یہاں وارث شاہ کے ہیرو رانجھا نے بھگت بالناتھ سے یوگ حاصل کیا تھا۔

واپسی پر سید محمود اللہ شاہ صاحب اور ان کے رفقاء کار مولوی عبدالرحمٰن صاحب انور، مولوی بشیر احمد صاحب رازی اور چوہدری عبدالسلام اختر نے مہمانوں کو چائے پلائی اور چائے کے بعد قریباً پانچ بجے انتہائی خوشگوار ماحول میں جریدہ نگاروں کا یہ قافلہ حضور کے ہمراہ لاہور کیلئے روانہ ہوا۔ راستے میں اگر سست روی کی وجہ سے کوئی کار قافلے سے دور رہ جاتی تو حضور اپنی کار روک لیتے اور اس وقت تک نہ چلتے جب تک ڈار سے کٹا ہوا آہو ساتھ نہ آملتا۔

القصہ صبح کے پونے نو بجے سے صحافت کے علمبرداروں کا لاہور سے نکلا ہوا یہ قافلہ ٹھیک سوا آٹھ بجے رتن باغ آگیا۔"

اور اب ملاحظہ ہوں چند اخبارات کے تبصرے اور رپورٹیں صدر انجمن احمدیہ کے نئے مرکز ربوہ سے متعلق

روزنامہ مغربی پاکستان کے اپنے نامہ نگار کے قلم سے

"چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلے پر احمدیوں نے ایک شہر بنانے کا کام شروع کر دیا"

شہر جدید طرز اور امریکی نوعیت کا ہوگا۔ ابتدائی سکیم کی تیاریاں

لاہور۔ ۷ نومبر۔ آج مرزا بشیر الدین محمود احمد امیر جماعت احمدیہ کی دعوت پر لاہور کے تمام اخبارات کی پارٹی نے ربوہ کا دورہ کیا جو چنیوٹ سے چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ جب پریس پارٹی ربوہ

پہنچی تو وہاں پر سر کردہ اصحاب نے اخبارات کے نمائندوں کا خیر مقدم کیا۔ ربوہ کا وہ علاقہ دکھایا جہاں جدید طرز کا ایک چھوٹا سا شہر آباد کیا جائے گا یہ جگہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں دامن میں ایک خوشنما قطعہ اراضی ہے۔

مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اخبارات کے نمائندوں کو بتایا کہ جماعت احمدیہ نے حکومت مغربی پنجاب سے ایک ہزار سے کچھ زیادہ ایکٹر زمین خریدی ہے۔ جہاں امریکی طرز پر ایک چھوٹا سا شہر تعمیر کیا جائے گا۔ ہسپتال، کالج، سکول، ویٹرنری ہسپتال، ریلوے سٹیشن، ڈاکخانہ، واٹر ورکس اور بجلی گھر لگانے کا بندوبست کیا جا چکا ہے۔ ماہرین تعمیرات نے شہر کی تعمیر کا ابتدائی نقشہ امریکی طرز پر تیار کر لیا ہے۔ جو عنقریب "ٹاؤن پلینر" کی منظوری کیلئے ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس شہر کی ضروری عمارتوں کی تعمیر پر تقریباً ۱۳ لاکھ روپیہ صرف ہو گا جو جماعت برداشت کرے گی۔ مرزا صاحب نے مزید بتایا کہ وہ اس شہر کو اس قدر دلفریب اور جدید نوعیت کا بنانا چاہتے ہیں کہ پاکستان میں ایک نمونہ ہو اور حکومت بھی اس قسم کے شہر ان علاقوں میں تعمیر کرے جو فضول پڑے ہیں۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کو ایک بہترین خطہ اراضی بنایا جائے اور یہ اس طرح ہی ممکن ہے اگر ہر حکومت ان علاقوں میں جدید طرز کے گاؤں اور شہر بنانے کا کام شروع کر دے تو تھوڑے ہی عرصہ میں تمام پاکستان جنت نظیر بن سکتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ربوہ میں کارخانے بھی لگائے جائیں گے جو ضروریات زندگی تیار کریں گے اس مقصد کے لئے ایک حصہ وقف کر دیا گیا ہے۔ آپ نے توقع ظاہر کی کہ جونہی حکومت نے شہر کی تعمیر کی اجازت دے دی بیک وقت کام شروع کر دیا جائے گا اور ایک سال کے اندر اندر شہر کو مکمل کر دیا جائے گا۔

ربوہ کا دورہ کرنے کے بعد اخبار نویسوں کو ٹیلہ بالناتھ کا دورہ کروایا گیا جہاں سات ہزار ایکڑ زمین بیکار پڑی ہے آپ نے یہ بھی توقع ظاہر کی کہ اگر حکومت اس زمین پر ایک شہر تعمیر کرنے کا پروگرام بنائے تو ایک بہترین شہر اس علاقہ میں تعمیر ہو سکتا ہے۔

"مغربی پاکستان کے ایک "غیر احمدی" کا مراسلہ"

"لاہور میں مختلف اخباروں میں قادیانی جماعت کے نئے مرکز ربوہ کے متعلق دو چار دنوں سے خبریں چھپ رہی ہیں۔ مذہبی اختلافات کے باوجود ہمیں ایک مسرت ہے کہ دوسری جماعتوں کے دوش بدوش اس جماعت نے بھی پاکستان کے بنانے اور اس کی تعمیر میں خاطر خواہ جدوجہد کی اور کر رہی ہے۔

اگر قادیانی جماعت تنظیم کے لئے اپنا کوئی علیحدہ مرکز بناتے ہیں تو بنائیں۔ تنظیم ایک ایسی چیز ہے جس سے بحیثیت مجموعی امت کو فائدہ ہی پہنچ سکتا ہے لیکن یونہی خلاف واقعات از خود بنا کر غلط مراسلہ شائع کرنا تاکہ ایک فرقہ کی دلازاری ہو میرے خیال میں پاکستان کے مفاد کے خلاف ہے۔

شاید ایک اخبار میں ایک زیر تبلیغ غیر احمدی کا مراسلہ آپ کی نظر سے گزرا ہو جس کا عنوان یہ ہے "ہو قریطہ اپنا علیحدہ "باٹا پور" بنانے لگے" اول تو لکھنے والا کوئی زیر تبلیغ غیر احمدی نہیں بلکہ خود مدیر ہیں۔ مسلمان خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو وہ اپنے آپ کو غیر احمدی خود نہیں لکھتا، قادیانی اسے غیر احمدی لکھیں تو لکھیں۔ پھر انتہاء تو یہ ہے کہ تعصب میں آکر قرآن کے ایک لفظ "ربوہ" کا بھی مذاق اڑایا ہے اور اسے "گھن جی کا ٹیلہ" لکھ کر دل کی بھڑاس نکالی ہے۔ ربوہ کے نام میں بظاہر کوئی موسیقی نہیں نہ کوئی جاذبیت ہی ہے لیکن قادیانی یہ کہتے ہیں کہ ہم نے یہ نام محض اس لئے رکھا ہے کہ قرآن میں آیا ہے۔ اب بھلا اس نام کا مذاق اڑانے کا مطلب؟ میں آپ کی وساطت سے ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ خدارا ان فتنوں کو نہ دوہرائیے جو پاکستان کے لئے نقصان رساں ثابت ہو سکتے ہیں۔ پاکستان محبت اور

آشتی سے ہی قائم رہے گا۔" (مغربی پاکستان 13 نومبر 1945ء)

روزنامہ احسان لاہور

مغربی پنجاب میں امریکی طرز پر ایک نئے شہر کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ یہ شہر ۲۵ لاکھ کے مصرف سے ایک سال میں مکمل ہو جائے گا

لاہور۔ ۸ نومبر۔ جماعت احمدیہ کے امیر مرزا بشیر الدین محمود احمد کی دعوت پر مقامی اخبار نویسوں کی ایک پارٹی جماعت احمدیہ کے پاکستان کے نئے مرکز ربوہ کو دیکھنے گئے۔ جو لاہور سے کوئی ایک سو میل اور چنیوٹ سے پانچ میل کے فاصلہ پر دریائے چناب کے غربی کنارے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے دامن میں ایک بے آب و گیاہ غیر مزروع اور نا قابل آبادی قطعہ زمین پر آباد کیا جا رہا ہے۔

زمین کا یہ ٹکڑا جو ایک ہزار چونتیس ایکڑ پر مشتمل ہے اور جسے حکومت سے خرید لیا گیا ہے ان دنوں جماعت احمدیہ کی سرگرمیوں کا مرکز بن رہا ہے۔ یہاں ربوہ نام سے امریکی طرز پر ایک جدید ترین شہر زیر تعمیر ہے۔ جس کی لاگت کا ابتدائی اندازہ کوئی پچیس لاکھ روپے کے قریب لگایا گیا ہے۔ جائے وقوع کے لحاظ سے ربوہ لائل پور اور سرگودھا کے عین وسط میں واقع ہے اس کے تین طرف تو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں قدرتی ڈیفنس کے طور پر کھڑی ہیں لیکن جنوب مغربی سمت سے یہ کھلا پڑا ہے۔ اور اس کا سلسلہ دور تک مزروعہ زمین سے ملتا چلا گیا ہے۔ ریلوے لائن اور پختہ سڑک اس قطعہ زمین کے پاس سے گزرتی ہیں لیکن زمین میں مادہ شور ہونے کی وجہ سے کئی کئی میل تک آبادی کا کہیں نام و نشان نہیں۔ صبح نو بجے روانہ ہو کر اخبار نویسوں کا قافلہ کوئی تین گھنٹے میں ربوہ پہنچ گیا۔ جہاں سینکڑوں رضا کار خیمے وغیرہ نصب کرنے میں مصروف تھے۔ اخبار نویسوں کے علاوہ اس قافلہ میں مرزا بشیر الدین محمود احمد، مرزا ناصر احمد، مرزا بشیر احمد، نواب محمد الدین، چوہدری اسد اللہ خاں، شیخ بشیر احمد، مسٹر عبدالرحیم درد اور چوہدری اعجاز نصر اللہ خان شامل تھے۔

ربوہ پہنچنے پر مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ انہوں نے نئے شہر کی تعمیر کا نقشہ امریکی طرز پر بنوایا ہے۔ اور یہ شہر پاکستان بھر میں اپنی نوعیت کا پہلا شہر ہو گا۔ اس میں سکول، ہسپتال، واٹر ورکس اور بجلی گھر غرضیکہ ایک جدید طرز کے شہر کے تمام لوازمات مہیا کئے جائیں گے۔ ریلوے سٹیشن اور ڈاکخانہ تار گھر کھولنے کیلئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی گئی ہے اور بہت جلد ان کی تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا۔

مرزا صاحب نے بتایا کہ وہ خشک اور بنجر پہاڑیوں کو سیر گاہوں میں تبدیل کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ پہاڑیوں پر مختلف قسم کے پھول اور سبزی وغیرہ اگ آنے سے ایک تو موسم گرما میں اس نئے شہر کے لوگ گرمی کی شدت سے محفوظ رہ سکیں اور دوسرے ان پہاڑیوں پر سیر و تفریح کے لطف بھی اٹھایا جا سکے۔ آپ نے اخباری نمائندوں کے سامنے ربوہ نام کی تاریخی اہمیت و مذہبی حیثیت کو اپنے الہامات اور رویاء کی روشنی میں واضح کیا اور امید ظاہر کی کہ وہ ایک سال کے اندر اندر نئے شہر کی تعمیر کے کام کو مکمل کر لیں گے۔ مرزا صاحب نے بتایا کہ نہ صرف مغربی پنجاب بلکہ مغربی پاکستان میں اس قسم کے کئی بنجر اور غیر آباد علاقے بے مصرف پڑے ہیں اگر مشرقی پنجاب کے بڑے بڑے شہروں مثلاً جالندھر، امرتسر اور لدھیانہ کے مسلمان اپنی سابقہ اجتماعیت کو قائم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی صنعتوں کو کواپریٹو رکھنا چاہتے ہوں تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ ربوہ کی قسم کے نئے قصبوں کو بسائیں۔ ویسے بھی دفاعی ضرورتیں اس امر کا تقاضا کرتی ہیں کہ ہمارے صنعتی علاقے سرحد سے کافی دور ہوں اور ان کی ڈیفنس کا کوئی قدرتی انتظام ہو صرف اسی صورت میں ہم اطمینان سے بیٹھ کر اپنی صنعتوں کی ترقی یافتہ ممالک کے معیار پر لا سکتے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ یہاں ربوہ سے سرگودھا جانے والی سڑک پر کوئی سترہ اٹھارہ میل کے

فاصلہ پر پہاڑیوں کے دامن میں تین چار ہزار ایکڑ پر مشتمل ایک سرکاری قطعہ زمین پڑا ہے۔ جس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا رہا۔ اگر لدھیانہ یا امرتسر کے کاریگر اس قطعہ زمین کو حاصل کر کے یہاں ایک صنعتی شہر آباد کرنا چاہیں تو حکومت سے بھی مدد کی امید کی جا سکتی ہے۔

اخبار نویسوں کے اشتیاق پر مرزا صاحب نے اس قطعہ زمین کے دورے کا بھی پروگرام بنایا۔ چنانچہ تیسرے پہر پورے قافلے نے اس سرکاری اراضی کو بھی دیکھا۔ یہ اراضی ایک ایسی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جسے بعض روایتوں کی بنا پر "گروبالناتھ کا ٹلہ" کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ رانجھانے اسی ٹلہ پر گروبالناتھ سے یوگ لیا تھا اور کان چھدوا کر مندریں ڈالی تھیں۔ کوئی سات سو برس سے یہ ٹلہ ہندو جوگیوں کے قبضے میں تھا لیکن گذشتہ فسادات کے موقع پر یہ جوگی ہندوستان چلے گئے تھے۔ آج کل یہ ٹلہ جس پر تقسیم سے پہلے اچھی خاصی آبادی تھی ویران پڑا ہے اس قطعہ زمین میں کبھی کبھی پولیس والے چاند ماری کے لئے آ جاتے ہیں ورنہ یہ زمین بالکل بے کار پڑی ہے۔

مرزا صاحب نے کہا اگر حکومت اس رقبہ میں ایک صنعتی شہر تعمیر کرنے کا پروگرام بنالے تو اس قسم کے دوسرے مقامات پر بھی نئے نئے شہر بننے کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں۔

ٹلہ بالناتھ سے واپسی پر اخبار نویسوں کی طرف سے مولانا عبدالمجید سالک نے ربوہ کے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا اور یہ قافلہ مرزا بشیر الدین محمود کے ہمراہ رات کے وقت واپس لاہور پہنچ گیا۔"

سٹار نیوز ایجنسی

امام جماعت احمدیہ ربوہ کو پاکستان کو نمونے کا شہر بنانا چاہتے ہیں۔ لاہور سے سو میل دور احمدیوں کا نیا مرکز

لاہور۔ ۸ نومبر۔ لاہور سے سو میل دور احمدی ایک شہر بنام ربوہ تعمیر کر رہے ہیں جو جماعت احمدیہ پاکستان کا مرکز ہوگا۔ شہر کے نام ربوہ کو (جس کے معنی ایک پہاڑی ٹیلے کے ہیں) مذہبی اہمیت بھی حاصل ہے احمدیوں کے معروف عقیدے کے مطابق حضرت عیسی علیہ السلام نے صلیب پر جان نہیں دی بلکہ ابھی ان پر غشی اور بے ہوشی کی سی حالت طاری تھی کہ ان کے حواری انہیں صلیب سے اتار کر کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے جہاں انہوں نے ایک پہاڑی ٹیلے پر پناہ لی۔ احمدی قادیان سے اپنی حالیہ ہجرت کو بھی اس ہجرت کے مشابہ جان کر کہتے ہیں کہ "انہوں نے قادیان سے نکالے جانے کے بعد بے آب و گیاہ غیر مزروع کوہستانی علاقے میں پناہ لی ہے جس کا نام ربوہ تجویز کیا گیا ہے۔ یہ شہر جس کی تعمیر سے متعلق جماعت احمدیہ نہایت بلند اور حوصلہ افزا عزائم رکھتی ہے۔ ۱۲ سو ایکٹر اراضی پر پھیلا ہوا ہو گا اور اسکی تعمیر پر اوسط اندازے کے مطابق کم از کم پچاس لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔ ربوہ میں دو کالج ہوں گے ایک لڑکوں کا اور دوسرا لڑکیوں کا اس کے علاوہ کئی اور سکول' ایک بڑا ہسپتال' شفاخانہ حیوانات' ڈاکخانہ' تار گھر اور ریلوے سٹیشن ہو گا۔ بجلی لانے کے انتظامات بھی کئے جا رہے ہیں جب کہ ایک جنریٹر تو پہنچ بھی چکا ہے اور ابھی دو اور جنریٹر بہت جلد لائے جائیں گے۔ جماعت احمدیہ کے امام حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی کو (جو ربوہ دیکھنے گئی تھی) بتایا کہ وہ اسے پاکستان میں نمونے کا شہر بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں جو امریکن طرز پر تعمیر کیا جائے گا۔ اس شہر میں صنعتی اداروں کیلئے بھی جگہ رکھی جائے گی جو شہری آبادی سے ذرا ہٹ کر ہو گی۔

توقع ہے کہ اس شہر کی تعمیر ایک سال کے اندر اندر ختم ہو جائے گی اور جماعت احمدیہ کا آئندہ سالانہ جلسہ (جو اگلے دسمبر میں ہونے والا ہے) ربوہ میں ہی منعقد کیا جائے گا۔ (سٹار)

روزنامہ سول اینڈ ملٹری گزٹ

احمدیوں کا نیا مرکز

لاہور۔ ۹ نومبر ۱۹۴۸ء۔ لاہور کے اخبار نویسوں کی ایک پارٹی

نے گزشتہ اتوار کو ربوہ کے مقام پر ایک نہایت خوشگوار ٹرپ کی ربوہ' شیخوپورہ اور سرگودھا کے درمیان کی سڑک چنیوٹ سے قریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے اس جگہ جماعت احمدیہ نے اپنے مرکزی دفاتر قائم کرنے کیلئے ایک ہزار چونتیس ایکڑ زمین خرید لی ہے جماعت احمدیہ کے امام مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ سر دست نئی بستی کے قیام پر ۱۳ لاکھ روپے کے خرچ کا اندازہ لگایا گیا ہے ہم یہاں پر ایک ایسا معیاری قصبہ تعمیر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جس میں ہسپتال' تعلیمی ادارے اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے علاوہ مقامی باشندوں کے لئے ہر ممکن سہولتیں مہیا کرنے کی کوشش کی جائے گی دریائے چناب سے واٹر پمپ کے ذریعہ سے قصبہ کے لئے پانی مہیا کیا جائے گا۔ اخبار نویسوں کی پارٹی نے ربوہ سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ایک موزوں قطعہ زمین بھی دیکھا جہاں ایک صنعتی بستی قائم کی جا سکتی ہے۔ یہ قطعہ سرگودھا کی شہری نو آبادی سے قریباً آٹھ میل کے فاصلہ پر تھا۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ)

پاکستانی احمدیوں کا نیا مرکز

(پاکستان کے ٹائمز کے نامہ نگار خصوصی سے)

دریائے چناب کے دائیں کنارے پر چنیوٹ کے قرب میں ایک نئے مثالی شہر کی بنا رکھنے میں نہایت دور اندیشی اور صحیح تخیل کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ اس شہر کی آباد کاری کیلئے ۱۲۰۰ ایکڑ اراضی کا ایک قطعہ منتخب کیا گیا ہے اور اس کا نام ربوہ تجویز ہوا ہے۔ پکی شاہراہ سے چند قدموں کے فاصلے پر اتفاقاً گزرنے والوں کے لئے یہ ایک خوبصورت مقام ہوگا۔ اور یہاں مہاجر احمدیہ جماعت کا مرکز بنایا جائے گا۔

امام جماعت احمدیہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جو اخبار نویسوں کے ہمراہ یہاں تشریف لائے تھے بیان کیا کہ ایک رویا جو انہوں نے کچھ دن ہوئے دیکھی تھی۔ اور قرآن کریم کی ایک آیت نے ان کو اس اراضی کے انتخاب میں جسے حکومت نے ناقابل زراعت اور بنجر قرار دے دیا تھا' مدد دی ہے۔ انجمن کے دفاتر' ہسپتال' سکول' کالج اور سڑکیں تیار کرنے میں ساڑھے تیرہ لاکھ روپے کے ابتدائی خرچ کا تخمینہ کیا گیا ہے۔ جونہی صوبائی مجوزہ تعمیرات تعمیری نقشہ جات کو تعمیر کرلے گا تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔

اخبار نویسوں کو اس مقام سے پندرہ میل فاصلہ پر ایک اور سات ہزار ایکڑ کا قطعہ اراضی بھی دکھایا گیا۔ جو ایک صنعتی شہر کی آبادی کے لئے نہایت موزوں ہے۔ (پاکستان ٹائمز 9 نومبر 1948ء)

روزنامہ ڈان کراچی

لاہور۔ ۱۱ نومبر۔ دریائے چناب کے دائیں کنارے پر متصل چنیوٹ ایک نیا شہر جس کا نام ربوہ رکھا گیا ہے احمدیہ جماعت کے مہاجرین کی آبادی کیلئے جماعت احمدیہ تعمیر کر رہی ہے اس شہر میں آغاز میں دو ہزار مکانات بنائے جائیں گے۔

صدر انجمن احمدیہ کو انجمن کے دفاتر' سکول' ہسپتال' کالج' سڑکیں وغیرہ بنانے کے لئے فی الحال ساڑھے تیرہ لاکھ روپے کا خرچ برداشت کرنا پڑے گا۔ جونہی مجوزہ تعمیرات سے تعمیری نقشہ منظور ہو کر وصول ہو جائے گا۔ تعمیر کا کام شروع ہو جائے گا۔ نقشہ منظوری کے لئے پیش کر دیا گیا ہے۔

روزنامہ "سفینہ" کا اداریہ

(ربوہ حکومت اور عوام کیلئے قابل تقلید مثال ہے)

مولانا وقار انبالوی ۱۳ نومبر ۱۹۴۸ء کے پرچے میں لکھتے ہیں۔

"گذشتہ اتوار کو امیر جماعت احمدیہ نے لاہور کے اخبار نویسوں کو اپنی نئی بستی ربوہ کا مقام دیکھنے کی دعوت دی۔ اور انہیں ساتھ لے کر وہاں کا دورہ کیا۔ اس دورے کی تفصیلات اخباروں میں آچکی ہیں۔ ایک مہاجر کی حیثیت سے ہمارے لئے ربوہ ایک سبق ہے۔ ساٹھ لاکھ مہاجر پاکستان آئے لیکن اس طرح کہ وہاں بھی اجڑے اور یہاں بھی کس مپرسی نے انہیں منتشر رکھا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ رب العالمین کے پرستار اور رحمۃ اللعالمین کے نام لیوا۔ مساوات و

اخوت کے علمبردار۔ لیکن اتنی بڑی مصیبت بھی انہیں یکجانہ کر سکی۔ س کے بر عکس ہم اعتقادی حیثیت سے احمدیوں پر ہمیشہ طعنہ زن رہے لیکن ان کی تنظیم' ان کی اخوت اور دکھ سکھ میں ایک دوسرے کی حمایت نے ہماری آنکھوں کے سامنے ایک نیا قادیان آباد کرنے کی ابتدا کر دی ہے۔ مہاجرین میں وہ لوگ بھی آئے جن میں خدا کے فضل سے ایک ایک آدمی ایسی بستیاں بسا سکتا تھا۔ لیکن ان کا روپیہ ان کی ذات کے علاوہ کسی غریب مہاجر کے کام نہ آسکا۔ ربوہ ایک اور نقطہ نظر سے بھی ہمارے لئے محل نظر ہے وہ یہ کہ حکومت بھی اس سے سبق لے سکتی ہے اور مہاجرین کی صنعتی بستیاں اس نمونے پر بسا سکتی ہے۔ اسی طرح ربوہ عوام اور حکومت کے لئے ایک مثال ہے اور زبان حال سے کہہ رہا ہے کہ لمبے چوڑے دعوی کرنے والے منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں اور عملی کام کرنے والے کوئی دعوئی کئے بغیر کچھ کر دکھاتے ہیں۔" (سفینہ)

سرزمینِ ربوہ

(مکرم کیپٹن ملک خادم حسین صاحب ربوہ)

منتظر تھی دیر سے فریاد کرتی تھی زمیں
تھی یُوں آبادی مقدّر آپ سے اے شاہِ دیں

کر سکیں آباد اس کو غیر بھی ساعی ہوئے
سب ہوئے ناکام گرچہ کوششیں لاکھوں ہی کیں

قادیاں چھُٹ جانے پر تھی ایک مرکز کی تلاش
یک بیک آئی نظر ویران سی یہ سرزمیں

یہ اولوالعزمی تھی حضرت مصلح موعود کی
ڈال کر ڈیرے یہاں وہ بن گئے اس کے امیں

خاک کو اکسیر کرنا ہے مرے آقا کا کام
اِس پہ شاہد ہو رہی ہے ربوہ کی بنجر زمیں

تھا براہیمی دعاؤں میں بڑا سوز و گداز
اس زمیں سے جا کے پہنچیں سب ہی تا عرشِ بریں

آج وہ مرکز بنا کا کچھ اِس طرح
ساری دُنیا کے کناروں تک ہے پھیلا یاں سے دِیں

نور کے دھارے ہیں بہتے چار سُو ربوہ سے یوں
جس کی فطرت نیک ہو گی آئے گا دِیں کے قریں

یاں سے ہو یلغار ہر دم کفر کے بُت خانوں پر
کارواں کے میر ہیں یاں پر

ہو گئی چشم کرم آقا کی ارضِ شور پر
نام ربوہ مِل گیا تسکین دل پائیں حزیں

کھوٹا سِکّہ تھا اگرچہ پھر بھی اپنا یا گیا
اے خوشا قسمت کہ خادم مل گئے دُنیا و دیں

ربوہ کا لالہ زار

کھجور

چیڑ

آڑو

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز گلشن احمد نرسری میں اپنے دست مبارک سے پودا لگاتے ہوئے۔

زیتون

آلو بخارا

پپیتا

خونِ دل نذر کیا ہے تو بہار آئی ہے

ربوہ کا لالہ زار

مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب
انچارج گلشن احمد نرسری

قوموں کی تاریخ میں ہجرت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے قیام پاکستان کے بعد قادیان سے ہجرت کر کے اللہ کے پیاروں کا یہ قافلہ اپنے نئے مرکز کی تلاش میں رواں دواں تھا۔

خدا کی تقدیر نے ان قدموں کو دریائے چناب کے کنارے پہاڑی کے دامن میں چٹیل میدانوں میں پناہ دی جہاں پانی کا نام ونشان نہ تھا لیکن الٰہی مشیئت تھی کہ یہی جگہ قادیان کی ظل بنے۔ اس جگہ سایہ کی تلاش میں کئی فرلانگ طے کرنے پڑتے تھے اور وہاں **فقط ایک کیکر کا سایہ ہی ملتا تھا**۔ آج وہی کیکر ترقی کے بے شمار منزلیں طے کرتا ہوا ربوہ کی سرزمین کو سبز انقلاب کے قریب لے آیا ہے۔

وہ بنجر ریتلی زمین اب گل و گلزار ہو چکی ہے اور اس خطہ زمین پر صدہا قسم کے پودے نہایت کامیابی سے لگ رہے ہیں۔ یورپ میں اگنے والے پھول اس سرزمین کی شادابی میں اضافہ کر رہے ہیں۔

وہ بستی جہاں بہت مشکل سے چند کیکر لگائے گئے تھے۔ چلچلاتی دھوپ میں پانی کی کمی اور ریتلی زمین میں اسی ایک پودے کو غنیمت جانا گیا اور خدائے رب الوریٰ کا شکر ادا کیا گیا کہ کم از کم کیکر تو یہاں ہو گیا ہے۔ اس وقت تو یہ خواب تھا کہ یہاں سوات اور کشمیر کے پھل دار پودے لگائے جائیں گے اور ان کے پھلوں سے ربوہ کے لوگ لطف اندوز ہونگے۔

آج یہ خواب تعبیر بن کے ربوہ کی گلی گلی میں اور ہر محلہ میں چمک رہا ہے۔ وہ لوگ جو اپنے خوابوں کو چنتے تھے ان کی اولادیں بیسیوں اقسام کے پھل چن رہی ہیں اور بزبان حال یہ دعا دے رہی ہیں کہ

ملت کے اس فدائی پر رحمت خدا کرے

بازاروں سے چند کلو بادام خرید کے لانے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ ربوہ میں رہنے والے اپنے ہی گھروں سے کئی من بادام حاصل کر سکیں گے۔ ربوہ میں بادام نہایت کامیابی سے پھل دے رہا ہے۔

وہ دن بھی تھے جب صرف کیکر کی مسواکیں ہی منہ میٹھا کرتی تھیں اور آج سیب کے خوبصورت پودے اپنے خوبصورت پھولوں کے بعد اپنے لذیذ پھلوں سے ہمارا منہ میٹھا کر رہے ہیں۔

خوبانی، آلو بخارا اور آلوچہ کے پھول ربوہ میں رہنے والوں کو تازگی عطا کرتے ہیں اور ان کا پھل خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا پر مجبور کر دیتا ہے۔ انار کے خوبصورت پھول انسانی آنکھوں کو

طراوت عطا کرتے ہیں اور انار کے خوبصورت پھولوں نے گھروں کو گلنار کیا ہے۔

تو اس کی فضا کو موتیا' گلاب' گلیس' بڈلیا' رات کی رانی' دن کا راجہ' گارڈینیا' پڑس فورما' میگنولیا' چنبیلی اور مروہ نے عطربار کیا ہے۔

اسی طرح گولڈ مور جیکرنڈا' کنیر' گھر' پارکنسونیا' چاننی' چاننا' موگرا موتیا' گل نستر اور ڈھاک نے اس سرزمین کو گل بار کیا ہے۔ اور مولسری' ایلسٹونیا' بیڑی پتہ' کری پتہ' پٹاجن' گاب' توت' ارجن' نیم' بکائن' دھریک' اپل اپل' سفیدہ' ٹی ڈورا' ربر پلانٹ' پیپل' بوڑھ' انگلش ولو' ٹاہلی اور ٹرمانیلیا الغرض کس کس پودے کا نام لکھوں جس نے اس شہر کی سڑکوں کو سایہ دار کیا ہے۔

کہیں آم اور جامن کے درخت اپنے چھتر پھیلائے کھڑے نظر آتے ہیں اور اس بستی کے باشندوں کو میٹھے آم اور نہایت لذیذ جامن پیش کرتے ہیں۔ نیز اب شہتوت' کھرنی' پپیتا' فالسہ' لسوڑہ' پرسیمن (جاپانی پھل) امرود' لیموں' کنو' میٹھا' ریڈ بلڈ' مالٹا' شکری مالٹا' کالا مالٹا' وےلنسیالیٹ نے اس شہر کے باسیوں کو ثمربار کیا ہے۔ اور قرآن مجید میں بیان ہونے والے پھل انجیر' انگور' کیلا' کھجور' انار' زیتون اور بیری جیسے مزیدار پھلوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور زیتون کے پودے اللہ کے فضل سے پھل لینے کیلئے تیار ہیں۔ انشاء اللہ۔ یہ پھل دار پودہ بھی ربوہ میں پھل لائے گا تاکہ قرآن مجید میں بیان ہونے والے تمام پھل دار پودوں سے اس کتاب کا روحانی پھل کھانے والے مادی پھل بھی کھانے لگیں۔

کالی مرچ' سبز الائچی کے پودے اپنے جوبن پہ خدا کے اذن کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب اجازت ملے اور یہ پودے اللہ کی بستی میں کالی مرچ اور سبز الائچی کے تحفے پیش کریں۔ سٹرابیری کا نام سنتے ہی منہ میں پانی آتا تھا کہ اتنا نازک اور خوبصورت پھل ہم اپنے شہر میں بیٹھ کے کس طرح کھا سکتے ہیں۔ اتنا سفر کر کے یہاں پھل لا کے کھانا محال نظر آتا تھا۔ آج ان دعاؤں کے پھل کے طور پر ربوہ میں سٹرابیری لگائی گئی ہے اور اس کا مزیدار پھل بھی خصوبصورت طشت میں سجا کر پیش کیا جاتا ہے۔ جب ربوہ میں پختہ گھر بنائے گئے تو چھتوں پہ چیڑھ کے شہتیر ڈالے گئے۔ جب بھی نگاہیں شہتیر پر پڑتی تھیں تو خیال آتا تھا کہ یہ پودا نہ جانے کیسا ہوگا۔ آج ربوہ میں بیسیوں چیڑھ اس ارمان کو پورا کرتے نظر آتے ہیں۔

ربوہ میں بوتل پام' ٹیبل پام' ساگو پام' کین پام' شیمی ڈوار (امریکن پام) اریکا پام' لیڈی فنگر پام' بید پام اور پام کی دیگر اقسام راہداریوں اور خوبصورت گملوں کی رونق بنی ہیں۔ آج الٹا اشوک عمارتوں کے دامن میں فرحت انگیز سماں پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح شمشاد قدوں سے تشبیہ دینے والا پودا سرو مختلف گھروں اور دفاتر کی رونق بڑھا رہا ہے اور مورپنکھ اپنے چھوٹے قد اور خوبصورت پھیلاؤ اور سرسبزی سے دیکھنے والوں کو محظوظ کر رہا ہے۔

ربوہ میں نرگس اپنی کھلی آنکھوں کے ساتھ خوش آمدید کہہ رہی ہے تو گلیڈیولس کے لمبے پھول گلدستوں کی زینت بنے ہیں۔ ٹیوب روز کی خوشبو نے گھروں کو مہکایا ہے تو امریلاس' للی' آئرس' اینی مون' رینکولس' ہایاستھ کے خوبصورت پھولوں نے سب کے دل موہ لئے ہیں۔ گل داؤدی کے خوشنما اور خوش رنگ پھول اس کثرت سے اس خطۂ زمین میں رنگ بھر رہے ہیں کہ ہزاروں پودوں کے ساتھ گل داؤدی کی نمائشیں لگ رہی ہیں۔

اسی طرح موسمی پھولوں کی بے شمار اقسام جن کا نام لکھنے لگوں تو کئی صفحات درکار ہیں آج کل ربوہ کو لالہ زار کئے ہوئے ہیں۔ وہ زمانہ جب ایک دو کیکر اور کنیر لگنے والے سینکڑوں پھولوں کو دیکھ کر لوگ خوش ہوتے تھے۔ آج صرف موسمی پھولوں کی نمائش کے موقع پر ساٹھ ہزار سے زائد پھولوں کے گملے نظر آ رہے تھے۔ اس بے آب ریتلی جگہ کی باغبانی کا آغاز

"گلشن احمد بنا ہے مسکن باد صبا"
اور اس ہونے والے سرسبز و شاداب خطے میں برسات کی رت میں اس بستی والے جشن منایا کریں گے اور اپنے آنے والے مہمانوں کو اس شعر میں خوش آمدید کہیں گے۔

ہم نے خیرات میں یہ پھول نہیں پائے ہیں
خون دل نذر کیا ہے تو بہار آئی ہے

صرف ایک کیکر سے ہوا تھا آج صرف گلشن احمد نرسری کی حدود میں سینکڑوں اقسام کے پانچ لاکھ پودے موجود ہیں۔ جس تیزی کے ساتھ اس زمین کے خدوخال سنوارے جا رہے ہیں ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ربوہ جو "گلشن احمد" ہے حقیقتاً اس مصرعہ کا مصداق بن جائے گا۔

تعلیم القرآن اور اس کی برکات

(مکرم قاضی راشد منین احمد صاحب)

تعلیم القرآن کی اہمیت

آنحضرت ﷺ کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے ایک عظیم پاک تعلیم نازل کی جس کی اتباع میں ہدایت ہی ہدایت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

پس اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو نبی بھی ہے اور امی بھی۔ (اور) جو ایمان لاتا ہے۔ اللہ پر اور اس کے کلمات پر اور اس کی اتباع کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (ترجمہ)

اور اسی پاک تعلیم کی پیروی کی برکات تھیں جو اس وحشی قوم میں سے ہزاروں اصحاب آسمان کے تارے بن گئے حضرت مسیح موعودؑ اپنے اک عربی قصیدہ میں ارشاد فرماتے ہیں۔

جاؤک　منهوبين　كالعريان
فسترتهم　بملاحف　الأيمان

وہ تیرے پاس لٹے پٹے برہنہ شخص کی مانند آئے تو تو نے انہیں ایمان کی چادریں اوڑھادیں۔

صادفتهم　قوما　كروث　ذلة
فجعلتهم　كسبيكة　العقيان

تو نے انہیں گوبر کی طرح ذلیل پایا تو تو نے انہیں خالص سونے کی ڈلی کی مانند بنادیا۔

حضرت مسیح موعودؑ ارشاد فرماتے ہیں:۔

"قرآن شریف میں جس قدر باریک صداقتیں علم دین کی اور علوم دقیقہ الٰہیات کے اور براہین قاطعہ اصول حقہ کے معہ دیگر اسرار اور معارف کے مندرج ہیں۔ اگرچہ وہ تمام فی حد ذاتہا ایسے ہیں کہ قویٰ بشریہ ان کو بہ ہیئت مجموعی دریافت کرنے کے لئے بطور خود سبقت نہیں کرسکتی۔ کیونکہ پہلے زمانوں پر نظر استقراری ڈالنے سے ثابت ہوگیا ہے کہ کوئی حکیم یا فیلسوف ان علوم و معارف کا دریافت کرنے والا نہیں گزرا۔ لیکن اس جگہ عجیب پر عجیب اور بات ہے۔ یعنی یہ کہ وہ علوم و معارف ایک ایسے اُمی کو عطا کئے گئے کہ جو لکھنے پڑھنے سے ناآشنا محض تھا۔ جس نے عمر بھر کسی کتاب کی شکل نہیں دیکھی تھی اور نہ کسی کتاب کا کوئی حرف پڑھا تھا اور نہ

کسی اہل علم یا حکیم کی صحبت میسر آئی تھی بلکہ تمام عمر جنگلیوں اور وحشیوں میں سکونت رہی۔ انہیں میں پرورش پائی اور انہیں میں سے پیدا ہوئے اور انہیں کے ساتھ اختلاط رہا۔"

(براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۴۶۹ تا ۴۷۱)

اور اللہ تعالیٰ نے جب یہ کامل تعلیم اس جنگلی اور وحشی قوم کی طرف اتاری تو ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ :۔

ان اللہ لا یغیر مابقوم حتیٰ یغیروا مابانفسھم

اللہ کبھی بھی کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی اندرونی حالت کو نہ بدلے۔ (الرعد ۱۲)

اس پاک تعلیم سے پیشتر اس قوم کی جو حالت تھی وہ سب پر عیاں ہے لیکن جب انہوں نے آنحضرتﷺ کی کامل اتباع کرتے ہوئے اس تعلیم پر عمل شروع کیا تو وہی قوم دنیا کی استاد بن کر ابھری اور یہ کیوں ہوا؟...... صرف اور صرف اس لئے کہ انہوں نے قرآن کی تعلیم کو حرزِ جان بنایا اور پھر وہ لوگ سدا کے لئے زندہ ہوگئے۔ وہ قوم جو جہالت کے گڑھوں میں گری ہوئی تھی علم کے حصول کی تگ ودو میں لگ گئی۔ علم کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے قرآن مجید ہماری راہنمائی فرماتا ہے جو کہ تمام مادی اور روحانی علوم کا منبع اور سرچشمہ ہے اور ہر قسم کے دینی ودنیاوی علوم اس میں پائے جاتے ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

(ترجمہ) تو کہہ دے کیا علم والے لوگ اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو صرف عقلمند لوگ حاصل کیا کرتے ہیں۔ (الزمر ۱۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم کی اہمیت اور اہل علم کی بے علموں پر اک فوقیت کا ذکر فرمایا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تمام عمر حصول علم کی ترغیب دلائی حضرت ابودرداءؓ بیان کرتے ہیں کہ :۔

"میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ جو شخص علم کی تلاش میں نکلے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ اور فرشتے طالبعلم کے کام پر خوش ہو کر اپنے پر اس کے آگے بچھاتے ہیں اور عالم کے لئے زمین و آسمان میں رہنے والے بخشش مانگتے ہیں۔ یہاں تک کہ پانی کی مچھلیاں بھی اس کے حق میں دعا کرتی ہیں۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی چاند کی دوسرے ستاروں پر۔ اور علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء روپیہ پیسہ ورثہ میں نہیں چھوڑ جاتے بلکہ ان کا ورثہ علم وعرفان ہے۔ جو شخص علم حاصل کرتا ہے وہ بہت بڑا نصیبہ اور خیر کثیر حاصل کرتا ہے۔" (ترمذی کتاب العلم)

علم کا ایک نہایت ہی گہرا تعلق تقویٰ کے ساتھ ہے۔ اگر انسان حصول علم کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس میں برکت اور ترقی کے واسطے دعا کا سہارا بھی لیتا رہے تو اللہ تعالیٰ علم کی معراج عطا فرما دیتا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ آیت ۲۸۳ میں ارشاد فرماتا ہے :۔

اور چاہئے کہ تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور (اگر تم ایسا کروگے تو) اللہ تمہیں علم دے گا اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

اس ارشاد مبارک میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو علم کے حقیقی معنوں میں متلاشی ہیں یہ فرمایا ہے کہ اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو پھر ہی تم کو علم عطا کیا جائے گا۔ اس لئے حقیقی علم کے حصول کی سب سے پہلی شرط یہ رکھی کہ متقی ہو اور تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو۔ حضرت مسیح موعودؑ علم اور تقویٰ کا تعلق بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں :۔

"علوم ظاہری اور علوم قرآنی کے حصول کے درمیان ایک عظیم الشان فرق ہے۔ دنیوی اور رسمی علوم حاصل

کرنے کے واسطے تقویٰ شرط نہیں ہے۔ صرف و نحو، طبعی فلسفہ، ہیت و طبابت پڑھنے کے واسطے یہ ضروری امر نہیں ہے کہ وہ صوم و صلوۃ کا پابند ہو اور امر الٰہی اور نواہی کو ہر وقت مدنظر رکھتا ہو...... مگر علومِ آسمانی اور اسرار قرآنی کی واقفیت کے لئے تقویٰ پہلی شرط ہے۔ اس میں توبۃ النصوح کی ضرورت ہے۔ جب تک انسان پوری فروتنی اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو نہ اٹھالے اور اس کے جلال اور جبروت سے لرزاں ہو کر نیاز مندی کے ساتھ رجوع نہ کرے قرآنی علوم کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ اور روح کے ان خواص اور قویٰ کی پرورش کا سامان قرآن شریف سے نہیں مل سکتا جس کو پا کر روح میں ایک لذت اور تسلی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور اس کے علوم خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ پس اس کے لئے تقویٰ بطور نردبان کے ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ بے ایمان شریر خبیث النفس ارضی خواہشوں کے اسیر ان سے بہرہ ور ہوں۔ اس واسطے اگر ایک مسلمان مسلمان کہلا کر خواہ وہ صرف نحو، معانی و بدیع وغیرہ علوم کا کتنا ہی بڑا فاضل کیوں نہ ہو دنیا کی نظر میں شیخ الکل فی الکل بنا بیٹھا ہو لیکن اگر تزکیہ نفس نہیں کرتا تو قرآن شریف کے علوم سے اس کو حصہ نہیں دیا جاتا۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت دنیا کی توجہ ارضی علوم کی طرف بہت جھکی ہوئی ہے اور...... قرآن شریف کی طرف بالکل توجہ ہی نہیں۔ اور ہو کیونکر جبکہ تزکیہ نفس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔"

(ملفوظات جلد اول ۴۰۷۔۴۰۸)

اگر انسان اپنا تزکیہ نفس کرے اور توبۃ النصوح کے بعد رب زدنی علما کی دعا کرتے ہوئے حصول علم میں سرگرداں رہے تو یقیناً وہ علیم ہستی اس کو ضرور زیورِ تعلیم سے آراستہ کر دیتی ہے اور اس کے فہم اور عقل و فراست میں بے مثال ترقی ہوتی جاتی ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ بیان کرتے ہیں کہ:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"جس شخص کو اللہ تعالیٰ بھلائی اور ترقی دینا چاہتا ہے اس کو دین کی سمجھ دے دیتا ہے" (بخاری)

اور جن کو خدا تعالیٰ حقیقی رنگ میں دین کی سمجھ دے دیتا ہے وہ پھر اس کی محبت میں آگے ہی آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور حقیقی رنگ میں یہی لوگ اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے والے ہوتے ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:۔

انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلموا ان اللّٰہ عزیز غفور۔

اللہ کے بندوں میں سے صرف علماء اس سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا غالب (اور) بہت بخشنے والا ہے۔　فاطر ۲۹

'اور یہ علماء کون ہیں؟ یہ صرف وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کر چکا ہوتا ہے۔ اور جو اپنا تزکیہ نفس کر چکے ہوتے ہیں جب یہ لوگ محبت الٰہی میں اور آگے بڑھتے ہیں تو ان پر خشیت اور رقت طاری ہو جاتی ہے اور یہی ہیں جو حقیقی معنوں میں اہل علم کہلانے کے مستحق ہیں۔

آنحضورؐ نے اس شخص کی بہت تعریف فرمائی ہے جو علم قرآن سیکھتا اور سکھاتا ہے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ۔

"تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن کریم سیکھتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے" (بخاری)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ :۔

"ایک دن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل کر مسجد تشریف لائے اور دیکھا کہ مسجد میں دو حلقے بنے ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ تلاوت قرآن کریم اور دعائیں کر رہے ہیں اور کچھ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ دونوں گروہ نیک کام میں مصروف ہیں۔ یہ قرآن کریم پڑھ رہا ہے اور دعائیں مانگ رہا ہے اور اللہ چاہے تو انہیں دے اور چاہے تو نہ دے یعنی ان کی دعائیں قبول کرے یا نہ کرے اور یہ لوگ پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں اور خدا تعالیٰ نے مجھے معلم اور استاد بنا کر بھیجا ہے۔ اس لئے آپؐ پڑھانے پڑھنے والوں میں جا بیٹھے" (ابن ماجہ)

علم کے سیکھنے سکھانے کا ذکر فرماتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :۔

"اور مومنوں کے لئے ممکن نہ تھا کہ وہ سب کے سب (اکٹھے ہو کر تعلیم دین کے لئے) نکل پڑیں۔ پس کیوں نہ ہوا کہ ان کی جماعت میں سے ایک گروہ نکل پڑتا اور تا کہ وہ دین پوری طرح سیکھتے اور اپنی قوم کو واپس لوٹ کر (بے دینی سے) ہوشیار کرتے۔ تا کہ وہ (گمراہی سے) ڈرنے لگیں۔ (التوبہ ۱۲۲)

اس آیت کی روشنی میں اور اس پر عمل کرتے ہوئے آپؐ کے پاس صحابہؓ دور دراز سے حاضر ہوتے اور آپؐ کی صحبت مطہر میں وقت گذارتے اور علوم قرآنی سے اپنے سینوں کو منور کر کے واپس اپنے علاقوں کو لوٹتے اور اس بے نظیر علوم روحانی کو دوسروں تک پہنچاتے۔

جماعت احمدیہ اور تعلیم القرآن

فی زمانہ قرآن کریم کے سربستہ رازوں سے پردہ اٹھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو مبعوث فرمایا کہ جس سے دین کی نشاۃ ثانیہ ہونی تھی اور جس کو آنحضرتؐ نے اپنا محبت بھرا اسلام پہنچایا تھا اور جو آنحضورؐ کا بطلِ جلیل کہلایا جس کو احادیث میں نبی اللہ، مسیح و مہدی کے نام سے یاد کیا گیا ہے یعنی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی موعود علیہ السلام۔

آپ نے ایک ایسے سلسلہ کی بنیاد رکھی جس کی زندگی اور قیام کا مقصد ہی قرآن کریم کی تبلیغ و اشاعت ہے اور بفضل خدا اب تک دنیا بھر کی بہت سی زبانوں میں قرآن کا ترجمہ کرنیکی سعادت اس الٰہی پودے کو نصیب ہو چکی ہے۔ اور دن رات خدمتِ قرآن کی توفیق نصیب ہو رہی ہے۔ قرآن کریم ایسی جامع اور کامل کتاب ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ دنیا میں صرف اور صرف قرآن ہی اک ایسی کتاب ہے جو کہ ہر قسم کی دینی و دنیاوی ضرورتوں کے پورے کرنیکا سرچشمہ ہے۔

ایک جگہ آپؑ فرماتے ہیں :۔

قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بے اس کے معرفت کا چمن نا تمام ہے

اپنی بعثت کا مقصد بیان فرماتے ہوئے آپؑ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"یہ عاجز تو محض اسی غرض کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تا یہ پیغام خلق اللہ کو پہنچا دے کہ دنیا کے مذاہب میں سے وہ مذہب حق پر اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہے جو قرآن لایا ہے اور دار النجات میں داخل ہونے کے لئے دروازہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے"

(حجۃ الاسلام صفحہ ۱۲۔ ۱۳)

قرآنی علوم انسانی زندگی کے ہر پہلو میں ہر میدان میں اعلیٰ درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ یہ علوم ضرورتِ

زمانہ کے مطابق کھلتے رہتے ہیں۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ "ازالہ اوھام" صفحہ ۶۴۹ پر ارشاد فرماتے ہیں :۔

"قرآن کریم کے دقائق و معارف و حقائق بھی زمانے کی ضرورت کے موافق ہی کھلتے ہیں مثلاً جس زمانے میں ہم ہیں اور جن معارف فرقانیہ کے بمقابل دجالی فرقوں کا زمانہ نہیں پایا۔ سووہ باتیں ان پر مخفی رہیں اور ہم پر کھولی گئیں۔" (الفضل یکم ستمبر ۸۴ صفحہ ۳)

آپ فرماتے ہیں :۔

قرآن شریف ہر انسانی ضرورت کے لئے قانون پیش کرتا ہے جس سے قرآن شریف کی عظمت ثابت ہوتی ہے کہ انسان کی کوئی ایسی ضرورت نہیں جس کا پہلے سے ہی اس نے قانون نہ بنادیا ہو۔"

(ملفوظات جلد ۵ صفہ ۱۳۱)

فرمایا :۔

"یہ وہ عظیم حربہ ہے جس کے سامنے کسی باطل کو قائم رہنے کی ہمت ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ آسمانی ہتھیار ہے جو کبھی کند نہیں ہو سکتا۔" (ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۲۷)

اس آسمانی ہتھیار اور قانون سے ہم تب ہی واقف ہو سکتے ہیں کہ جب تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے دعا کی مدد کے ساتھ گہرے غور و فکر سے اس کا مطالعہ کریں اور اگر ہم قرآن کو طاق نسیاں کر دیں گے تو ہمارا حال بھی ان سے مختلف نہ ہوگا جو گمراہی کے اندھیروں میں گم ہوگئے۔ سو ہمیں چاہئے کہ اھدنا الصراط المستقیم کی دعا کرتے ہوئے نہ صرف اس کا مطالعہ کریں بلکہ بغور مطالعہ کریں۔

حضرت مسیح موعودؑ ارشاد فرماتے ہیں :۔

"قرآن کریم کی تلاوت کی اصل غرض تو یہ ہے کہ اس کے حقائق و معارف سے اطلاع ملے اور انسان اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرے۔"

اور جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مصلح موعودؓ جن کی تمام عمر خدمتِ قرآن میں صرف ہوئی، ارشاد فرماتے ہیں :۔

"قرآن کے پڑھنے کے بعد سوچنے کی عادت ڈالو اور سوچنے کے بعد اوپر عمل کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تم ایک زندہ اور فعال قوم نظر آنے لگ جاؤ گے"

(تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۶۴۰)

تعلیم القرآن کی برکات

قرآن کریم نے بالکل شروع میں اک برکت اور اک شرط کا ذکر کر دیا ہے کہ یہ ہدایت ہے کامل ہدایت کہ جس پر عمل پیرا ہو کر جنت کی نعماء تک پہنچا جا سکتا ہے مگر شرط صرف تقویٰ کی رکھی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز نے اپنے ۴ جولائی ۹۷ کے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا ہے :۔

"قرآن کریم میں دو باتیں لازماً ہیں۔ ہدایت ہے مگر نہیں بھی ہے۔ ہدایت ان لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے ان کے لئے ذالک الکتاب دور کی بات رہے گی۔ جو بظاہر ان کے سامنے ہے مگر ان سے دور ہی رہے گی۔ پھر جب تک یہ کتاب قریب نہ آئے اس دنیا کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔"

قرآن کی برکات کا ذکر کرتے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل مولانا نور الدین صاحب نے ارشاد فرمایا :۔

"تاریخ اور واقعات صحیحہ اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ جس قوم نے قرآن کو اپنا دستور العمل بنایا وہ دنیا میں معزز اور مقتدر بنائی گئی، کون ہے جو اس بات سے ناواقف ہے کہ عربوں کی قوم تاریخ دنیا میں اپنا کوئی مقام و مرتبہ

نہ رکھتی تھی، وہ بالکل دنیا سے الگ تھلگ قوم تھی لیکن وہ قرآن کی حکومت کے نیچے آئی تو وہ کل دنیا کی فاتح کہلائی۔ علوم کے دروازے ان پر کھولے گئے"

(حقائق الفرقان جلد ۴ صفحہ ۱۰۱)

تعلیم القرآن پر عمل پیرا ہونیکی اک بہت بڑی برکت یہ ہے کہ انسان اس خدا کو پہچان لیتا ہے جو خالق ارض و سما ہے اور ظلمت کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اور مئے عرفان برسنے لگتی ہے۔"

حضرت مسیح موعود چشمہ معرفت میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"قرآن شریف معارف و حقائق کا ایک دریا ہے اور پیشگوئیوں کا ایک سمندر ہے اور ممکن نہیں کہ کوئی انسان بجز ذریعہ قرآن شریف کے پورے طور پر خدا تعالیٰ پر یقین لا سکے کیونکہ یہ خاصیت خاص طور پر قرآن شریف میں ہی ہے کہ اس کی کامل پیروی سے وہ پردے جو خدا میں اور انسان میں حائل ہیں سب دور ہو جاتے ہیں......"

آپ فرماتے ہیں :۔

"خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا ہے الخیر کلہ فی القرآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں تمام فیضوں کا سرچشمہ قرآن ہے جو عمیق حکمتوں سے پر ہے۔ قرآن جواہرات کی تھیلی ہے۔ قرآن شریف کی تلاوت کی اصل غرض تو یہ ہے کہ اس کے حقائق و معارف سے اطلاع ملے اور انسان اپنے اندر ایک پاک تبدیلی پیدا کرے۔" (الحکم ۳۱.۵.۱۸۹۶)

آپ اپنی کتاب کشتی نوح میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔"

جماعت احمدیہ کے تیسرے امام حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵ جولائی ۱۹۶۶ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شعر

مسلمانوں پہ تب ادبار آیا
کہ جب تعلیمِ قرآں کو بھلایا

کی روشنی میں بیان فرماتے ہیں کہ :۔

"اس شعر میں حضرت مسیح موعودؑ نے ایک تاریخی حقیقت بیان فرمائی ہے کہ ...... مسلمانوں نے جب بھی عروج و ترقی کی، تہذیبوں کی رفعتوں تک پہنچے، تو یہ ارفع مقام انہیں اتباع قرآن ہی کے نتیجہ میں ملا اور جب کبھی انہوں نے قرآن اور اس کی اعلیٰ و ارفع تعلیم کو پس پشت ڈال دیا، اس سے منہ موڑ لیا، اس سے بے رخی برتی اور اس سے دوری اور بے تعلقی اختیار کی، اور اسے ناقابل عمل سمجھتے ہوئے مہجور قرار دیا تو وہ قعرِ مذلت میں جا گرے"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں :۔

"بلا شبہ ہماری بھلائی اور علمی ترقی اور ہماری دائمی فتوحات کے لئے قرآن ہمیں دیا گیا ہے اور اس کے رموز و اسرار غیر متناہی ہیں جو بعد تزکیہ نفس اور اشراق اور روشن ضمیری سے کھلتے ہیں خدا تعالیٰ نے جس قوم کے ساتھ کبھی ہمیں ٹکرایا اس قوم پر قرآن کے ذریعہ سے ہی ہم نے فتح پائی۔" (الحق لدھیانہ)

مختصر یہ کہ برکاتِ تعلیم القرآن کا احاطہ کرنا کسی طور ممکن نہیں اور سب برکات کا خلاصہ یہی ہے کہ کتاب اور اس کی تعلیم بندہ کو اس کے خالق سے قریب کرنے کے واسطے نازل کی گئی اور یہی برکت تمام برکتوں سے افضل و اکمل ہے۔

ماحصلِ کلام

اس تمام تحریر کا خلاصہ یہی ہے کہ :۔

یا الٰھی! تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
ہے قصور اپنا ہی اندھوں کا وگرنہ وہ نور
ایسا چمکا ہے کہ صد نیر بیضا نکلا
زندگی ایسوں کی کیا خاک ہے اس دنیا میں
جن کا اس نور کے ہوتے بھی دل اعمیٰ نکلا

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ بیان فرماتے ہیں :۔

"اگر ہمارے دل میں یہ خواہش ہے کہ ایک طرف ہمارا رب ہم سے راضی ہوجائے اور دوسری طرف آئندہ نسلیں بھی ہمیں نیک نام سے یاد کریں، ہمارے لئے دعا کرنے والی ہوں اور خدا کے حضور گڑگڑانے والی ہوں کہ اے خدا! ان لوگوں پر اپنی زیادہ سے زیادہ رحمتیں نازل کرتا چلا جا، تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم قرآنِ کریم کو سیکھیں، جانیں اور اس کی اتباع کریں اور اس کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں۔ اسی لئے میں نے قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کی طرف جماعت کو توجہ دلائی تھی۔" (قرآنی انوار)

پھر خلیفہ وقت کا سب سے اہم کام بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

"خلیفہ وقت کا سب سے بڑا اور اہم کام یہی ہوتا ہے کہ وہ قرآن کریم کی تعلیم کو رائج کرنے والا ہو۔ اور نگرانی کرنے والا ہو کہ وہ لوگ جو سلسلہ حقہ کی طرف منسوب ہونیوالے ہیں کیا وہ قرآن کریم کا جوا اپنی گردنوں پر رکھنے والے ہیں؟ اور اس سے منہ پھیرنے والے نہیں، بلکہ اس کی پوری پوری اطاعت کرنے والے ہیں۔"

(قرآنی انوار)

اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت مسیح موعود نے اور آپ کے تمام خلفاء نے احیائے دین حق اور احیائے قرآن کے لئے اپنے شب و روز ایک کر دیئے۔ ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز کے دور میں خدا تعالیٰ نے وہ سامان فرمادیئے کہ جو جہاں ہے، وہیں اس روحانی مائدہ سے مستفیض ہو رہا ہے آپ نے اک دورہ جرمنی میں لجنہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا :۔

"ایم۔ٹی۔اے پر نشر ہونیوالی میری کلاسوں کی آڈیو اور ویڈیو کیسٹس تیار کر کے ان سے استفادہ کیا جائے اور یہ بھی کہ ترجمہ قرآن سیکھنے کے خواہش مند ہر شاگرد اپنے نوٹس کی کاپی اس نیت سے تیار کرے کہ وہ کاپی اس کے لئے ساری عمر کام دے گی...... آپ نے فرمایا...... میں نے یہ ترجمہ عربی گرامر کے تمام پہلوؤں کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ قرآن کریم شروع سے آخر تک پڑھنا ضروری ہے۔ اور جو ترجمہ قرآن سیکھنے کا عہد کرے اسے چاہئے کہ اپنی ساری زندگی کے نوٹس جمع کرنے کے لئے کاپی تیار کرے۔ بعض کی زندگی گزر جائیگی، بعض کے دس سال لگ جائیں گے تب کچھ حاصل ہوگا لیکن اگر آپ یہ کرلیں تو اگلی نسلوں کو سنبھال سکیں گی۔ پھر قرآن کا ترجمہ سیکھنے کے لئے دعائیں کی ہیں۔ میری تعلیم القرآن کلاس میری زندگی کا ماحصل ہے۔ پس ترجمۃ القرآن سیکھنے کے لئے اس سے فائدہ اٹھائیں۔"

(الفضل ۱۰ جولائی ۹۸ صفحہ ۳)

پس ہمارا یہ فرض بنتا ہے کہ سمعنا واطعنا پر عمل کرتے ہوئے آج کے سب سے بڑے استاد سے قرآن پڑھیں، اس پر غور کریں اور اس پر عمل کریں کیونکہ

"قرآن کریم کے بغیر، قرآن کی برکات کو چھوڑ کر، قرآن کریم کے نور سے پیٹھ پھیرتے ہوئے، قرآن کریم کو معزز نہ جان کر اپنے دلوں سے باہر نکال پھینکتے ہوئے ہم خدا کی نگاہ میں کوئی عزت، کوئی بلندی، کوئی

رفعت، کوئی کامیابی، کوئی کامرانی اور کوئی فتح حاصل نہیں کر سکتے" (قرآنی انوار صفحہ ۳۲-۳۴)

کیونکہ

الخیر کلہ فی القرآن (الہام حضرت مسیح موعودؑ)

ساری بھلائیاں اور نیکیاں اور سب موجبات رحمت قرآن کریم میں ہیں۔ اور رحمت کے کوئی سامان ایسے نہیں جو قرآن کریم کو چھوڑ کر کسی اور جگہ سے حاصل کئے جاسکیں اور رحمت کے ہر قسم کے سامان صرف قرآن کریم سے ہی حاصل کئے جاسکتے ہیں"

(قرآنی انوار صفحہ ۲۵)

اور اب آخر پر میں اپنی تحریر کو سمیٹتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند اقتباسات تارک قرآن شخص کے انجام کے متعلق تحریر کرتا ہوں آپ ارشاد فرماتے ہیں :-

جس شخص نے قرآن کریم کو ترک کر کے قیاس کی پیروی کی اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کی پردہ پڑ گیا اور وہ جان لیوا گڑھوں میں پڑ کر ہلاک ہو گیا۔

(التبلیغ صفحہ ۸۰۷)

آپ مواہب الرحمٰن صفحہ ۲۸ پر ارشاد فرماتے ہیں :-

"جو شخص قرآن کریم سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر ہوا وہ ایمان سے باہر نکل گیا"

فرمایا :-

"سوائے قرآن کریم کے ہماری کوئی کتاب نہیں جس شخص نے بھی اس کی مخالفت کی اس نے گویا اپنے آپ کو آگ میں جھونک دیا۔"

فرمایا :-

"وہ شخص جس نے قرآن کریم کو ترک کیا اور اس کے خادموں کو دشمن پکڑا وہ ہلاک ہو گیا۔

فرمایا :-

"قرآن کریم کو مت ترک کرو کیونکہ وہ ایسی کتاب ہے جس کا انسانوں اور جنوں سب سے سوال کیا جائیگا۔"

(اعجاز المسیح صفحہ ۱۷۸)

کیسا عبرت ناک انجام تارک قرآن کا حضرت مسیح موعودؑ نے بیان فرمایا ہے خدا کرے کہ ہم سب اک نئی روح پیدا کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ کے اس شعر کی روشنی میں خدمت قرآن پر کمر بند ہو جائیں جس میں آپؑ بڑے پر سوز انداز میں یہ پیغام دے رہے ہیں کہ :-

اے بے خبر بخدمت فرقاں کمر بہ بند
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

خدا کرے کہ ہم سب ان لوگوں میں شامل ہو جائیں جن پر قرآن کے اسرار و رموز کھولے جاتے ہیں، خدا کرے ہم سب بلاناغہ اس کی تلاوت کرنے، اس پر غور و فکر کرنے اور اس پر عمل کرنیوالے ہو جائیں، خدا کرے کہ ہم سب کامل طور پر تقویٰ کی راہوں پر چلتے ہوئے اس سے ہدایت پانے والے ہو جائیں، ایسی ہدایت کہ جس سے ولایت مل جاتی ہے۔

ماخذات

وہ کتب و رسائل جن سے اس مضمون کی تیاری میں استفادہ کیا گیا :-

۔ قرآن کریم
۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی — مرتبہ حضرت سید داؤد احمد صاحب جلد اوّل
۳۔ حدیقۃ الصالحین — مرتبہ حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب
۴۔ قرآنی انوار — خطبات حضرت خلیفۃ المسیح الثالث
۵۔ القصائد الاحمدیہ — عربی درثمین حضرت بانی سلسلہ
۶۔ شانِ قرآن مجید — تقریر مولوی دوست محمد صاحب شاہد بر موقعہ جلسہ سالانہ 1974
۷۔ الفضل — ۲۹ اگست، یکم و دو ستمبر ۱۹۸۴ء، ۱۰ جولائی ۱۹۹۸ء

ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

خزانے تقسیم کرنے والا ——— امام مہدی

پانچ لاکھ روپے کے انعامات کی تفصیل

(تحریر و ترتیب: سید مبشر احمد ایاز مدیر "خالد")

"ہم نے مالی انعامات دے دے کر ان لوگوں کو اپنے مقابلہ پر بلایا مگر یہ لوگ نہ آئے۔ مگر ہم دینے سے تھکے نہیں ابھی اور دیں گے اور اگر وہ اسے قبول نہ کریں گے تو گویا اپنے ہاتھوں سے ایک اور پیشگوئی ہمارے حق میں پوری کر دیں گے وہ یہ کہ حدیث شریف میں ہے کہ مسیح موعود مال دے گا اور لوگ نہ لیں گے............"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 485 (طبع جدید)

آنے والے مہدی کے بارے میں جو علامات مذکور ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ خزانے لٹائے گا۔ تقسیم کرے گا لیکن کوئی لینے والا نہیں ہوگا۔

اس پر معارف قول رسول ﷺ کے حقیقی اور عارفانہ معانی تو یہی ہیں کہ یہاں خزانوں سے مراد مادی مال و دولت کے خزانے نہیں بلکہ روحانی خزانے مراد ہیں یعنی قرآنی معارف اور ملفوظات و تعلیمات۔ سو آنے والے نے جو کہ "دبستان محمد" سے تعلیم یافتہ تھا۔ اس نے خدا تعالیٰ سے علم پا کر ان خزائن کے دریا بہا دیئے۔ لیکن واقعی اکثریت نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس نے بلایا کہ آؤ میرے پاس آؤ لیکن سننے والوں نے نفرت سے منہ پھیر لیا۔ اس نے محبت سے پیش کیا انہوں نے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ خیر یہ تو لمبی اور دردناک اور افسوسناک تفصیل ہے، اس کو یہیں چھوڑتے ہوئے اس حدیث کے دوسرے پہلو کو لیتے ہیں اور وہ ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ اس سے ظاہری اور مادی خزائن بھی مراد لئے جائیں تو بھی یہ عجیب و غریب اور دلچسپ رنگ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ "وہ خزانے لٹائے گا اور لوگ لینے سے انکار کریں گے" خزانے لٹانا تو اتنا عجیب نہیں لگتا جتنا لینے سے انکار عجیب لگتا ہے۔ بھلا کون ہے جو ایسا کرے گا۔ کیونکہ مال و دولت کی حرص تو ایسی ہے کہ حدیث میں آتا ہے اگر سونے کی وادیاں بھی ان کو مل جائیں تو بھی وہ مزید کا مطالبہ کریں۔

اور ہندوستان کے غریب و پسماندہ ملک میں جب مادی خزانے تقسیم ہوں تو کیا صورت حال ہوگی۔ اس وقت کے عوام کیا اور مولوی کیا، مسلمان کیا عیسائی اور ہندو کیا۔ غربت کی چکی میں تو پس رہے تھے۔ اقتصادی بدحالی کا شکار۔ حیلوں بہانوں سے پیسے کی آمد کے منتظر۔ ایک ایک پیسے کی تاک میں بیٹھے ہوئے۔ ایسے میں مہدی موعود کی آواز آتی ہے کہ یہ لو۔ دس ہزار روپے۔ پانچ ہزار۔ ایک ہزار۔ پانچ صد روپے۔ سو روپیہ۔ پچاس روپے۔ پچیس روپے۔ ایک روپیہ۔ بیس ہزار۔ تین لاکھ روپے۔ میں قادیان کا رئیس ہوں۔ آؤ مجھ سے ساری جائیداد لے لو۔ لیکن حیرت کی انتہاء ہوتی ہے جب یہ پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی مال و دولت کے یہ خزانے لینے آگے نہیں آیا۔ تو اس پہلو سے بھی نبی اکرم ﷺ کا یہ قول پورا ہو گیا کہ مہدی خزانے لٹائے گا لیکن کوئی لے گا نہیں۔

ذیل کا مضمون کچھ اسی دلچسپ داستان کی پہلی قسط ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو دولت مادی رنگ میں لوگوں کو پیش کی اس کا مختصر ترین ذکر ہے۔ اسکی جملہ تفصیلات، پس منظر آپ اس مضمون کی تیسری قسط میں پڑھیں گے۔ پہلی دو قسطوں میں صرف اجمالی طور پر ان تمام انعامات پر ایک طائرانہ نظر ہو گی۔

بہت بہتر ہو گا کہ ان حوالوں کی مدد سے آپ خود اصل کتاب سے اس کا مطالعہ کریں اور لطف اندوز ہوں۔ مزہ اٹھائیں۔ فخر سے سر بلند کریں کہ کس طرح لڑکھڑاتے اور ڈگمگاتے ہوئے دین کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دفاع کیا اور اس کو مضبوط چٹان کی طرح دوبارہ سے سر بلند کر دیا۔ اور پھر سر کو جھکائیں خدا کے حضور کہ ہمیں یہ توفیق دی کہ ہم اس مہدی کو ماننے والوں میں شمار ہوئے۔ نہ صرف اس مہدی کو بلکہ مہدی کے ان جانشینوں کو بھی جو خلیفۃ المسیح کی صورت میں۔ خدا نے محض اپنے فضل سے ہمیں دیئے۔

1۔ -/10,000 روپے کا انعام

حقانیت فرقان مجید اور نبوت حضرت محمد ﷺ ثابت کرنے کے لئے براہین احمدیہ میں دلائل درج فرمائے اور مخالفین مذہب اسلام کو چیلنج دیا کہ ان دلائل کو یا ان دلائل کے کچھ حصہ کو بھی اگر کوئی توڑ دے .... تو مبلغ دس ہزار روپے انعام کے طور پر دیئے جائیں گے۔ (براہین احمدیہ جلد اول صفحہ ۱۷)

2۔ -/50 روپے کا انعام

پادری عماد الدین نے قرآن مجید میں مذکور "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پر اعتراض کیا ہے کہ یہ فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ پادری تو عربی زبان سے ویسے ہی بے بہرہ ہے اگر کوئی قصہ جو ہم بیان کریں اور وہ قصہ عربی زبان میں بیان ہی کر دے اور منصفین یہ کہہ دیں کہ واقعی عربوں کے مذاق پر عمدہ اور لطیف تقریر ہے تو بطور انعام کے پچاس روپے اسے ہم دیں گے۔

(براہین احمدیہ صفحہ ۴۳۲ تا ۴۳۴۔ حاشیہ نمبر ۱۱)

3۔ -/500 روپے کا انعام

تناسخ کے باطل ہونے اور وید و قرآن کا مقابلہ کرنے کے متعلق ایک اشتہار اور عاجز آنے کے نتیجہ میں مبلغ پانچ صد روپے کا اشتہار۔ (پرانی تحریریں، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۳۔ نیز یہ اشتہار سب سے پہلے فروری ۱۸۸۷ء میں دیا تھا۔)

4۔ -/500 روپے

وید کے اصولوں کے رد اور قرآن مجید کی تعلیمات و اصول کی سچائی ثابت کرنے کی بابت بوعدہ پانچ صد روپے انعام۔

(سرمہ چشم آریہ ٹائیٹل پیج، صفحہ نمبر ۳۲۱۔ روحانی خزائن جلد ۲)

5۔ -/100 روپے

ماسٹر مرلیدھر صاحب کا موقف ہے کہ قرآن کریم میں وصال الٰہی اور لذات روحانی کا کوئی ذکر نہیں مگر وید میں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا کہ میں ایک رسالہ لکھوں گا اس کے مقابل پر مرلیدھر صاحب ایک رسالہ لکھیں جس میں وید میں سے روحانی لذات نکال کر بتائیں کہ قرآن سے کہیں بڑھ کر ان کا ذکر ہے تو سو روپے انعام دیا جائے گا۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۰۷، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۱۵۵)

6۔ -/100 روپے

مرلیدھر صاحب (آریہ سماجی عالم) نے یہ کہا تھا کہ قرآن مجید میں اور آنحضرت ﷺ کو روحوں کے بارے میں کچھ علم نہیں اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چیلنج دیا کہ میں قرآن مجید کے حوالوں سے علم روح پر ایک رسالہ لکھوں گا اس کے جواب میں وید کی روشنی میں مرلیدھر صاحب یا کوئی اور آریہ رسالہ لکھے صرف رسالہ لکھنے پر ہی میں ایک سو روپیہ اس کو دے دوں گا۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۱۳۰، ۱۷۸)

7۔ -\500 روپے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ویدوں کے بالمقابل قرآن مجید اور اسلام اور آنحضرت ﷺ کی سچائی کے دلائل پر مشتمل سرمہ چشم آریہ تصنیف فرمائی اور اس میں لکھا کہ یہ کتاب پڑھ کر بھی اگر وید کی صداقت پر یقین ہو تو پھر یہ کہ وید اور قرآن میں سے کون سچا ہے تو آخر الحیل مباہلہ ہے۔ آریہ راہنماؤں میں سے کوئی مباہلہ کرے اور ایک برس تک دونوں میں سے کسی پر بھی کوئی وبال نہ آئے تو مباہلہ کرنے والے آریہ کو پانچ صد روپے بطور تاوان دئے جائیں گے۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۵۰، ۲۵۱ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۳۰۱، ۳۰۰)

8۔ -\500 روپے

کوئی آریہ یا عیسائی۔ چالیس روز تک قادیان میں آکر رہے اور اس عرصہ میں اگر کوئی خارق عادت نشان ملاحظہ نہ کر سکیں تو پانچ صد روپے نقد دیئے جائیں گے۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۶۰، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۳۱۰)

9۔ -\50 روپے فی اعتراض

قرآن کریم پر بڑھ بڑھ کر اعتراض کرنے والوں کو حضور نے چیلنج دیا ہے کہ قرآن کریم کے اصولوں یا تعلیمات پر اعتراض ہوں تو بڑے بڑے اعتراض پیش کریں اگر ہم کافی وشافی جواب دینے سے قاصر رہے تو فریق مخالف کو فی اعتراض پچاس روپے بطور تاوان دیا جائے گا۔ (سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۳۱۳ اشتہار مفید الاخبار صفحہ ۳)

10۔ -\500 روپے

حضور کی کتاب سرمہ چشم آریہ کا رد لکھنے پر پانچ صد روپے کا انعام۔ (سرمہ چشم آریہ، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۳۲۱)

11۔ -\100 روپے (یا تنخواہ کا دوچند)

ایک گمنام آریہ نے اعتراضات کئے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کی کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ حضور نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ قادیان میں ہمارے پاس آکر رہے اگر اس عرصہ میں کوئی پیش گوئی ظہور میں نہ آئے تو ایک سو روپے یا جتنی تنخواہ وہ پاتا ہے اس کا دوگنا بطور ہرجانہ اس کو دیا جائے گا۔

(شحنۂ حق صفحہ ۴۹، روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۳۷۵)

12۔ -\50 روپے + -\1000 روپے

مباحثہ لدھیانہ میں مشہور اہل حدیث عالم مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے کہا کہ "الدجال" کا لفظ جو احادیث میں آیا ہے اس سے مراد صرف "مسیح الدجال" نہیں بلکہ دوسرے دجال بھی مراد ہیں تو حضور نے مباحثہ لدھیانہ صفحہ ۱۹۹ میں فرمایا کہ صحاح ستہ کی حدیثوں سے اگر مولوی صاحب ثابت کر دیں تو پانچ روپے تاوان دوں گا۔ آپ نے ازالہ اوہام صفحہ ۴۷۷ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۵۷۷ میں پانچ روپے سے بڑھا کر پچاس روپے کر دیا اور پھر اسی کتاب کے صفحہ ۵۰۳ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۶۰۳ پر حضور نے رقم کو مزید بڑھا کر ایک ہزار روپے کر دیا۔

13۔ -\1000 روپے

لفظ "توفی" کے بارے میں حضور علیہ السلام نے چیلنج دیا کہ توفی کا لفظ خدا تعالیٰ کے فعل کی حالت میں جو ذی الروح کی نسبت استعمال کیا گیا ہو اور وہ قبض جسم کے معنوں میں بھی اگر استعمال ہوا ہو تو ایسا ثابت کرنے والے کو ایک ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔

(ازالہ اوہام صفحہ ۵۰۳، ۵۰۲ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۶۰۳، ۶۰۲)

14۔ -\25 روپے

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو چیلنج دیا کہ کچھ متعارض حدیثیں ان کی خدمت میں پیش کی جائیں گی اگر امام ابن خزیمہ کے موافق تطبیق کر کے دکھا دیں تو پچیس روپے تاوان کے طور پر دیے جائیں گے۔

(الحق لدھیانہ صفحہ ۱۰۳ روحانی خزائن جلد ۴ صفحہ ۱۰۵)

15۔ -/5000 روپے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی تصنیف "نور الحق" کا جواب لکھنے پر جس کا چیلنج حضور نے تمام مخالف علماء کو دیا کہ جواب لکھیں اور پانچ ہزار روپے انعام پائیں۔

(نور الحق حصہ اول ٹائیٹل پیج)

حضور نے اس انعام کا تذکرہ کئی کتب میں فرمایا ہے جس کی تفصیل بعد والی اقساط میں آئے گی۔ انشاء اللہ

16۔ -/1000 روپے

اگر کوئی ثابت کر دے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پہلے کسی زمانہ میں ایسا مدعی مہدویت ہوا اور اس کے لئے رمضان میں گرہن بھی ہوا تو ایسا ثابت کرنے والے کو ایک ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔ (نور الحق حصہ دوم صفحہ ۲۶، روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۲۱۲)

17۔ -/27 روپے

حضور کی تصنیف سر الخلافہ کا جواب دینے پر جو کہ ۲۷ دنوں میں چھپ کر تیار ہوئی۔ ("سر الخلافہ" ٹائیٹل پیج)

18۔ -/2 روپے فی غلطی

اکثر مخالف علماء اور بالخصوص مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی وغیرہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی تصنیفات کے متعلق اعتراضات کرتے رہتے کہ یہ تو غلط عربی ہے۔ حضور نے ان لوگوں کے لیڈر محمد حسین کو خاص طور پر چیلنج کیا کہ آؤ میری عربی تصنیف "سر الخلافہ" کا جواب لکھو اور پھر میری تصنیف کی غلطیاں نکالو فی غلطی دو روپے دئے جائیں گے۔ (مزید تفصیل بعد والے مضمون میں) نوٹ: انجام آتھم میں آپ نے عربی کتب کی غلطیاں نکالنے پر فی غلطی ایک روپیہ بھی مقرر فرمایا ہے۔ صفحہ ۲۴۳ مزید تفصیل آئندہ اقساط میں۔

(سر الخلافہ صفحہ ۲ روحانی خزائن جلد ۸ صفحہ ۳۱۶)

19۔ -/1000 روپے

"کرامات الصادقین" میں حضور نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر فرمائی اور چیلنج دیا کہ میرے بالمقابل قرآن کے معارف بیان کر سکو تو ایک ہزار روپے انعام۔

20۔ -/3000 روپے

حضور کی تصنیف نور الحق حصہ دوم کا جواب لکھنے پر تین ہزار روپے انعام۔

(سر الخلافہ صفحہ ۸۵، روحانی خزائن جلد ۸، صفحہ ۳۹۹)

21۔ -/1000 روپے

رمضان میں جب حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کے نشان کے طور پر چاند اور سورج کو گرہن لگا تو بدنصیب مولویوں سے اور تو کچھ بنا نہیں یہ جاہلانہ اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ پہلی رات کے چاند کو گرہن لگنا تھا۔ حضور نے جہاں تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی وہاں آپ نے فرمایا کہ عربی زبان میں پہلی رات کے چاند کو "ہلال" کہتے ہیں جبکہ احادیث میں گرہن لگنے کے لئے "قمر" کا لفظ آیا ہے اگر کوئی مولوی ثابت کر دے کہ پہلی رات کے چاند کو ہلال نہیں کہتے قمر ہی کہتے ہیں تو ایک ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔

(نور الحق حصہ دوم صفحہ ۱۹۹، روحانی خزائن جلد ۸)

22۔ -/4000 روپے

مشہور عیسائی عالم پادری عبداللہ آتھم جس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اسلام کے خلاف امرتسر میں مباحثہ کیا تھا............ حضور نے مباحثہ کے آخر پر خدا سے خبر پا کر یہ اعلان کیا کہ اگر عبداللہ آتھم نے حق کی طرف رجوع نہ کیا تو پندرہ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جائے گا۔ عبداللہ آتھم جو کہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کو پہچانتا تھا اور مزید برآں جب خدائی گرفت کے آثار ظاہر ہونے

شروع ہوئے تو وہ دل گرفتہ ہوا اور ڈر گیا۔ خدائے رحیم وغفور نے یہ رجوع دیکھ کر عذاب کی گرفت ڈھیلی کر دی اور پندرہ ماہ گزر گئے۔ اس پر مخالفین نے شور ڈالا کہ پیشگوئی جھوٹی نکلی اس پر حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ آتھم ڈر گیا تھا اور اس کا یہ ڈر اور اسلام کے خلاف زبان بند رکھنا ہی رجوع تھا ہاں اگر آتھم قسم کھا کر یہ اعلان کر دے کہ وہ نہیں ڈرا تو اس کو ایک ہزار روپے انعام بھی دیا جائے گا۔ آپ نے یہ انعام بڑھا کر چار ہزار روپے تک کر دیا۔ اس کی دلچسپ تفصیلات حضور کی متعدد کتب خصوصاً انوار الاسلام اور انجام آتھم وغیرہ میں پڑھی جاسکتی ہیں۔

23۔ 500/- روپے

عبدالحق غزنوی کے ساتھ مباہلہ ہوا تو کچھ عرصہ کے بعد حضور نے لکھا کہ خدا تعالیٰ نے یہ 'یہ افضال واکرام کا سلوک میرے ساتھ کیا ہے' کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مباہلہ کے بعد عبدالحق غزنوی یا اس کے گروہ کو عزت ملی......... حضور نے فرمایا کہ محمد حسین بٹالوی کو منصف بنالیں اور میں ان انعامات کا تذکرہ کروں گا اگر مولوی صاحب قسم کھا کر کہہ دیں کہ عبدالحق غزنوی کے گروہ کو عزت ملی ہے تو اسی وقت پانچسو روپے انہیں دے دیئے جائیں گے۔

(انوار الاسلام صفحہ ۳۳ روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۳۴)

24۔ 1000/- روپے

مولوی رشید احمد گنگوہی کی دیانت وایمانداری پرکھنے کے لئے حضور نے ایک اشتہار شائع کیا جس پر ایک ہزار روپے کا انعام رکھا۔

(انوار الاسلام صفحہ ۴۷)

25۔ 5000/- روپے

عربی زبان کے ام الالسنہ ہونے پر پانچ ہزار روپے کا چیلنج۔

(منن الرحمٰن صفحہ ۱۴، روحانی خزائن جلد ۹، صفحہ ۱۳۹)

26۔ 1000/- روپے

پادری فتح مسیح نے آنحضرت ﷺ کی ذات بابرکات پر حملہ کرتے ہوئے اعتراضات کئے ان کے ذکر میں ایک جگہ حضور نے قیصر روم کا واقعہ بیان فرمایا کہ کس عظمت واحترام کے ساتھ اس نے حضور ﷺ سے محبت کے رنگ میں اظہار کیا۔ آپ نے فتح مسیح کو چیلنج کیا کہ جو عظمت اور توقیر روم کے بادشاہ نے حضور پاک ﷺ کی کی تھی کیا وہ ثابت کر سکتا ہے کہ ان کے انجیلی یسوع کی کسی ادنیٰ سے نواب نے ہی کی ہو۔ اگر ایسا حوالہ وہ انجیل سے نکال دے تو ایک ہزار روپے انعام پائے۔

(نور القرآن نمبر ۲ صفحہ ۸، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۳۸۳)

27۔ 5000/- روپے

اس پادری فتح مسیح نے اعتراض کیا کہ چار نمازیں آنحضرتؐ نے قضاء کیں، حضور نے اس کا جواب تو دیا:

اس عیسائی پادری اور "عالم" کی خبر اس طرح لی کہ کہنے کو تم عالم ہو اور قرآن جیسی عظیم الشان اور معرکۃ الآراء عربی کتاب مقدس پر اعتراض کرتے ہو ذرا اپنی علمی حیثیت تو دیکھو۔ حالت یہ ہے کہ نمازوں کے اس طرح رہ جانے پر تم "قضاء" کا لفظ استعمال کر رہے ہو۔ نہ عربی کی تمہیں سمجھ۔ نہ فقہ اسلامی کی کہ ایسی نمازوں کو "فوت" ہونا کہتے ہیں۔ اور اس نماز کو جب ادا کیا جائے تو اس کو "قضاء" کہتے ہیں۔ آپ نے اس پادری کو چیلنج دیا کہ فوت شدہ نمازوں کے لئے "قضا" کا استعمال ثابت کرو تو پانچ ہزار روپے دیئے جائیں گے۔

(نور القرآن نمبر ۲ صفحہ ۱۴، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۳۸۹)

28۔ 1000/- روپے

اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ بہشتیوں کی روحانی جزاء قرآن کی نسبت انجیل میں زیادہ بڑھ کر ہے تو اسے ایک ہزار روپے بطور انعام کے دیئے جائیں گے۔

(نور القرآن نمبر ۲، صفحہ ۴۹، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۲۴)

29- -\100روپے

حضور نے ہندو کتب کے حوالوں سے ثابت کیا کہ نیوگ کا قابل شرم مسئلہ ان کی مذہبی کتب میں موجود ہے اور اگر حضور کے پیش کردہ حوالے غلط ہوں تو سو روپیہ اسے دیا جائے گا۔

(آریہ دھرم صفحہ ۱۴، روحانی خزائن جلد نمبر ۱۰)

30- -\1000روپے

پادری عبداللہ آتھم بالآخر حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیوں کے مطابق ہلاک ہو گیا تو حضور نے فرمایا کہ اگر اب بھی کسی کو شبہ ہو کہ یہ حضور کی پیشگوئی کے مطابق نہیں مرا تو میرے بالمقابل قسم کھالے تو ایک ہزار روپے اس کو دیئے جائیں گے۔

(انجام آتھم روحانی خزائن جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۲۲)

31- -\1000روپے

اسلام اور عیسائیت کی صداقت کے لئے کوئی عیسائی مباہلہ کرے اور ایسی صورت میں قسم کھانے والے کو ایک ہزار روپیہ دیا جائے گا۔

(انجام آتھم، روحانی خزائن جلد نمبر ۱۱، صفحہ ۲۳)

32- -\10,000روپے

اسلام اور عیسائیت کے مابین فیصلہ کے لئے حضور نے فرمایا کہ بہتر طریق یہ ہے کہ دونوں فریق دعا کریں کہ خدا کی نظر میں جو کاذب ہو اس پر خدا کا قہر نازل ہو اور ایک سال تک اگر خدا کا قہر نازل نہ ہو یا مجھ پر نازل ہو تو میں دس ہزار روپیہ دوں گا اور بے شک تین ہزار روپیہ پیشگی لے لیں۔

(انجام آتھم روحانی خزائن جلد ۱۱ صفحہ ۴۰)

33- -\1000روپے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چیلنج دیا کہ میرے الہامات کا موازنہ کر لیں یسوع کے کلمات کے ساتھ، اور پھر دیکھیں کہ کس کی عظمت زیادہ ثابت ہوتی ہے اگر میری نسبت تمہارے انجیلی یسوع کی عظمت زیادہ ثابت ہو تو ایک ہزار روپے بطور انعام کے لے لیں۔

(کتاب البریہ صفحہ ۸۸، روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۰۶)

34- -\20,000روپے

کوئی مولوی ایسی حدیث پیش کرے کہ جس سے ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰ بجسم عنصری آسمان پر گئے اور آسمان سے ہی واپس آئیں گے۔ تو بیس ہزار روپے انعام

(کتاب البریہ صفحہ ۲۰۷ حاشیہ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۲۲۵)

35- -\1000روپے

اگر کوئی عیسائی یسوع کے نشانات کو حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے نشانات سے بڑھ کر ثابت کر دے تو اس کو ایک ہزار روپے کی رقم دی جائیگی۔

(سراج منیر روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۱۰۲)

36- -\360روپے

لیکھرام کو حضرت مسیح موعود کی پیشگوئی بتائی جائیگی اور اگر وہ سچی نہ ہو تو تین سو ساٹھ روپے بطور ہرجانہ اسے دیئے جائیں گے۔

(استفتاء صفحہ ۹۔ روحانی خزائن جلد ۱۲۔ صفحہ ۱۱۲)

37- -\50روپے

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کو چیلنج دیا کہ اس کے سامنے عربی زبان میں دو مضمون دیئے جائیں گے ایک حضور کا اپنا ہو گا اور ایک دوسرے عرب ادیب کا اگر محمد حسین فرق کر دے کہ حضور کا کون سا ہے اور عرب ادیب کا کون سا ہے تو ۵۰ روپے اس کی نذر ہوں گے۔

(حجۃ اللہ صفحہ ۷ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۱۴۵)

38- -\500روپے

سورۃ فاتحہ میں جو معارف بیان ہوئے ہیں اس کے مقابلہ میں

تورات وانجیل سے کوئی معارف بیان کر سکے تو پانچ صد روپے انعام اس کو دیئے جائیں گے۔

(سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب صفحہ ۳۴ روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۳۶۰)

39۔ -\500 روپے

توفی کے معانی خدا کے فاعل اور انسان کے مفعول ہونے کی صورت میں قبض روح کے سوا اور کوئی نہیں۔

(تریاق القلوب صفحہ ۳۰۰ حاشیہ روحانی خزائن جلد ۱۵ صفحہ ۴۵۸)

40۔ -\5 روپے

پیر مہر علی شاہ کے بالمقابل حضور بھی قرآن کریم کی تفسیر لکھیں تو پھر حضور کی تفسیر میں توفی غلطی پانچ روپے ملیں گے۔

(نزول المسیح صفحہ ۶۵ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۴۱)

41۔ -\10,000 روپے

حضور کی تصنیف اعجاز احمدی کے بالمقابل نظم و نثر بنانے پر مولوی ثناء اللہ امرتسری کو چیلنج کہ ایسا کرنے پر اس کو دس ہزار روپے پیش کئے جائیں گے۔

(اعجاز احمدی ٹائیٹل پیج / روحانی خزائن جلد ۱۹)

42۔ -\100 روپے فی پیشگوئی

ثناء اللہ امرتسری صاحب کا کہنا تھا کہ مرزا صاحب کی کوئی پیشگوئی بھی پوری نہیں ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے اس کو دعوت دی کہ قادیان آئیں پیشگوئیوں کی تصدیق کے لئے، کم از کم نزول المسیح میں ڈیڑھ صد سے زائد پیشگوئیاں ہیں۔ ایک ایک کی تصدیق کر کے جو پیشگوئی پوری نہ ہوئی ہو یا غلط نکلے فی پیشگوئی ایک سو روپیہ اس کو دیا جائے گا۔

(ضمیمہ نزول المسیح صفحہ ۲۸ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۱۳۲)

43۔ -\1000 روپے

آریوں نے عرش کے بارے میں اور اس نسبت سے خدا تعالیٰ کے بارے میں اعتراضات کئے ہیں اور یہ کہا ہے کہ گویا عرش کوئی جسمانی وجود رکھنے والی چیز ہے۔ حضور نے فرمایا کہ قرآن کریم تو ہرگز ایسے عرش کی تعلیم نہیں دیتا اگر کوئی آریہ یہ ثابت کردے کہ قرآن میں عرش کو جسمانی چیز قرار دیا گیا ہے تو اسے ایک ہزار روپیہ دیا جائے گا۔ (نسیم دعوت صفحہ ۹۳، روحانی خزائن جلد ۳ ۴۵۳)

44۔ -\200 روپے

اگر توفی کے معنی خدا کے فاعل اور انسان کے مفعول ہونے کی صورت میں قبض روح کے علاوہ کوئی اور ہوں۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۳۸۳)

45۔ -\1000 روپے

بد عقیدوں اور بد اعمال کے بیان اور خدا کی ہستی اور اس کی توحید کے بیان میں اگر وید قرآن سے سبقت لے گئے ہیں تو ایسا ثابت کرنے والے کو ایک ہزار روپے پیش کئے جائیں گے۔

(چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۴۳)

46۔ -\300,000 روپے

حضور نے پیغام صلح میں ہندوستان میں امن و آشتی کی فضا قائم کرنے کے لئے تجویز دی کہ اصل فساد کی وجہ تو مذہبی اختلاف ہے لہٰذا اگر ہندو آنحضرت ﷺ کو سچا نبی مانتے ہوئے حضور کی توہین و تکذیب چھوڑ دیں تو ہم وید کے رشیوں کے تعظیم سے نام لیں گے اور اگر ہم اس صلحنامہ کے خلاف کریں تو ایک بڑی رقم جو تین لاکھ سے کم نہیں ہوگی تاوان کے طور پر دیں گے۔

(پیغام صلح صفحہ ۷ اروحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۴۵۵)

47۔ -\500 روپے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آیات قرآنیہ اور

آنحضرت ﷺ کی سوانح کی روشنی میں یہ صداقت نبوت کا معیار پیش فرمایا کہ کوئی بھی ملہم من اللہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ جھوٹا ہو اور تئیس سال سے لمبا عرصہ پائے۔......... اس پر حافظ محمد یوسف صاحب وغیرہ نے کہا کہ یہ کوئی سچائی کا معیار نہیں ہم کئی ایسے لوگوں کے نام پیش کر سکتے ہیں......... حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسی نظیر پیش کرو تو پانچ سو روپے انعام دوں گا.........."

(اربعین نمبر ۳، صفحہ ۴۴، صفحہ ۵۹، ۶۰، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۸۶، صفحہ ۴۰۱-۴۰۲)

48۔ 500/- روپے

آریوں کا عقیدہ ہے کہ روحیں بے شمار ہیں اور پرمیشر کو بھی ان کی تعداد کا علم نہیں۔ حضور نے اس کی تردید میں اشتہار شائع فرمایا اور اعلان کیا کہ اس عقیدے کے رد میں ہم نے مضمون لکھا ہے جو صاحب ہمارے مضمون کو دلائل کے ساتھ رد کر دیں اور ثابت کر دیں کہ واقعی روحیں بے شمار ہیں تو پانچ صد روپے اس کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔

(اشتہار ۲ مارچ ۱۸۷۸ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۱، ۲)

49۔ 100/- روپے

پیر مہر علی شاہ اور علی حائری صاحب کے لئے نظم اور نثر میں مقابلہ کرنے پر ایک سو روپے انعام کا وعدہ۔

(نزول المسیح۔ روحانی خزائن جلد ۱۸ صفحہ ۴۴۸-۴۵۰)

50۔ 1000/- روپے

آریہ سماج کی طرف سے یہ کہا گیا۔ کہ تبدیلی مذہب کے لئے ضروری ہے کہ سارے وید پڑھ لئے جائیں اور پھر مذہب تبدیل کیا جائے وغیرہ.....

حضور نے فرمایا ذرا یہ خود تو ثابت کریں کہ ان کے ہم مذہب مرد و زن بلکہ کم از کم پانچ فیصد ہی ایسے پنڈت ہوں جو سنسکرت میں وید پڑھ سکتے ہوں تو ایک ہزار روپے دوں گا۔

(نسیم دعوت۔ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۶۸)

51۔ 1000/- روپے

اگر کوئی مخالف خواہ عیسائی خواہ بخشن مسلمان میری پیشگوئیاں کے مقابل پر آسمان سے آنے والے شخص کی پیشگوئیوں کو صفائی اور یقین کے مرتبہ پر زیادہ ثابت کر سکے تو ایک ہزار روپے اس کو ملیں گے۔

(تذکرۃ الشہادتین۔ روحانی خزائن جلد ۲۰۔ صفحہ ۴۳-۴۴)

52۔ 1000/- روپے

کوئی آریہ وید سے ثابت کرے کہ پرمیشر دائمی نجات دینے پر قادر تھا تو ایک ہزار روپے انعام۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳-۳۱)

53۔ 10,000/- روپے

وید کی رو سے پرمیشر کا وجود ہی کوئی آریہ ثابت کر دے۔ تو دس ہزار روپے انعام دیا جائے گا۔

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳۔ صفحہ ۱۳۶)

54۔ 1000/- روپے

کوئی یہ ثابت کرے کہ بدگوئی کی بنیاد ڈالنے والا میں ہی ہوں..... تو ایسے شخص کو ایک ہزار روپے دینے کو تیار ہوں۔

(البلاغ / فریاد درد۔ روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۳۸۸)

55۔ 1000/- روپے

مولوی عبدالحق غزنوی کو ایک ہزار روپے دینے کا وعدہ کہ اگر "خلت" کے معانی آسمان پر مع جسم عنصری کے بھی ثابت ہوں۔

(تحفہ غزنویہ۔ روحانی خزائن جلد ۱۵۔ صفحہ ۵۷۶)

56- -\3400روپے

آسمانی نشان مشاہدہ کرنے کے لئے حضور نے دعوت دی کی میرے پاس قادیان میں آکر ایک سال تک رہیں اور اگر کوئی نشان نہ دیکھیں تو دوسو روپے ماہوار کے حساب سے ہرجانہ وصول کرلیں۔

(مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ ۲۰ تا ۲۲)

57- -\200روپے

حضور علیہ السلام نے ایک عیسائی فتح مسیح اور پادری وائٹ بریخٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ کوئی پیش گوئی قبل از وقت معلوم کرنا چاہیں تو بعض شرائط کے ساتھ .... ان کو پیشگوئی بتائی جائے گی اگر وہ غلط نکلی تو دوسو روپے ہرجانہ دیا جائے گا۔

(اشتہار ۹ جون ۱۸۸۸ء مجموعہ اشتہارات جلد ا صفحہ ۱۵۰، ۱۵۲)

58- -\25روپے فی حدیث/آیت

مولوی سید نذیر حسین صاحب دھلوی کو چیلنج دیا کہ حضرت عیسیٰ کے زندہ آسمان پر جانے کے حق میں وہ آیات اور احادیث صحیحہ پیش کریں تو فی آیت اور فی حدیث پچیس روپے ان کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔

(اشتہار ۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء جلد اول صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۹)

59- -\10,000روپے

حضور نے فرمایا کہ لیکھرام حضور کی پیشگوئی کے مطابق خدا کے عذاب کا نشانہ بنا اور اگر اب بھی کسی کو شبہ ہے تو وہ میرے سامنے آئے اور قسم کھائے کہ لیکھرام ہرگز میری پیشگوئی کے نتیجہ میں نہیں مرا تو اگر ایک سال کے اندر اندر وہ نہ مرا تو جھوٹا ٹھہروں گا.........

اس کے جواب میں لالہ گنگا بشن داس سامنے آیا اور دلچسپ شرائط و امور کا تبادلہ ہوا جن سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی تائید اور اپنی صداقت کا کس قدر یقین تھا کہ یہی ایک بات آپ کی سچائی کے لئے کافی ہے بہر حال اس نے مطالبہ کیا کہ اس کی کامیابی کی صورت میں دس ہزار روپے بھی اسے دیئے جائیں تو آپ نے یہ شرط بھی منظور فرمائی۔

(اشتہار ۱۵ اپریل ۱۸۹۷ء مجموعہ اشتہارات جلد ۲ صفحہ ۳۷۷، ۳۸۰)

60- -\500روپے

سردار راجندر سنگھ صاحب نے ایک رسالہ "خبط قادیانی" لکھا جس میں آنحضرت ﷺ کے خلاف بد زبانی کی اور بیان کیا کہ حضرت باوا نانکؒ ہرگز مسلمان نہیں تھے۔ حضور نے فرمایا کہ سردار صاحب قسم کھا کر اپنے ان عقائد کا اظہار کریں اور اگر ایک سال تک خدا تعالیٰ کی سزا نہ پائیں تو پانچ صد روپے دیئے جائیں گے۔

(اشتہار ۱۸ اپریل ۱۸۹۷ء مجموعہ اشتہارات جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ تا ۴۰۱)

61- -\2525.50روپے

محمد حسین بٹالوی صاحب کا حضور کے ساتھ مباہلہ ہو اور اگر محمد حسین صاحب کی خدا تعالیٰ تائید کرے تو ایک سال کے بعد دو ہزار پانچ سو پچیس روپے آٹھ آنے ان کی خدمت میں پیش کئے جائیں گے۔ (نوٹ: یہ اشتہار حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب ایڈیٹر الحکم کی طرف سے دیا گیا تھا)

(مجموعہ اشتہارات جلد ۲ صفحہ ۸۸_۹۰)

62- -\50روپے

حضور علیہ السلام نے اپنی تصنیف "تحفہ گولڑویہ" میں مندرج دلائل کے بارے میں پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو چیلنج دیا کہ ان دلائل کے رد میں رسالہ لکھیں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ایک مجمع میں فریقین کے دلائل پڑھ کر سنائیں اور پھر اعلان کریں کہ پیر صاحب کے دلائل درست ہیں تو پیر صاحب کو پچاس روپے انعام دیئے جائیں گے۔

(اشتہار یکم ستمبر ۱۹۰۲ء مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۷۶، ۴۷۵، ۴۷)

باقی آئندہ

جستہ جستہ

انتخاب "ادارہ خالد"

زیر نظر مضمون میں چند ایک واقعات ہیں جو نصائح بھی ہیں اور تربیت کے لئے بہت اہمیت کے حامل امور بھی۔
یہ انتخاب اس کتاب سے کیا گیا ہے جو مکرم محمد سعید احمد صاحب لاہور چھاؤنی کی شائع شدہ ہے اور اس کا نام بھی "جستہ جستہ" ہے۔

زبانیں سیکھنے کی اہمیت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں :۔

"..... دنیا کی تمام زبانیں سیکھنی چاہئیں۔ لیکن افسوس کہ سوائے کالجوں کے طالبعلموں کے کوئی غیر زبان نہیں سیکھتا اور وہ بھی صرف انگریزی سیکھتے ہیں جو ساری دنیا کی زبان نہیں۔ چاہئے کہ ہمارے علماء انگریزی، فرانسیسی، جرمن، روسی، پرتگیزی، سپانوی، لاطینی اور ولندیزی وغیرہ سب زبانیں جانتے ہوں اسی طرح سیام کی زبان اور جاپان کی زبان اور فلپائن کی زبان اور دوسرے تمام ممالک کی زبانیں ان کو آتی ہوں تا کہ ہر جگہ قرآن کریم پھیلا سکیں۔ ہمارے احمدی (مربی) کو بھی اس طرف خاص طور پر توجہ کرنی چاہئے۔ بعض (مربی) دس دس سال سے مغربی افریقہ میں کام کر رہے ہیں لیکن ابھی تک وہاں کی زبان پوری طرح نہیں آتی۔ زبان کا سیکھنا قرآن کریم کے پھیلنے کے لئے نہایت ضروری ہے......"

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز نے احمدی طلباء سے خطاب فرماتے ہوئے ۱۸ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو نصیحت فرمائی۔

"ہر طالب علم کو جو زائد وقت ملتا ہے اس میں یہ مشغلہ رکھ لے کہ کوئی زبان سیکھنی ہے۔" (الفضل ۲۸ اگست ۱۹۹۰ء)

جلسہ سالانہ برطانیہ پر (جولائی ۱۹۹۰ء) احمدیوں کو عمومی تحریک کرتے ہوئے فرمایا :۔

"زبانیں بھی سیکھیں اور اپنے آپ کو وقف کے لئے پیش بھی کریں۔" (الفضل ۲۹ اگست ۱۹۹۰ء)

شہید

مرکز ربوہ کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ احمدیہ انٹر کالجیٹ ایسوسی ایشن لاہور کے زیر اہتمام ایک تربیتی کلاس کا انتظام مرکز

میں کیا گیا۔ طلباء کا قیام لنگر خانہ میں تھا جس کے نگران حضرت حکیم فضل الرحمن صاحب تھے۔ محترم حکیم صاحب کی طبیعت جلال و جمال کا حسین مرقع تھی۔ اس وقت جوانی میں تو سمجھ نہ پائے کہ وہ کب خوش ہوتے ہیں اور کس بات سے ناراض ہو جاتے ہیں مگر اب ان کی باتیں اور عمل خوب سمجھ میں آگئے ہیں۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا' ہر حرکت اور سکون عین آسمانی طریق کے مطابق تھا۔ اس وقت غالباً ربوہ میں بجلی نہ آئی تھی اس لئے گرمی کے موسم میں ہاتھ سے جھلنے والے پنکھے استعمال ہوتے تھے۔ ایک روز دوپہر کلاس کے آرام اور مطالعہ کا وقت تھا۔ طلباء انفرادی مطالعہ اور سوال و جواب میں مشغول تھے۔ محترم حکیم صاحب بھی تشریف فرما تھے اور شریک گفتگو ہو جاتے تھے۔ ایک طالب علم کے ہاتھ کا پنکھا اس سے ٹوٹ گیا۔ اس نے کم علمی اور سادگی سے بلند آواز سے کہا کہ لو جی یہ پنکھا تو شہید ہو گیا ہے۔ محترم حکیم صاحب نے فوراً سرزنش فرمائی اور اس نوجوان کو استغفار کرنے کو کہا۔ فرمایا کہ شہید کا تو بہت بلند مقام ہے۔ تم نے اس مقدس اصطلاح کا غلط استعمال کیا ہے۔ آئندہ محتاط رہنا۔ ان کی اس فہمائش کا اثر خاکسار کی طبیعت پر ابھی تک ہے اور اپنی گفتگو میں محتاط رہنے کی کوشش کرتا ہوں۔

جائز کام

تعلیم الاسلام کالج ابھی لاہور میں تھا اور حضرت میاں ناصر احمد صاحب پرنسپل تھے۔ خاکسار کو ایک صاحب اختیار غیر از جماعت شخص سے کام تھا۔ پتہ چلا کہ یہ صاحب (اس وقت کے) حضرت میاں ناصر احمد صاحب کے دوست تھے۔ اس لئے یہ عاجز حضرت میاں صاحب کی خدمت میں تعارفی خط حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ میری بات سن کر آپ نے اپنے ذاتی پیڈ پر سفارشی چھٹی لکھ دی جو میں نے کھڑے کھڑے ان کے سامنے پڑھی۔ آخری فقرہ یہ تھا کہ :۔

"امید ہے کہ آپ اس عزیز کا جائز کام کر دیں گے"

میری نادانی اور ناسمجھی دیکھئے کہ میں نے حضرت میاں صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح تو میرا کام نہ ہو گا کیونکہ وہ شاید قواعد کے مطابق نہ تھا۔ آپ نے فرمایا :

"عزیز من میں تو صرف جائز کام کی سفارش کر سکتا ہوں۔ اسی کی ہمیں تعلیم و تلقین ہے۔"

آپ کا ارشاد ایسا دلسوز تھا کہ پھر کبھی مجھے غلط کام کروانے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور نہ ہی ناجائز کام کروانے کی سفارش چاہی۔

سیر و تفریح

دو سال قبل خاکسار کو سوئٹزرلینڈ جانے کا اتفاق ہوا۔ ایک مخلص احمدی سوئس دوست کے ہاں قیام تھا۔ بطور میزبان انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ سوئٹزرلینڈ میں کہاں کہاں جانا پسند کروں گا۔ میں نے اپنے حالات کے مطابق اور خصوصاً انجینئرنگ کے پیشہ سے منسلک ہونے کی وجہ سے ایک لمبی فہرست انکو پیش کر دی۔ بڑی خندہ پیشانی سے سنتے رہے پھر فرمایا کہ :۔

"میرا تو حسن ظن یہ تھا کہ تم سب سے پہلے ان جگہوں پر جانا چاہو گے جہاں پر ہمارے تینوں (خلفاء سلسلہ) تشریف لے گئے تھے۔"

ان کی اس بات سے خاکسار بہت نادم ہوا۔ بلکہ جب بھی یہ بات یاد آتی ہے میرا سر ندامت سے جھک جاتا ہے کہ ایک سوئس مجھ سے بازی لے گیا۔

انداز تربیت

ایک دفعہ ربوہ میں جماعت احمدیہ کی سالانہ شوریٰ کی ایک سب کمیٹی کا خاکسار ممبر تھا اور مولوی ابو العطاء صاحب بھی بطور معزز رکن کے شریک تھے۔ ایک تیزی سے پھیلی ہوئی معاشرتی برائی کی روک تھام کے ذرائع پر بحث تھی۔ بعض نوجوان اراکین نے جذبات کی رو میں بہہ کر گفتگو میں تیزی اختیار کی اور اپنے نقطۂ نگاہ پر اصرار کیا۔ کسی حد تک وہ حق بجانب تھے۔ بات آگے بڑھتی گئی حتیٰ کہ یہ کہہ دیا گیا کہ ربوہ میں بھی اس برائی کے اثرات ظاہر ہونے لگے ہیں۔ صدر صاحب سب کمیٹی اور دوسرے بزرگ اراکین نے بحث ختم کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ اچانک حضرت مولوی ابو العطاء صاحب گویا ہوئے کہ عزیزان...... ہر خیال جو دل و دماغ میں آئے ضروری نہیں

کہ زبان پر بھی لایا جائے خواہ وہ کتنا ہی درست کیوں نہ ہو۔ پھر ہمارا مرکز ربوہ بہت قابل احترام ہے۔ مولوی صاحب نے یہ فقرات کچھ ایسے دلنشین انداز اور سوز سے کہے کہ تکرار اور اصرار کرنے والے نوجوان شرمندہ ہو گئے۔

چند گزارشات

O ہمارا ترقی کا سفر لمبا ہے اور تربیت کا دور بھی طویل ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا تربیت کا معیار ہمیشہ بلند رہے۔ اس سلسلہ میں چند گزارشات پیش خدمت ہیں :۔

(۱) پنجگانہ نماز باجماعت تو فرض ہے۔ اس عاجز کو سینکڑوں رفقاء حضرت مہدی علیہ الصلوۃ والسلام کی صحبت سے فیض یاب ہونے 'انہیں دیکھنے یا ان کے حالات پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ مجھے ایک بھی رفیق ایسا نظر نہیں آیا جو رات کی خاص عبادت نماز تہجد کا پابند نہ ہو۔ اس لئے ہمیں اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ ہمارے مرد و زن اور چھوٹے بڑے حتی المقدور نماز تہجد کے پابند ہوں اور احمدی ہونے کے لئے یہ ایک واضح علامت بن جائے۔

(۲) ایک لمبے زمانے تک غیر اس بات کی گواہی دیتے رہے کہ ہر احمدی دیانتدار ہوتا ہے۔ احمدی ہونا ہی رشوت سے اجتناب اور بددیانتی سے بچنے کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ مالی امور سے متعلق عہدوں کے لئے غیر از جماعت لوگ سرکاری دفاتر اور نجی اداروں میں احمدیوں کی تلاش کر کے متعین کرتے۔ یہ روایت جاری رہنی چاہئے۔

(۳) احمدیوں میں باہمی اخوت ایسی ہو جیسی کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے پیدا فرمائی یعنی اس کی نظیر دنیاوی رشتوں میں نہ ملے۔

(۴) احمدیت میں داخل ہو کر ہمارے مزاج میں یہ بات داخل ہو جائے کہ ہم نیکی کو سنوار کر ادا کریں اور بدی کو بیزار ہو کر ترک کر دیں۔

(۵) شعائر دین حق کی حتی المقدور پابندی کی جائے۔ مثلاً داڑھی رکھیں اور مستورات پردہ کے زیور سے آراستہ ہوں۔ ننگے سر عبادت بھی نہ کریں۔

(۶) نظام جماعت کی پابندی کی جائے۔ ہم ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہو جائیں۔

(۷) تمام جماعتی مالی تحریکات میں بھرپور حصہ لیا جائے حتی کہ ہماری جماعت کی لغت سے بقایادار اور نادہند کے الفاظ ناپید ہو جائیں۔ رزق حلال حاصل کرنا اور پھر صحیح رنگ میں مالی قربانی کرنے کا تربیت اولاد سے بہت گہرا تعلق ہے۔

(۸) خلافت احمدیہ کے مظاہر اور امام وقت سے گہرا' عاجزانہ' والہانہ' عارفانہ اور عاشقانہ ذاتی تعلق ہونا چاہئے۔ خاکسار نے کینیڈا میں ایک عرب احمدی بھائی سے یہ سنا کہ احمدیت قبول کرنے کے بعد انہیں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ سے ان کی فیاضانہ طبیعت کے باعث ان کا قرب نصیب ہوا۔ ایک دفعہ انہوں نے ایسی ہی قربت کی ایک مجلس میں حضرت چوہدری صاحب سے دریافت کیا کہ آپ کے بے مثال اور شاندار دینی اور دنیاوی ترقیات کا راز کیا ہے۔ انہوں نے جواباً فرمایا کہ یہ برکت قدرت ثانیہ کے مظاہر سے خادمانہ تعلق کی وجہ سے نصیب ہوئی۔ اسی عرب دوست نے یہ بھی بیان کیا کہ دین حق کے قرن اول میں تین خلفاء راشدین کی شہادت کا خمیازہ عرب آج تک بھگت رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے قدرت ثانیہ کے مسئلہ پر بہت مطالعہ کیا ہے۔ مزید فرمایا کہ میں اب خلافت کی برکات کے موضوع پر گھنٹوں تقریر کر سکتا ہوں۔ ہر احمدی کو اپنی ذات میں برکات خلافت نظر آنی چاہئیں۔

(۹) دعا کی حقیقی دینی روح سے پوری طرح آگاہی حاصل کرنی چاہئے حتی کہ دعا ہمارا اوڑھنا بچھونا ہو جائے۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ نے دعا کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ ہمیں اس روحانی ہتھیار سے مزین ہونا چاہئے۔ خدا کرے کہ ہم میں کثرت سے حضرت مولوی غلام رسول راجیکی صاحب جیسے بابرکت دعا گو وجود ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں۔

والدین مندرجہ بالا گزارشات پر غور فرمائیں اور پھر اپنی اولاد کی تربیت کا عزم کریں۔ اللہ نے چاہا تو ہم مرنے کے بعد ایسی اولاد پیچھے چھوڑ جائیں گے جو ہماری بلندی درجات کے لئے دعا گو ہو گی۔ ہمارے لئے صدقہ جاریہ ہو گی اور ان کی طرف سے آخرت میں بھی

ہمیں قرۃ العین نصیب ہو گی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں احمدیت کی تعلیم کی چلتی پھرتی زندہ تصویر بنا دے اور ہمارا نمونہ ہماری اولادوں کے لئے بہترین ذریعہ تربیت ہو۔ آمین۔ (مطبوعہ روزنامہ الفضل ربوہ ۱۵ اگست ۱۹۹۶ء)

جو میں نے خود سنا

غالباً ۵۱-۱۹۵۰ء کی بات ہے کہ بیت دہلی دروازہ جماعت احمدیہ کی اجتماعی مساعی کا مرکز تھا۔ اس وقت لاہور شہر میں حضرت بانی جماعت احمدیہ کے کئی ایک رفقاء تھے۔ ایک دفعہ نماز جمعہ کے بعد خاکسار نے بیت دہلی دروازہ میں حضرت حکیم محمد حسین صاحب المعروف مرہم عیسیٰ والے کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ حضرت صاحب سے فیض یاب ہونے کا کوئی ایسا واقعہ سنائیں جس سے معلوم ہو کہ رفقاء نے حضرت صاحب کے طفیل زندہ خدا دیکھا۔

حضرت حکیم صاحب نے بیان فرمایا کہ ہم چار پانچ دوست قریباً ہر ہفتہ صحبت صالحین کی غرض سے لاہور سے قادیان جایا کرتے تھے۔ بٹالہ سے قادیان کا قریباً ۱۲ میل کا فاصلہ اگر یکہ نہ ملتا تو پیدل ہی طے ہوتا۔ یہی حال واپسی پر ہوتا۔ ایسی ہی ایک زیارت کے موقع کا واقعہ ہے کہ ہم نے واپسی کے لئے حضرت صاحب سے اجازت چاہی تو جواب ملا کہ انتظار کریں۔ میں ایک بہت اہم کتاب لکھ رہا ہوں جو جلد شائع ہونی ہے۔ مسودہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ ہم ذرا پریشان ہوئے کہ ریل گاڑی جس پر بٹالہ سے سوار ہونا تھا وہ تو نکل جائے گی۔ ایک دو دفعہ یاددہانی کرائی تو ارشاد ہوا کہ انتظار کریں۔ قریباً تین گھنٹے کے بعد حضرت صاحب باہر تشریف لائے اور کتاب کا مسودہ ہمیں دیتے ہوئے فرمایا کہ جلد واپس جائیں اور فلاں شخص کو دے دیں اور انہیں میری طرف سے جلدی چھاپنے کی تاکید کریں۔ اب ہم سب سوچ رہے تھے کہ گاڑی تو بٹالہ اسٹیشن سے چلی گئی ہو گی۔ جلدی کرنے کا کیا فائدہ مگر ہمیں اطاعت امام کا پورا پاس تھا۔ اس لئے اجازت لے کر فوراً روانہ ہو گئے۔ اور فیصلہ کیا کہ جلدی جانے کا حکم ہے اس لئے جوتیاں اتاریں اور حتی المقدور دوڑتے ہوئے بٹالہ جائیں۔ جونہی ہم بٹالہ ریلوے اسٹیشن پر پہنچے تو ریل گاڑی کھڑی نظر آئی۔ پہلے ہم نے خیال کیا کہ یہ گاڑی شاید کہیں اور جانے والی ہو مگر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ہماری مطلوبہ ریل گاڑی ہی تھی۔ اس کا انجن خراب ہو گیا تھا اور ابھی ابھی ٹھیک ہوا تھا۔ ہم نے ٹکٹ خریدے اور سوار ہو گئے۔ زندہ خدا نے اشاعت حق کی تڑپ کو قبول فرمایا اور ریل گاڑی اس وقت تک نہ چلنے دی جب تک مسودہ بردار سوار نہ ہو گئے۔

خوشی اور غمی کے آنسو

۱۹۵۴ء کے جلسہ سالانہ قادیان میں خاکسار کو شرکت کا موقع ملا۔ قریباً دو صد زائرین لاہور سے روانہ ہو کر بسوں کے ذریعہ نصف رات کے وقت قادیان پہنچے۔ استقبالیہ کے لئے چاق و چوبند درویشان قادیان منتظر تھے۔ جن میں رفیق بانی جماعت احمدیہ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی بھی شامل تھے۔ دراز قد، منحنی جسم نورانی چہرہ، معمر ہونے کے باوجود پوری طرح مستعد، ہر زائر سے معانقہ کرتے اور رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کی اس حالت کو دیکھ کر میں نے خیال کیا کہ زمانہ درویشی کے حالات پر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ زائرین کو دیکھ کر پاکستان میں بسنے والے اپنے اہل و عیال یاد آ گئے ہیں۔ قبل از تقسیم ملک کے زمانہ کے سالانہ جلسوں کی رونق یاد آ رہی ہے اور اس بے بسی کے ماحول کی گھٹن نے بے تاب کر دیا ہے۔ مگر مجھے حضرت بھائی صاحب سے اصل حقیقت معلوم کرنے کی جرات نہ ہوئی۔

اتفاق کی بات ہے کہ جلسہ سالانہ قادیان کے اختتام کے چند دنوں بعد حضرت بھائی صاحب لاہور تشریف لائے۔ نماز جمعہ بیت دہلی دروازہ میں ادا کی۔ بعد ازاں احباب جماعت سے ملے اور وہی قادیان میں قافلہ زائرین کے استقبال والا نظارہ دیکھا گیا۔ آخر میں جب حضرت بھائی صاحب کے پاس چند ایک احباب رہ گئے تو خاکسار نے ہمت کر کے ان سے پوچھا کہ احمدیوں سے ملاقات کے موقع پر پیار سے بھرے معانقہ اور رقت کی وجہ کیا ہے۔ پہلے تو مجھے غور سے

دیکھا پھر فرمایا تمہاری عمر بہت چھوٹی ہے تم نہیں سمجھو گے۔ بات یہ ہے کہ میں بہت چھوٹا تھا قریباً ۱۲۔ ۱۴ سال کا جب احمدیت قبول کی۔ قادیان کی بستی بہت چھوٹی تھی۔ آبادی بھی کم تھی۔ بیت المبارک میں پنجگانہ نماز کے وقت حاضری مختصر ہوتی۔ حضرت بانی جماعت احمدیہ اکثر و بیشتر نماز کے بعد احباب میں تشریف فرما ہوتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ ہماری جماعت بہت ترقی کرے گی۔ ساری دنیا میں پھیل جائے گی۔ اس وقت میں اپنی حالت دیکھتا' قادیان کی حالت کو دیکھتا اور حاضرین کی تعداد کو دیکھتا۔ میری چھوٹی سی عقل میں ان پیش خبریوں کو سمجھنے کی طاقت نہیں تھی۔ میں گھنٹوں سوچتا کہ یہ کیسے ہوگا' کب ہوگا' میری زندگی میں ہوگا یا بعد میں۔ اب جب میں ان سب پیش خبریوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھتا ہوں تو ہر احمدی مجھے ان پیش خبریوں کا مورد نظر آتا ہے تو پھر مجھے اپنا مبارک آقا یاد آجاتا ہے اور میں بے تاب ہو جاتا ہوں کہ وہ خود تو یہ دیکھے بغیر مولا کریم کے حضور حاضر ہو گئے اور ہم ان کی عظمت کے گواہ بن گئے ہیں۔ اس لئے میرے آنسو خوشی اور غمی کے ہیں۔ آقا کی جدائی کا غم ہے۔

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

قرآنِ مجید ـــ ایک تعارف

(مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب۔ صدر شعبہ تفسیر القرآن جامعہ احمدیہ ربوہ)

"قرآن کریم دس ۱۰ قسم کے نظامِ مفردات پر مشتمل ہے :۔

۱۔ ایسے مفردات کا نظام جن میں بیان وجود باری اور دلائل وجود باری کا بیان ہے۔

۲۔ ان مفردات کا نظام جو توحید باری اور دلائل توحید باری پر مشتمل ہے۔

۳۔ ان مفردات کا نظام جن میں صفات اور افعال اور اعمال اور عادات اور کیفیات روحانیہ یا نفسانیہ بیان کی گئی ہیں۔

۴۔ ان مفردات کا نظام جو وصایا اور تعلیم اخلاق اور عقائد اور حقوق اللہ اور حقوق العباد اور علومِ حکیمہ اور حدود اور احکام اور اوامر و نہی اور حقائق و معارف کے رنگ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامل ہدایتیں ہیں۔

۵۔ ان مفردات کا نظام کہ نجاتِ حقیقی کیا شئی ہے اور اس کے لئے حقیقی وسائل اور ذرائع کیا کیا ہیں۔

۶۔ ان مفردات کا نظام کہ اسلام کیا شئی ہے اور کفر اور شرک کیا شئی ہے۔

۷۔ ایسے مفردات کا نظام جو مخالفین کے تمام عقائد باطلہ کو رد کرتے ہیں۔

۸۔ ایسے مفردات کا نظام جو انذار و تبشیر اور وعد اور وعید اور عالم معاد کے بیان کے رنگ میں ہیں۔

۹۔ ایسے مفردات کا نظام جو آنحضرت ﷺ کی سوانح اور پاک صفات اور آنجناب کی پاک زندگی کے اعلیٰ نمونہ پر مشتمل ہے۔

۱۰۔ ایسے مفردات کا نظام جو قرآن کریم کے صفات اور تاثیرات اور اس کے ذاتی خواص کو بیان کرتے ہیں۔"

(منن الرحمان۔ روحانی خزائن جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۵۰، ۱۵۱)

جب سے انسان لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا کے دور سے گذر کر اپنی تخلیق کے بعد ارتقاء کی منازل طے کرتا ہوا اس قابل ہوا ہے کہ اپنے خالق کے کلام کو سن اور سمجھ کر اس کی منشاء کے مطابق عمل پیرا ہو سکے تاکہ اس کی تخلیق کی غرض پوری ہو جائے تب سے اللہ تعالیٰ ہر دور اور ہر علاقہ میں اس دور اور علاقہ کے حالات و مسائل سے مختص تعلیم عطا فرماتا رہا ہے جیسا کہ فرمایا۔ وَلِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (الرعد: ۸)

مگر محدود علاقہ سے متعلق ہونے اور محدود وقت کیلئے کار آمد ہونے کی وجہ سے بعد میں چونکہ ان تعلیمات کی ضرورت باقی نہ رہی تو نتیجۃً خدا تعالیٰ کی طرف سے حفاظت کا ہاتھ ان سے کھینچ لیا گیا اور وہ اپنی اصل شکل میں محفوظ نہ رہیں۔

بالآخر جب انسانی ذہن بھی اپنے ارتقاء کی تمام منازل کو طے کر کے نقطۂ کمال کو پا چکا تب خدائے واحد نے جو توحید سے پیار کرتا ہے ' چاہا کہ آغاز کی طرح پھر تمام بنی نوع انسان کو نقطۂ واحد پر جمع کرے۔ چنانچہ اس نے اپنے بندوں کو اپنے افضل و اکمل رسول ﷺ کے ذریعہ اپنی کامل ترین تعلیم یعنی قرآن مجید سے نوازا اور فیصلہ فرمایا کہ اب یہ تعلیم کل اقوام کیلئے تاقیامت قابل عمل ہوگی۔ اس کے ہمیشہ محفوظ اور قابل عمل رہنے کا وہ منفرد وعدہ فرمایا جو اس سے قبل کسی بھی الہامی کتاب کو حاصل نہیں۔ فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (الحجر: ۱۰)

پہلی وحی

رسول اللہ ﷺ کا نبوت سے قبل یہ دستور تھا کہ عبادت و ذکر الہی کے لئے شہر سے دور ایک پہاڑ کی (جسے اب "جبل النور" کہتے ہیں) بلندی پر واقع ایک غار۔ غارِ حراء میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن وہیں قیام رہتا۔ حراء اصل میں غار کا نام نہیں بلکہ اس پہاڑ کا نام ہے جس میں یہ غار واقع ہے۔ یہ پہاڑ مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ (معجم البلدان جلد ۲ صفحہ ۲۳۳)

جب زاد و توشہ ختم ہو جاتا تو گھر تشریف لاتے اور کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر پھر اسی جگہ لوٹ جاتے اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کے ساتھ ساتھ قوم کی حالت کی اصلاح کیلئے غور و فکر فرماتے۔ حتی کہ جب آپ کا جوش فرطِ محبت سے "وَجَدَکَ ضَآلًّا" کی انتہاء کو پہنچ گیا اور منازل "دَنٰی" طے کر لیں تو اعطاءِ خداوندی سے "فَھَدٰی" اور "فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" کے مقامِ ارفع پر فائز کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک وحی سے نوازا اور منصب رسالت پر متمکن فرمایا۔ سب سے پہلی جو وحی نازل ہوئی اور جس طرح ہوئی آپ ﷺ سے ہی اس طرح مروی ہے۔

(ترجمہ): "فرشتہ غار حراء میں میرے پاس آیا اور کہا۔ پڑھو۔ میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں۔ اس پر اس نے مجھے سینے سے لگا کر پورے زور سے بھینچا حتی کہ میں بے حال ہو گیا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس نے پھر کہا۔ پڑھو۔ میں نے کہا: میں پڑھا ہوا نہیں۔ اس پر فرشتے نے اپنا عمل دہرایا۔ اور اسی طرح تیسری مرتبہ بھی ہوا۔ پھر اس نے کہا۔ پڑھو۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَO خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍO اِقْرَاْ وَ رَبُّکَ الْاَکْرَمُO الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِO

(بخاری۔ باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ)

یعنی سب سے پہلے وحی سورۃ العلق میں سے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد والی چار آیات پر مشتمل ہے۔ صحیح بخاری کی مندرجہ بالا روایت اور اسی طرح دیگر مستند روایات کے مطابق اس پہلی وحی کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل نہیں ہوئی۔ مگر بعض تفاسیر نے اس کے ساتھ ساتھ یہ شاذ روایت بھی دی ہے کہ اس پہلی وحی کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی شامل تھی۔

پہلی وحی کب نازل ہوئی؟

تمام روایات قرآن مجید کے بیان کے موافق یہ بتاتی ہیں کہ یہ وحی رمضان المبارک میں نازل ہوئی جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے۔ شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن (البقرہ:۱۸۶)اور انا انزلنه فی لیلة القدر (القدر:۲)

حضرت خلیفۃ المسیح الاول نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں :۔

"میں نے جو تحقیق کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ جن دنوں غارِ حراء میں عبادت فرمایا کرتے تھے وہ دن رمضان کے تھے اور وہیں پہلی سورہ کا جزو نازل ہوا۔"

(حقائق الفرقان جلد اول صفحہ ۳۰۵)

اور اس پہلی وحی کی تاریخ نزول ۲۵ رمضان یا اس کے بعد والی دو طاق راتوں میں سے ایک بیان کی جاتی ہے۔

(تفسیر کبیر رازی جزو نمبر ۳ صفحہ ۸۴، تفسیر فتح البیان جلد اول صفحہ ۳۶۸)

کیفیت نزول

وحی قرآن کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا سنلقی علیک قولا ثقیلا (المزمل:٦) کہ اے رسول: ہم تجھ پر قول ثقیل اتارنے والے ہیں اور یہ کلام معنوی اعتبار سے یعنی زمانہ کے لحاظ سے بھی بڑا بوجھل اور ثقیل تھا اور اپنی کیفیت نزول کے اعتبار سے بھی بڑا بھاری تھا۔ اسی کیفیت نزول کے بارہ میں خود ام المومنین حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ :۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ آپ پر وحی کیسے نازل ہوتی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کبھی تو اس طرح جیسے مسلسل شدت سے گھنٹی کی آواز آ رہی ہو۔ یہ طریق نزول مجھ پر بوجھل ترین ہے۔ مجھے پسینہ آ جاتا ہے اور میں فرشتے سے وحی سن کر یاد کر لیتا ہوں۔ اور کبھی نزول وحی اس طرح ہوتا ہے کہ فرشتہ میرے سامنے آدمی کی شکل میں متمثل ہو کر آتا ہے اور مجھ سے کلام کرتا ہے اور میں اس کلام کو یاد کر لیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عائشہؓ خود اپنا مشاہدہ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے شدید سردی کے ایام میں آپ پر وحی اترتے وقت دیکھا ہے کہ آپ کی پیشانی سے پسینہ بہہ نکلتا تھا۔"

(بخاری۔ باب کیف کان بدء الوحی)

اسی طرح کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ انصاری سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول ﷺ سے اتنا قریب بیٹھا تھا کہ حضورؐ کا گھٹنہ میری ران پر تھا۔ اسی دوران نزول وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور حضور کے گھٹنے کا میری ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے خدشہ ہو گیا کہ آج میری ران کی ہڈی ٹوٹ جائے گی۔

(مسند احمد بن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۸۴)

قرآن مجید نے نزول وحی کی مندرجہ ذیل صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ فرمایا

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنه مایشاء

(الشوریٰ:۵۲)

یعنی نزول وحی کبھی بغیر کسی واسطہ کے ہوتا ہے اور کبھی پردہ کے پیچھے سے اور کبھی فرشتہ کے ذریعہ۔ ان میں سے کامل ترین صورت پہلی ہے جس کا اظہار واقعہ معراج کے وقت بھی ہوا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر وحی الٰہی کے ساتھ بطور محافظ ملائکہ کے نازل ہونے کا ذکر ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک عارف باللہ کی نظر سے اسے یوں دیکھا اور بیان فرمایا ہے۔

"ایک روحانی اشارہ ہے جو قرآن شریف میں پایا جاتا ہے یعنی یہ کہ وہ کلام بہت سے فرشتوں کی حفاظت کے ساتھ اترا ہے۔ تو ظاہری فرشتے تو معلوم ہی ہیں مگر پاک اخلاق اور پاکیزہ حالتیں اور شوق و ذوق سے بھری ہوئی وارداتیں اور درد دل اور جوش محبت اور صدق و صفا اور تبتل و وفا و توکل و رضاء نیستی و فنا اور شورش ہائے عشق مولیٰ ایک قسم کے فرشتے ہی ہیں جو قادر مطلق نے اپنے اس افضل الرسل کے وجود میں اکمل اور اتم طور پر پیدا کئے تھے اور پھر اسی کی اتباع سے ہر یک مومن کامل کے دل میں بھی باذنہ تعالیٰ پیدا ہو جاتے ہیں۔" (سرمہ چشم آریہ۔ روحانی خزائن جلد ۲ حاشیہ صفحہ ۶۹)

کتابت وحی قرآن

آنحضور ﷺ خود تو امی تھے لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے اور اللہ تعالیٰ

نے آپ کے اس وصف کو آپ کی صداقت کے عظیم ثبوت کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ فرمایا:

وما کنت تتلوا من قبله من کتب ولا تخطه بیمینک اذا لارتاب المبطلون (العنکبوت:۴۹) یعنی جب کہ آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہی نہیں تھے تو گزشتہ کتب کے مطالعہ سے یا کسی اور سے سن کر خود کوئی تعلیم بنا لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسی عظیم الشان تعلیم، جس کی نظیر لانے سے تمام انسان چھوٹے بڑے مل کر بھی عاجز ہوں ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا اگر وہ تعلیم ایک امی بے کس کی طرف سے پیش کی گئی ہو تو لازماً ایک ہی صورت ہے کہ وہ تعلیم اسے منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

اگرچہ اللہ تعالیٰ نے وحی قرآن کی تالیف و ترتیب اور حفاظت تمام تر اپنے ذمہ لی تھی جیسا کہ فرمایا ان علینا جمعه و قرانه (القیامہ:۱۸) مگر پھر بھی سنت مقربین الٰہی کے موافق مگر ان سے بہت اعلیٰ شان کے ساتھ آپ بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ظاہری وسائل کے اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کے مطابق استعمال سے ہرگز غافل نہ رہے اور جب کہ آپ خود لکھ پڑھ نہ سکتے تھے تو اس کے متبادل کے طور پر آپ نہ صرف متعدد صحابہ کو وحی قرآن میں سے اترنے والا حصہ یاد کروا دیتے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ جو بھی لکھنے والا جلدی میسر آتا اسے بلوا کر وہ حصہ لکھوا دیتے۔

(ترمذی۔ ابواب التفسیر۔ تفسیر سورۃ التوبہ)

اس طرح آپ نے متعدد صحابہ کو کتابت وحی کا شرف عطا فرمایا اور اکثر یوں ہوتا کہ ایک ہی وحی متعدد صحابہ کو لکھواتے۔

پہلی وحی قرآن سورۃ العلق کی ابتدائی آیات پر مشتمل تھی۔ یہ وحی کس نے لکھی؟ روایات سے اس پہلے کاتب کا نام تو معلوم نہیں ہوتا لیکن حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ ابتدائی دنوں میں ایمان لانے والوں میں شامل ہیں، لکھنا پڑھنا بھی جانتے تھے نیز کاتبین وحی میں بھی شامل تھے اس لئے غالباً پہلی وحی کی کتابت کا شرف بھی انہیں میں سے کسی کے حصہ آیا ہوگا۔ اسی طرح خالدؓ بن سعید بالکل ابتدائی مومنین میں سے بھی ہیں اور ابتدائی کاتبین وحی میں سے بھی ہیں۔ چنانچہ خود ان کی بیٹی کی روایت ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سب سے قبل میرے والد نے لکھی۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابہ جزو اول صفحہ 406)

اگرچہ مکی دور بڑی تنگی اور تکالیف کا دور تھا اور نزول وحی میں آغاز میں لمبے وقفے بھی آتے رہے ہیں۔ (بخاری باب کیف کان بدء الوحی) مگر ہر وحی قرآن کو باقاعدہ لکھوانے کا اہتمام جاری رہا اور اس طرح جاری رہا کہ کفار تک نے اسے تسلیم کر کے اس کا اظہار کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کفار کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قالوا اساطیر الاولین اکتتبها (الفرقان:۶) کہ یہ مدعی اس کلام کو جسے وہ خدائی الہام کے طور پر پیش کرتا ہے لکھوا لیتا ہے۔

یہ آیت سورۃ الفرقان کی ہے جو نبوت کے دوسرے یا تیسرے سال نازل ہوئی تھی۔ پھر ۵ یا ۶ نبوی میں حضرت عمرؓ اسلام لائے۔ جس دن آپ نے اسلام قبول کیا اس دن اپنی بہن سے ایک کاغذ پر چند آیات قرآنی لکھی ہوئی لے کر پڑھی تھیں۔

(الطبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۶۹)

بہر حال یہ تمام ثبوت اس بات پر گواہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے پہلی وحی سے لے کر آخری وحی تک ایک ایک حرف قرآن کا لکھوا دیا تھا اور یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (المائدہ:۶۸)

(ترجمہ) اے رسول تیرے رب کی طرف سے جو تجھ پر اُتارا گیا ہے اسے لوگوں تک پہنچا۔

کا حق من کل الوجوہ ادا فرما دیا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے قرآن مجید کی وحی کو لکھوانے کا جو خاص اہتمام کیا اور کرایا اسے اس تناظر میں زیادہ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے

کہ عربوں میں لکھنے کا رواج بہت ہی کم تھا۔ جس کی بہت سی وجوہات میں سے ایک سامان کتابت کی کمی بھی ہے اور ایک وجہ ان کا اپنے غیر معمولی حافظہ پر اعتماد بھی ہے۔

قرآن مجید کی پہلی وحی میں اللہ تعالیٰ نے الذی علم بالقلم فرما کر اس وحی کو لکھنے کی طرف اشارہ فرما دیا تھا۔ نیز اقرء کا لفظ بھی اسی طرح راہنمائی کرتا ہے۔ حضرت المصلح الموعود نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:۔

"اقرء کے دوسرے معنی کسی لکھی ہوئی چیز کو پڑھنے کے ہوتے ہیں۔ ان معنوں کے لحاظ سے اقرء باسم ربک الذی خلق میں یہ پیشگوئی کی گئی ہے کہ قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو لکھی جائے گی...... چنانچہ اگر واقعات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دنیا میں وہ پہلی کتاب ہے جو ابتدائے نزول کے ساتھ ہی لکھی گئی ہے...... اور وہ پیشگوئی حرف بحرف پوری بھی ہو گئی۔ چنانچہ نولڈکے، میور اور وھیری تک نے یہ تسلیم کیا ہے کہ سوائے قرآن کریم کے اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو ابتدائے ایام میں لکھی گئی ہو"

(تفسیر کبیر جلد ۹ صفحہ ۲۵۰)

مندرجہ بالا سطور میں مستشرقین کے جس اعتراف کا ذکر گذرا ہے اس کا معین حوالہ حسب ذیل ہے۔ میور لکھتا ہے:۔

"At the moment of inspiration or shortly after, each passage was recited by Mahomet before the friends or followers who happened to be present, and was generally committed to writing by some one amongst them, at the time or afterwards, upon palm-leaves, leather, stones, or such other rude material as conveniently came to hand."

(Life of Mahomet P.500 By: Elder& Co. Waterloo Place. London. 1878)

(نیز دیکھیں: A Conprehensive Commentary or Quran. اے کومپری ہینسو کومنٹری اون قرآن از وھیری جلد ا صفحہ ۱۰۸)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کی ایسی تربیت فرمائی تھی اور زبانی تلاوت پر قرآن سے دیکھ کر تلاوت کرنے کی ایسی فضلیت واضح فرمائی کہ بہت سارے صحابہ نے اپنے ذاتی نسخے قرآن مجید کے لکھوا لئے تھے یا خود لکھ لئے تھے۔ اور صحابہ کرام کو قرآن مجید سے ایسا عشق تھا کہ اسے ہر وقت اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے۔ حتی کہ سفر میں بھی جاتے تو ساتھ لے جاتے۔ مگر حالات کے پیش نظر کئی حکمتوں کے تحت آنحضرت ﷺ نے دشمن کے علاقہ میں سفر کے وقت نسخہ قرآن ساتھ رکھنے سے انہیں منع فرما دیا تھا۔

(بخاری کتاب الجہاد۔ باب کراہیۃ السفر بالمصاحف الی ارض العدو)

عرب اپنے مزاج کے مطابق قبائل کی صورت میں رہتے تھے جن کا باہم رابطہ بہت کم تھا۔ ان قبائل میں کسی ایک معنی کیلئے مختلف الفاظ بھی استعمال ہوتے تھے۔ یا اگر لفظ مشترک بھی ہوتا تو لہجہ اور تلفظ میں فرق ہوتا تھا۔ سب سے وسیع اور فصیح زبان قریش کی تھی کیونکہ "ام القری" یعنی مرکزی بستی مکہ میں رہتے تھے جہاں سارا سال لوگ زیارت یا حج خانہ کعبہ کیلئے آتے رہتے تھے اور قریش ان کے الفاظ اخذ کرتے رہتے تھے۔ قرآن مجید کا نزول بھی "لغت قریش" کے مطابق ہوا ہے کیونکہ علاوہ دیگر امور کے حامل وحی آنحضرت ﷺ خود قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ (ابراہیم: صفحہ ۵)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں وحی قرآن کی کتابت کن اشیاء پر کی جاتی تھی؟

جس طرح آج کے زمانہ میں کاغذ عام ہے اس طرح زمانہ نبوی میں نہیں تھا بلکہ کاغذ تو تقریباً نایاب چیز تھی۔ اس لئے وحی قرآن کی کتابت کیلئے دستور عرب کے مطابق مختلف اشیاء استعمال کی جاتی تھیں۔ ان کی فہرست کسی ایک جگہ نہیں ملتی۔ بہر حال مختلف روایات کو اکٹھا کرنے سے حسب ذیل اشیاء کے نام معلوم ہوتے

ہیں۔

۱۔ کھجور کی شاخ کے ڈنٹھل ۲۔ باریک سفید پتھر کی سلیں ۳۔ اونٹ کے شانہ کی ہڈیاں ۴۔ اونٹ کی پسلی کی ہڈیاں ۵۔ اونٹ کی کاٹھی کی لکڑیاں۔ ۶۔ لکڑی کی تختیاں۔ ۷۔ چمڑے کے ٹکڑے۔ ۸۔ کھال ۹۔ پتلی جھلی۔ ۱۰۔ کاغذ

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن 'کتاب المصاحف جزو اول صفحہ ۸'۱۰' عمدہ القاری فی شرح البخاری جلد ۲۰ صفحہ ۱۶۔ الاتقان فی علوم القرآن جزو اول صفحہ ۶۰)

کاتبین وحی

قرآن مجید کی کتابت کا شرف متعدد صحابہ کو حاصل رہا ہے۔ صرف کوئی ایک صحابی اس کام پر مقرر نہ ہوتا تھا بلکہ ایک دور میں کئی کئی صحابہ یہ شرف پاتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کا طریق یہ تھا کہ جب بھی کوئی وحی قرآن نازل ہوتی تو جو لکھنے والا جلدی میسر آتا اسے بلاتے اور وہ حصہ وحی لکھوا دیتے اور بعد میں بھی بعض اور صحابہ کو خود بلا کر یا ان کی خواہش پر لکھوا دیتے۔

(ترمذی' ابواب التفسیر۔ تفسیر سورۃ التوبہ 'کتاب المصاحف جزو اول صفحہ ۱۰' لائف آف محمد۔ از ولیم میور صفحہ ۵۵۰)

عام طور پر کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک بیان کی جاتی ہے۔ مگر مختلف روایات کو جمع کرنے سے ان میں سے چاروں خلفاء راشدین سمیت اٹھائیس اصحاب کے نام معین طور پر معلوم ہوتے ہیں جن میں حضرت زید بن ثابتؓ بھی ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

(دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۷۰' عرض الانوار صفحہ ۲۰' فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۲۲' تاریخ طبری جزو ثانی صفحہ ۴۲۱)

ترتیب نزول اور ترتیب جمع میں فرق اور اس کی حکمت

قرآن مجید دیگر کئی پہلوؤں کے علاوہ اس لحاظ سے بھی دوسری تمام الہامی کتب سے منفرد اور مختلف ہے کہ اس کی ترتیب نزول اور ہے اور ترتیب جمع اور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے ذریعہ نئے دنیا کو ان کی زندگی کے روحانی، اخلاقی، معاشرتی مسائل کے بارہ میں ایک نیا نظام دیا جا رہا تھا۔ اول مخاطب لوگوں کے حالات و مسائل اور پیش آمدہ واقعات اور ضروریات زمانہ کی مناسبت سے وحی قرآن کا نزول ہوتا رہا۔ ایک دین کو نئے سرے بالکل آغاز میں متعارف کرانے کے لئے جن امور اور جن عنوانات کی ضرورت پہلے ہو سکتی ہے وہ پہلے نازل کئے گئے اور جن کی ضرورت نسبتاً بعد میں ہوتی ہے وہ حصہ تدریجاً بعد میں نازل ہوا ہے۔ مثلاً ابتداء میں اوامر و نواہی نازل نہیں ہوئے بلکہ لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے تبشیر و انذار پر مبنی آیات پہلے نازل ہوئیں۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

"قرآن مجید کا ابتداء میں جو حصہ نازل ہوا ہے اس میں جنت و دوزخ اور تبشیر و انذار کا ذکر تھا۔ جب لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس سے مانوس ہو گئے تب حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر سب سے پہلے ہی اوامر و نواہی آجاتے اور شراب، جوا اور زنا وغیرہ کی ممانعت آجاتی تو لوگ بدک جاتے اور کہتے کہ ہم کبھی بھی ان عادتوں کو ترک نہ کریں گے۔

انذار و تبشیر والی آیات مکہ میں اس وقت نازل ہوئیں جب کہ میں ابھی کھیلتی کودتی چھوٹی بچی تھی اور احکام پر مشتمل سورتیں، سورۃ البقرہ اور سورہ النساء وغیرہ مدینہ میں اس وقت نازل ہوئیں جب میں شادی کے بعد رسول اللہ کے گھر میں تھی"

(بخاری کتاب فضائل القرآن۔ باب تالیف القرآن)

بہر حال جب ترتیب نزول اور ترتیب جمع الگ الگ تھیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ترتیب جمع کس نے مقرر کی؟ کیا رسول اللہ ﷺ خود یہ ترتیب مقرر فرماتے تھے یا یہ کام بھی توقیفا یعنی الہام الٰہی سے ہوا ہے؟

اس بات میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ قرآن مجید کی ترتیب جمع کا کام بھی یقیناً وحی الٰہی کے مطابق اور خدا تعالیٰ کی دائمی حکمتوں اور منشاء کے تحت ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت عثمانؓ

بن عفان کا یہ قول روایت کیا ہے کہ :

"رسول اللہ ﷺ پر ایک ہی عرصہ میں مختلف سورتوں کے حصے نازل ہوتے تھے۔ جب بھی کوئی حصہ نازل ہوتا تو لکھنے والے کو بلا کر فرماتے کہ اس حصہ کو اس فلاں سورۃ میں شامل کر کے لکھو جس میں یہ یہ ذکر ہے اور اس آیت کو فلاں آیت کے ساتھ لکھو۔"

(مسند احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۵۷)

حکم و عدل حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

(ترجمہ) : "اس بارہ میں کوئی بھی شبہ نہیں کہ قرآن مجید وحی متلو ہے۔ اور اس کا ہر حصہ متواتر اور قطعی ہے حتی کہ اس کے نقطے اور حروف بھی۔ خدا تعالیٰ نے اسے ایک زبردست اور کامل اہتمام کے ساتھ ملائکہ کی حفاظت اور پہرہ میں اتارا ہے۔ پھر نبی ﷺ نے اس کے بارہ میں کسی قسم کا دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور ہمیشہ اس بات پر مداومت سے عمل کیا کہ اس کی آیت آیت آپ کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح لکھی جائے جس طرح نازل ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ آپؐ نے تمام قرآن کو جمع فرما دیا اور بنفس نفیس اس کی آیات کی ترتیب قائم فرمائی۔ آپ ہمیشہ نمازوں وغیرہ میں اس کی تلاوت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے رفیق اعلیٰ اور محبوب رب العالمین سے جاملے۔"

(حمامۃ البشریٰ۔ روحانی خزائن جلد ۷ صفحہ ۲۱۷)

اسی طرح علامہ محمود آلوسی اپنی مشہور تصنیف تفسیر روح المعانی میں اپنا اور دیگر بزرگان امت کا مسلک اس بارہ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"سورتوں اور آیات کی ترتیب کے الہامی ہونے پر جمہور علماء متفق ہیں...... جب کوئی آیت یا سورہ نازل ہوتی تو جبریلؑ رسول اللہ ﷺ کو اس کی جگہ سے بھی آگاہ کرتے تھے۔"

(روح المعانی جزو اول صفحہ ۲۵)

اور یہی مضمون علامہ القرطبی اور علامہ الخازن نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں درج کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی) جلد ۶ صفحہ ۱۴، لباب التاویل (تفسیر الخازن) جلد ۱ صفحہ ۱۰)

مثلاً جب سورہ البقرہ کی آیت واتقوا یوما ترجعون فیه الی اللّٰه نازل ہوئی تو جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ اسے سورہ بقرہ کی دو سو اسی (۲۸۰) آیات کے بعد لکھا جائے۔

(لباب التاویل جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت اس بارہ میں آخری اور قطعی فیصلہ کا حکم رکھتی ہے۔ فرمایا :

وذا تتلی علیهم ایتنا بینت قال الذین لایرجون لقاء نائتِ بقرآن غیرهذا اوبدّ لهٗ۔ قل ما یکون لی ان ابرله من تلقائ نفسی۔ ان اتّبع الّا مایوحی الیّ (سورہ یونس : ۱۶)

یعنی کفار اس قرآن کو سن کر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آ یا کم از کم ہمارے لئے اس کی ترتیب میں کوئی تبدیلی کر دے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو اس کا یہ جواب سکھلاتا ہے کہ اے نبیؐ! تو ان کو کہہ دے کہ اس میں کوئی تبدیلی کرنا میرے اختیار میں ہے ہی نہیں۔ میں تو اس بارہ میں صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ جو مجھ پر کی جاتی ہے۔

حضرت المصلح الموعود نور اللہ مرقدہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

"مطلب یہ ہے کہ میں قرآن مجید کے متعلق تمام باتیں وحی الٰہی سے کرتا ہوں۔ اور اس میں خود کوئی دخل نہیں دیتا۔ لہذا اس میں کوئی تبدیلی یا تغیر نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے ان لوگوں کا بھی رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ہر سورہ سے پہلے لکھنا آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہے نہ کہ وحی سے۔ یا ترتیب قرآن یا سورتوں کے نام آنحضرت ﷺ نے خود رکھے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ۴۵)

پھر آپ نوراللہ مرقدہ سورہ القیامہ کی آیت نمبر ۱۸ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"قرآن کو جمع کرنا کسی بندہ کا فعل نہیں بلکہ خود رسول کریم ﷺ کا بھی فعل نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ ان علینا جمعه و قرانه (القیامۃ۔ رکوع نمبر ۱) یعنی قرآن کا جمع کرنا اور اس کا دنیا میں پھیلانا، یہ دونوں کام میں خود کروں گا اور میرے خاص حکم اور نگرانی سے یہ کام ہوں گے۔"

(تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۵۲)

علاوہ ازیں ایک زبردست تاریخی ثبوت بھی اس سلسلہ میں ہمیں حاصل ہے اور وہ ہے ہر سال رمضان میں جبریل کا آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس وقت تک نازل شدہ حصہ کا دور کرنا۔ اور جس سال آپ کی وفات ہوئی ہے اس سال کے رمضان میں جبریل نے یہ دور دودفعہ مکمل کیا۔

(بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب کان جبریل یعرض القرآن)

گویا ہر رمضان سے قبل تک اترنے والی کل وحی کی جو ترتیب ایک مرتبہ جبریل بتا چکے ہوتے تھے رمضان میں عملاً اس ترتیب کا اعادہ کرتے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"رمضان میں اس وحی کا آغاز ہوا ہے اور پھر جتنا جتنا قرآن نازل ہوتا رہا رمضان المبارک میں اس کی باقاعدہ دہرائی ہوتی رہی۔ اور جب سے قرآن کریم کا آغاز ہوا ہے اس کے بعد ہر اگلے رمضان میں جبریل علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور اس وقت تک جتنی وحی ہو چکی ہوتی تھی اسے دہراتے تھے۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ شروع سے ہی قرآن کریم کے نزول کے ساتھ ترتیب کا ایک دور جاری تھا اور وہ ترتیب ساتھ ساتھ مکمل ہوتی جارہی تھی۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۷ اپریل ۱۹۸۹ء بمقام بیت الفضل لندن)

یقیناً یہی ترتیب تھی جس کے مطابق خود آنحضرت ﷺ بھی اور آپ کے تمام صحابہ بھی نمازوں میں اور نمازوں کے علاوہ تلاوت کرتے رہے۔ یہ ترتیب ایسی واضح، معروف اور حتمی تھی کہ نہ صرف آنحضرت ﷺ کے حیات مبارکہ میں بلکہ آپ کی وفات کے بعد بھی صحابہ میں کبھی اس بارہ میں کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوا۔ آپ نے وحی الٰہی سے قائم کی جانے والی ترتیب صحابہ میں اس طرح راسخ اور رائج کر دی تھی کہ نہ کبھی کسی کو اس بارہ میں کوئی ادنیٰ سا بھی شبہ پیدا ہوا نہ اختلاف ہوا۔

بایں ہمہ یہ بھی یہ ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں قرآن مجید کو ایک جلد میں جمع نہ کروایا تھا کیونکہ ایسا ممکن ہی نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ترتیب نزول اور ترتیب جمع مختلف تھیں نیز ایک ہی وقت میں متعدد سورتوں کی آیات کا نزول ہوتا تھا اور ان سورتوں میں آیات کی موجودہ ترتیب کے لحاظ سے آیات کا نزول نہیں ہوتا تھا بلکہ کئی پہلے لکھی ہوئی آیات نزولی ترتیب میں بعد میں نازل ہوئیں اور کئی بعد میں لکھی ہوئی آیات نزول کے اعتبار سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ اگر قرآن مجید کو ایک جلد کی صورت میں جمع کر لیا جاتا تو بعد میں نازل ہونے والا حصہ اپنی جگہ شامل نہ کیا جاسکتا۔ نیز اس کے نتیجہ میں کسی کے پاس کم آیات والا نسخہ قرآن ہوتا اور کسی کے پاس زیادہ والا۔ نتیجۃً قرآن مجید کی صحت کے بارہ میں جو شبہات اور اختلافات پیدا ہو جاتے ان کی کوئی انتہاء نہ ہوتی۔ اور وہ کتاب جو دنیا سے شبہات اور اختلافات کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کے لئے آئی تھی جس کا پہلا تعارف ہی لاریب فیه ہے شبہات اور اختلافات کا شکار ہو کر خود ہمیشہ کیلئے مٹ جاتی۔ (نعوذ باللہ)

خلاصہ یہ کہ جب تک یہ قطعی علم نہ ہو جاتا کہ اب جو وحی قرآن اتری یہ آخری ہے اس کے بعد اور وحی نہ اترے گی تب تک قرآن مجید کو ایک جلد میں جمع نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ قطعی علم آنحضرت ﷺ کی وفات سے ہی حاصل ہوا۔ جس کا صاف منطقی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ کام آپ کی وفات کے بعد ہی ہو سکتا تھا اور خدا تعالیٰ کی تقدیر نے اسے خلافت کے ذریعہ، جو آتی ہی نبی کے جاری کردہ کاموں کی تکمیل کیلئے

ہے' با حسن مکمل کروادیا۔ اللہ تعالیٰ جب زمانہ کی اصلاح کے لئے انبیاء کو مبعوث کرتا ہے تو انہیں زبردست کامیابیوں سے نوازتا ہے حتی کہ نابینا دشمن پر بھی اس کی صداقت کھل جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود بعض امور ہنوز تشنہ تکمیل ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس مامور کو دنیا سے واپس بلا لیتا ہے جس کے نتیجہ میں بہت سارے خدشات پیدا ہو جاتے ہیں اور نادان حاسد خیال کرنے لگتے ہیں کہ اب اس سلسلہ کے برباد ہونے میں کوئی روک نہیں رہی۔ ایسے وقت اللہ کی سنت کیا ہے؟ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :

"خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان کی (یعنی اپنے انبیاء کی۔ ناقل) سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر' جو بظاہر ایک ناکامی خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے' مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقعہ دے دیتا ہے...... پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے' اپنے کمال کو پہنچتے ہیں...... جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا۔" (الوصیت۔ روحانی خزائن جلد نمبر ۲۰ صفحہ ۳۰۴'۳۰۵)

باقی آئندہ

ہمارا خون بھی شامل ہے تزئینِ گلستاں میں

خاموش علماء

(مقالہ نگار مکرم پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب ۔ سویڈن)

دنیا کا دستور ہے کہ ہر سلسلہ میں بعض ایسے علماء موجود ہوتے ہیں جو اپنی خاموش طبعی یا فطری حجاب کی وجہ سے سامنے نہیں آتے مگر اپنے اپنے میدان میں علمی خدمات کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ ان کی حیثیت ان کل پرزوں کی سی ہوتی ہے جو سامنے نہیں ہوتے مگر مشین کو قوت بہم پہنچاتے رہتے ہیں۔ ان میں سے کسی کل پرزہ کو نقصان پہنچ جائے تو ساری مشین کی قوت متاثر ہوتی ہے۔ انسانی تہذیب کی ترقی ایسے خاموش طبع عالموں کی رہین منت رہی ہے۔

ہم نے قادیان اور ربوہ میں بعض ایسے عالموں کو دیکھا اور ان سے حسب عمر و استطاعت استفادہ کیا' جو بظاہر بالکل خاموش طبع تھے مگر بہ باطن علم کا بحر بیکراں تھے۔

حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری

اپنے گھر میں حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری کا وجود سامنے تھا۔ آپ نہایت مسکین طبع اور خاموش طبع عالم تھے۔ عربی میں ان کا کہنا مستند سمجھا جاتا تھا مگر کبھی جو ان کے منہ سے تفاخر کی کوئی بات سنی ہو؟ نہیں! وہ تو ایسے حلیم الطبع تھے کہ ہم بچوں کو کسی بات پر سرزنش بھی کرنا پڑتی تو گھبرا جاتے۔

حضرت مولوی احمد خان صاحب نسیم

خود ہمارے ابا حضرت مولوی احمد خاں صاحب نسیم فرمایا کرتے تھے کہ ہم دیہاتی مبلغ ہیں۔ ایک بار مولانا عزیز الرحمٰن منگلا صاحب ابا جی سے کہنے لگے آپ جلسہ سالانہ پر تقریر کیوں نہیں کرتے؟ ابا جی نے کہا میں سٹیج کا آدمی نہیں ہوں۔ منگلا صاحب نے فرمایا آپ چک منگلا میں تو خوب تقریریں کرتے ہیں۔ ابا جی نے فرمایا درست۔ مگر جماعت احمدیہ کا جلسہ سالانہ چک منگلا کے جلسہ سے بالکل مختلف چیز ہے۔ یہ ایک علمی سٹیج ہے جہاں سے دنیا کی رہنمائی کے لئے علمی موضوعات پر سلسلہ کے علماء سلسلہ کا موقف پیش کرتے ہیں۔ ہم لوگ دیہاتیوں کے طور طریقوں سے دیہاتیوں تک پیغام پہنچاتے ہیں اور بس۔

حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری صاحب

حضرت حافظ مختار احمد شاہجہانپوری صاحب مانے ہوئے عالم تھے مگر سٹیج کے آدمی نہیں تھے۔ اگر کہیں جوانی میں سٹیج پر تقریر کی ہو تو وہ ہماری ہوش سے پہلے کی بات ہے۔ ہم نے سلسلہ کے اکثر علماء

کو ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور علمی مسائل سمجھتے دیکھا۔ ہماری موجودگی میں حضرت مولانا شمس صاحب، حضرت قاضی محمد نذیر صاحب حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کسی علمی مسئلہ پر ان کی رہنمائی چاہی اور ہمیں ہی خط دے کر بھیجا۔ حضرت میاں صاحب (حضرت مرزا بشیر احمد صاحب) کا استفسار بھی ہم نے ہی لکھا اور جواب بھی حضرت حافظ صاحب نے ہمیں ہی سے لکھوایا۔ جماعت کے علماء میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا مگر نئی نسل کو اس بات کا پتہ نہیں کہ حضرت حافظ مختار احمد شاہ جہانپوری صاحب نرے شاعر ہی نہیں تھے بہت متبحر عالم تھے۔ ایک بار سلسلہ کے کسی معاند نے حضرت بانی سلسلہ کے ایک شعر پر اعتراض کیا کہ اس میں "کہ تا" کا مرکب استعمال ہوا ہے جو سراسر غیر فصیح ہے۔ ہم بھی حاضر تھے۔ حضرت حافظ صاحب نے فرمایا میاں بتاؤ تو کس کس استاد شاعر نے یہ ترکیب باندھی ہے؟ ہمارا سارا علم غالب تک پہنچ کر ختم ہو گیا کہ

آنکھ کی تصویر سرنامہ پہ کھینچی ہے کہ تا
اس پہ کھل جائے کہ اس کو حسرتِ دیدار ہے

حافظ صاحب نے اساتذہ شعراء اردو کے کلام سے اپنی یادداشت سے 'خدا جھوٹ نہ بلوائے تو بیسیوں اشعار ہمیں سنا دئے کہ لو ان اساتذہ نے "کہ تا" کی ترکیب باندھ رکھی ہے اور معترض صاحب نے کہ اپنے کو پڑھا لکھا صحافی جانتے ہیں کیسا بودا اعتراض کیا ہے۔ اب ایسے وجود کہاں مگر حضرت حافظ صاحب خاموش عالم تھے۔ گفتگو ایسی کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔

حضرت حافظ صاحب کی یادداشت کمپیوٹر جیسی تھی۔ حوالے انہیں یاد رہتے تھے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ میں حاضر تھا۔ حضرت حافظ صاحب کو کسی حوالہ کی ضرورت پڑی۔ ان کا کمرہ کتابوں کا کباڑ خانہ لگتا تھا۔ فرمایا "میاں تمہی تکلیف کرو۔ یہ سامنے کتابوں کا جو ڈھیر ہے اس میں چھٹے یا ساتویں نمبر پر فلاں کتاب پڑی ہے وہ اٹھاؤ اس کے صفحہ ۳۱۵ پر آٹھویں یا دسویں سطر میں ایک حوالہ ہے وہ مجھے درکار ہے ذرا ہاتھ بڑھائیو۔" ہم حیران رہ گئے۔ حافظ صاحب کی بات باون تولے پاؤ رتی تھی۔ حوالہ اسی مقام پر موجود تھا۔ آپ نے وہ حوالہ ملاحظہ فرمایا اور پھر کتاب ایک طرف رکھ دی۔ دو ہفتوں کے بعد اتفاق سے اسی حوالہ کی ضرورت پڑی تو کسی اور مقام پر رکھی ہوئی اس کتاب کا محل وقوع انہیں یاد تھا۔ ہم سمجھتے تھے ان کا کمرہ کتابوں کا کباڑ خانہ ہے مگر وہ تو کتب خانہ نکلا۔ اس کتب خانہ کی ساری کیٹیلاگ حافظ صاحب کے ذہن میں محفوظ تھی۔ ایسی یادداشت ہم نے بہت کم دیکھی۔ جاپان میں ایک لائبریرین کی یادداشت میں حضرت حافظ صاحب کی یادداشت کا پرتو نظر آیا مگر ان کا میدان ہی کتب خانہ تھا۔ ہمارے شعبہ اردو کی لائبریری، نئی عمارت میں منتقل ہو رہی تھی ساری کتابیں ڈھیر کی صورت میں بکھری پڑی تھیں۔ اتفاق سے جاپانی ٹی وی والوں کو ایک حوالہ کی ضرورت پڑی ان لوگوں نے ہم سے رابطہ کیا کہ فلاں حوالہ فوری طور پر درکار ہے کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں؟ ہم نے حامی بھر لی۔ شعبہ کی لائبریری میں پہنچے تو کتابوں کے کشتے کے پشتے لگے ہوئے دیکھے۔ ہمارے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ اب کیا ہوگا؟ لائبریرین صاحب سے رابطہ کیا کہنے لگی ساتویں قطار میں سولھویں نمبر پر آپ کی مطلوبہ کتاب موجود ہے۔ ہم نے دیکھا کہ موجود تھی۔ یہ صفت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ عالیہ احمدیہ کو ایسے عالم عطا کر رکھے تھے کہ اپنی ذات میں چلتا پھرتا کتب خانہ تھے۔ ہمارے مولانا دوست محمد شاہد صاحب بھی کوئی کم حوالہ شناس نہیں۔ انہیں بھی ہزاروں حوالے یاد رہتے ہیں۔ ربوہ کے ابتدائی دنوں کی بات ہے ایک بزرگ لائبریری میں کام کیا کرتے تھے نام ذہن سے اتر رہا ہے۔ حکیم کہلاتے تھے غالباً حکیم فضل الٰہی؟ مولوی محمد صدیق صاحب ان کے بعد تشریف لائے۔ وہ بھی حوالوں کا خزانہ تھے۔ لائبریری کے کارکنوں میں سے عبداللہ اور سلیم اللہ ہمارے دیکھتے دیکھتے حوالوں کے خزانچی بنے۔ دونوں کارکن لائبریری کے ادنیٰ درجہ کے کارکن تھے مگر کتابوں کی ترتیب اور حوالوں کی تنقیح

میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ حالانکہ علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو وہ بیچارے زیادہ پڑھے لکھے نہیں تھے۔

بات حوالوں سے چلی تو حوالوں کے حوالے دور نکل گئی۔ ایک اور خاموش بزرگ کو ہم نے دیکھا۔

حضرت مولوی عبداللطیف صاحب بہاولپوری

دیکھنے میں نہایت مسکین طبع، چہرے پر ملائمت دارالرحمت غربی کی البیت کے پاس ایک مکان میں رہتے تھے۔ ہمیں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی نے ان کی خدمت میں کسی کام سے بھیجا۔ ان سے ملاقات ہوئی تو اندازہ ہوا کہ دریں گرد سوارے باشد۔ ہم ان کے تبحر پر حیران رہ گئے۔ کئی بار ان سے آمنا سامنا بھی ہوا مگر کبھی یہ خیال نہ گذرا کہ حضرت مولانا کتنے بڑے عالم ہیں۔ ایک کتاب ان کی چھپی۔ نام بھی یاد نہیں۔ جامعہ احمدیہ میں غالباً استاد تھے۔ کیا پڑھاتے تھے علم نہیں۔ مگر انہیں کبھی نمایاں نہیں دیکھا۔ سر راہ ایک دوبار ملاقات ہوئی۔ نہایت تواضع سے تلطف فرمایا۔ تعارف ہونے کے بعد ملنا ہوتا تو اباجی کا حال ضرور پوچھتے۔ ان کی وفات پر جماعت کے علمی حلقوں کی طرف سے ناقابل تلافی نقصان کی باتیں سنیں تو ان کے مرتبہ کا اندازہ ہوا۔

محترم شیخ روشن دین صاحب تنویر

اپنے روشن دین تنویر صاحب کو ہم اپنا دوست اور مہربان جانتے تھے اور ہیں۔ ان کی طرف سے حوصلہ افزائی نہ ہوتی تو ہماری ساری شاعرانہ یا ادیبانہ اکڑفوں دھری کی دھری رہ جاتی۔ ہماری عمروں میں بہت تفاوت تھا اس کے باوجود تلطف فرماتے تھے۔ کبھی کبھار بلا بھیجتے اور اپنا کلام سناتے۔ فرماتے تھے میں اکثر نظمیں براہ راست ساری جماعت کو سناتا ہوں مگر بعض نظمیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو پہلے تمہیں سنانا چاہتا ہوں۔ تنویر صاحب نہایت بلند پایہ ادیب اور شاعر تھے۔ ادبی دنیا میں بہت معروف تھے۔ احمدیت کی آغوش میں آئے تو سلسلہ کے اخبارات و رسائل کے علاوہ ادھر ادھر چھپنا بند کر دیا۔ خود مطالعہ کر کے احمدی ہوئے تھے اس لئے ان کا سلسلہ کے لٹریچر کے بارہ میں علم بھی بہت گہرا تھا۔ ایک بار مذاق میں کہنے لگے یار کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم پیدائشی احمدی نہ ہوتے۔ میں نے کہا کیا مطلب؟ فرمانے لگے پیدائشی احمدی اپنے لٹریچر کے مطالعہ کی طرف سے ذرا غفلت برتتے ہیں۔ تم دیانت داری سے بتاؤ تم نے بانی سلسلہ احمدیہ کی کتنی کتابیں بالاستیعاب پڑھی ہیں۔ میرے پاس سوائے خاموش ہو جانے کے اور کوئی جواب نہ تھا۔ واقعی ہم پیدائشی احمدیوں میں یہ کمی موجود تھی۔ نئی نسل امید ہے اس طرح کی نہیں ہوگی مگر مجھے تو تنویر صاحب نے جھنجھوڑ دیا۔ تنویر صاحب بھی حوالوں کی پوٹ تھے۔ کہتے تھے روز اداریہ لکھنا خالہ جی کا گھر نہیں اور الفضل کا اداریہ؟ یہ

غرض دو گونہ عذاب است جان مجنوں را
بلائے فرقت لیلیٰ و صحبت لیلیٰ

کا مضمون ہے۔ اپنے اس لئے اچھے اداریہ کے متمنی ہیں کہ ان کے علم اور ایمان میں اضافہ ہوتا رہے اور پرائے اس لئے الفضل کے اداریوں کی تاک میں رہتے ہیں کہ انہیں اعتراض کا کوئی موقع ہاتھ آئے۔ اس لئے الفضل کے ایڈیٹر کی جان ضیق میں ہوتی ہے۔

محترم مولانا تاج الدین صاحب لائلپوری

ربوہ میں تاج الدین نام کے دو بزرگوں کو دیکھا۔ ایک تو ہمارے مولانا تاج الدین لائلپوری صاحب تھے جو ناظم دارالقضاء تھے۔ ہمارے محلہ دار تھے۔ غالباً جامعہ احمدیہ میں استاد تھے اور دینی قانون کے ماہر ہونے کے ناطہ سے دارالقضاء کے ناظم تھے۔ بہت دبنگ تھے۔ انکے بچوں میں سے مبشر سے دوستی کا اور دوسروں سے شاگردی کا تعلق رہا۔ منور تو اب بھی کبھی کبھی امریکہ سے فون کرتا رہتا ہے۔ ایک بار منظور قادر صاحب، جو سر عبدالقادر صاحب کے صاحبزادہ تھے اور انہی دنوں مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ سے سبک دوش ہوئے تھے، میری دعوت پر ربوہ

تشریف لائے۔ آپ نے خواہش کی کہ انہیں جماعت احمدیہ کے دفاتر کا معائنہ کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ ہم نے بسر و چشم یہ بات مان لی اور انہیں دفاتر کا معائنہ کرواتے پھرے۔ میاں غلام محمد اختر صاحب جو ان دنوں ناظر اعلیٰ ثانی تھے منظور قادر صاحب کی رہنمائی فرما رہے تھے۔ منظور قادر صاحب دفتر دارالقضاء میں پہنچے تو اس وقت مولوی تاج الدین صاحب کسی مقدمہ کی سماعت فرما رہے تھے۔ سابق چیف جسٹس صاحب کو اس میں بہت دلچسپی معلوم ہوئی کافی دیر رکے اور کارروائی سنتے رہے۔ مولوی تاج الدین صاحب نے عدالت کے وقار کو پیش نظر رکھا۔ ذرا جو ان کے چہرہ پر ایسا تاثر آیا ہو کہ کوئی معزز مہمان ان کے مقدمہ کی کارروائی دیکھ یا سن رہا ہے۔ اپنے کام میں ہمہ تن مصروف رہے۔ ہم لوگ وہاں سے نکلے تو منظور قادر صاحب فرمانے لگے میں اس کارروائی سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ ایک تو اس لئے کہ کوئی وکیل موجود نہیں دوسرے اس لئے کہ قاضی کو اپنے مرتبہ قضاء کا پورا احساس ہے۔ منظور قادر صاحب کے تعارف میں یہ بات بھی عرض کر دوں کہ ان کے والد ماجد جناب جسٹس شیخ سر عبدالقادر صاحب نے لندن کی "بیت الفضل" مکمل ہونے پر اس کا افتتاح کیا تھا۔ ان دنوں آپ برطانیہ میں متحدہ ہندوستان کے ہائی کمشنر کے عہدہ پر فائز تھے۔ منظور قادر صاحب ان کے بیٹے تھے اور پاکستان کے وزیر قانون اور وزیر خارجہ کے عہدوں پر رہنے کے علاوہ مغربی پاکستان کے چیف جسٹس کے عہدہ پر بھی رہے تھے۔ جب آپ نے ربوہ آنے کا وعدہ کیا تھا تو آپ ابھی چیف جسٹس تھے۔ جب آنے کا وقت ہوا تو چیف جسٹس کے عہدہ سے سبک دوش ہو چکے تھے مگر قانون اور انصاف میں ان کی دلچسپی قائم تھی۔ بیچارے جلد ہی دست اجل کا شکار ہو گئے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے؟

مگر ہمارے علماء جدھر جاتے پھول کی طرح مہکتے جاتے تھے۔ ان کے علم کی خوشبو چاروں طرح پھیلتی رہتی تھی۔ اسی خوشبو نے لاکھوں آدمیوں کو اپنی طرف کھینچا تھا اور کھینچتی ہے۔

محترم عبدالخالق صاحب

ذکر خاموش علماء کرام کا تھا۔ ایک بزرگ تھے جنہیں جامعہ میں بائبل پڑھانے پر مامور دیکھا۔ ان کا اسم گرامی عبدالخالق تھا۔ عیسائیت سے تائب ہو کر احمدی ہوئے تھے۔ بائیبل کے ایسے عالم کہ گویا ساری بائیبل ان کی انگلیوں کی پوروں پر تھی۔ لوگ باگ بائیبل کا حوالہ تلاش کرنے کے لئے لائبریری جانے کی بجائے انہیں جا ملتے۔ انہیں دودھ جلیبی کا بہت شوق تھا۔ میٹھے کے عاشق تھے۔ مولینا جلیل صاحب مدظلہ سے تو ان کی دوستی تھی۔ ہمارے ابا سے بھی ان کا پرانا تعلق تھا۔ جب کبھی ہمارے ہاں تشریف لاتے ابا ہمیں بھگاتے کہ جاؤ بازار سے جلیبی لے کر آؤ۔ پھر اندر کہلواتے کہ دودھ جلیبی ملا کر باہر بھیج دیں۔ خوب آدمی تھے۔ خاموش اور اپنے آپ میں مگن۔ مگر بائبل کا ذکر آتا تو جیسے شیر ہو جاتے۔ قرآن کے حافظ تو ہم نے بہت دیکھے مولوی صاحب بائبل کے حافظ تھے۔ اب ہم نے جس زمانہ میں انہیں دیکھا وہ ہمارے بچپن یا حد لڑکپن کا زمانہ تھا ہم ان کے مرتبہ اور مقام سے آشنا نہیں تھے۔ مگر اپنے بزرگوں کو ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے دیکھا۔

حضرت ملک سیف الرحمٰن صاحب

اور اب بات ایک ایسے عالم پر آگئی جس کے بارہ میں لکھنا آسان لگتا تھا مگر لکھنے لگا ہوں تو مشکل میں ہوں۔ کیا لکھوں؟ وہ شخص محض عالم ہی نہیں تھا۔ دوست بھی تھا۔ ایسا دوست جس پر سارے ہی دوست فخر کرتے تھے اور ہیں۔ حسب دستور ہماری اور ان کی عمروں میں بہت تفاوت تھا مگر ہم پر مہربانی فرماتے تھے۔ یہ ان کی ذرہ نوازی تھی۔ ورنہ میں کیا مری حقیقت کیا۔

ایم۔اے میں داخل ہونے کے لئے لاہور اورینٹل کالج میں پہنچے تو ہوسٹل میں رہنے کی اجازت لینے کے لئے مولانا نورالحسن صاحب سے ملنے کا حکم ہوا۔ انہیں ڈھونڈتے ہوئے سٹاف روم میں پہنچے تو ایک صفاچٹ داڑھی والے بزرگ۔ انگریزی سوٹ پہنے ملے۔ ہم نے ان سے دریافت کیا "مولانا نورالحسن کہاں ملیں گے؟" فرمانے لگے۔ "یہی خاکسار ہے۔ بیٹھئے کیا حکم ہے؟"۔ ہم ہکا بکا ان کا منہ دیکھنے لگے۔ مولانا کے لفظ نے ہمارے ذہن میں ریش مبارک اور جبہ و دستار کا تصور باندھ رکھا تھا وہ دھواں بن کر اڑ گیا۔ ہم نے اپنا تعارف کروایا۔ فرمانے لگے "اخاہ! تو آپ سیف الرحمٰن کے شہر سے آئے ہیں؟" ان کے لہجہ کی ملائمت میں محبت بھی شامل ہوگئی۔ مولانا نورالحسن نے بتایا کہ وہ اور ملک سیف الرحمٰن صاحب دینی مدرسوں میں اکٹھے ہی تو علم حاصل کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد ان کی راہیں جدا ہوگئیں۔ مگر دوستی قائم ہے۔

مکرم ملک سیف الرحمٰن مفتئی سلسلہ کے بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ ہم نے قادیان میں حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کو دیکھا ہوا تھا وہ کبھی جبہ و دستار کے بغیر نظر نہیں آئے تھے۔ مگر ہم نے مکرم سیف الرحمٰن صاحب کو اور پھر اپنے مولانا محمد احمد صاحب جلیل کو اس بارہ میں بے پرواہ پایا۔ مولانا جلیل صاحب تو اکثر باہر جاتے ہوئے شیروانی زیب تن فرماتے۔ مکرم ملک صاحب کو ہم نے کئی بار بلکہ اکثر بغیر شیروانی کے جامعہ آتے جاتے دیکھا۔ ٹوپی ضرور اوڑھتے تھے انہیں ننگے سر دیکھنا یاد نہیں۔

مکرم ملک صاحب سے ہماری دوستی کا تعلق بھی ایسا ہی تھا۔ جہاں ملتے بہت شفقت فرماتے دوستی یوں شروع ہوئی کہ ان کی بیگم امۃ الرشید شوکت صاحبہ لجنہ کے رسالہ مصباح کی ایڈیٹر تھیں اور ہم اس زمانہ میں مصباح میں خوب چھپا کرتے تھے کیونکہ یہ رسالہ ہماری نظمیں مضامین چھاپ دیتا تھا۔ ایک بار رسالہ چھپنے سے پہلے مکرم ملک صاحب سے سر راہ ملاقات ہوئی۔ فرمانے لگے اب کی بار مصباح میں آپ کی نظم آرہی ہے۔ بڑی اچھی نظم ہے۔ ہم نے تفنن سے کہا: اچھا تو آپ ہیں امۃ الرشید شوکت؟۔ ملک صاحب بہت ہنسے۔ ہماری دوستی پکی ہوگئی۔ آپ جامعہ کے پرنسپل تھے۔ سلسلہ کے مفتی تھے مگر ذرا جوان کا مرتبہ ہماری اور ان کی دوستی میں حائل ہوا ہو۔ پھر ان کے بچے ہمارے شاگرد ہوگئے تو ایک نیا رشتہ بن گیا۔ ملک صاحب بھی خاموش عالم تھے۔ تقریریں "ضرورت شعری" کی وجہ سے کرتے ہوں گے کہ جامعہ کے پرنسپل تھے مگر عام جلسوں میں انہیں تقریریں کرتے نہیں دیکھا۔ کالج کے ادبی اجلاسوں میں اور خاص طور سے مشاعروں میں ضرور تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک بار تساہل ہوا دعوت نامہ انہیں نہ پہنچا یا رستہ میں کہیں ضائع ہوگیا۔ اس کے باوجود تشریف لائے فرمانے لگے میں نے سوچا یہ تو ہو نہیں سکتا آپ نے دعوت نامہ نہ بھجوایا ہو یقیناً رستہ میں کہیں ضائع ہوگیا ہوگا اس لئے میں آگیا ہوں۔ مگر دعوتوں کے بارہ میں بہت محتاط تھے۔ کالج کی ہر دعوت میں پرنسپل جامعہ ہونے کی وجہ سے مدعو ہوتے تھے اگر دعوت نامہ نہ پہنچ سکتا تو کبھی نہ آتے۔

محترم ملک مبارک احمد صاحب

ربوہ کے خاموش عالموں میں بہت ہی خاموش تھے وہ ہمارے ملک مبارک احمد صاحب تھے۔ عربی رسالہ البشریٰ کے ایڈیٹر۔ انتہا کے سادہ اور سادہ دل۔ جامعہ احمدیہ کے استاد تھے اپنے کام سے کام رکھتے۔ مجلسوں میں جانا انہیں پسند نہیں تھا۔ ہماری ایک پھوپھی زاد بہن تھیں وہ دوالمیال کے حکیم عطا محمد صاحب سے بیاہی ہوئی تھیں۔ اس لئے دوالمیال والوں سے تھوڑا سا رشتہ بھی تھا۔ ملک صاحب دوالمیال کے تھے۔ ان کے والد ملک عبدالرحمٰن صاحب اونچے قد آور بزرگ تھے۔ مگر ملک مبارک احمد صاحب نہایت خاموش طبع اور عافیت جو تھے ہم نے انہیں کبھی اونچی آواز میں بات کرتے یا کسی پر غصہ ہوتے نہیں دیکھا۔ ان کے بچوں میں سے منور ہمارا شاگرد ہوا۔ ان کی بچیاں ہماری آنکھوں کے سامنے پل کر بڑی ہوئیں

اور اب ماشاء اللہ گھر بار والی ہیں۔ ملک صاحب کو اپنی اولاد سے انتہا کا پیار تھا۔ ان کی بچیوں میں سے امۃ الباسط نے انجینئرنگ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ ایک بار فرمانے لگے مجھے لاہور کبھی اچھا نہیں لگتا تھا اب اچھا لگنے لگا ہے۔ ہم نے کہا کیوں؟ فرمایا اس لئے کہ میری بیٹی لاہور میں پڑھ رہی ہے! یہ تھے ملک مبارک احمد صاحب۔ علم کے پھل سے لدے ہوئے درخت کی طرح جھکے ہوئے! ہمارے دوست علامہ یعقوب امجد کہا کرتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے ملک صاحب سے عربی نہیں پڑھی تو اسے عربی کی لذت کا اندازہ ہی نہیں ہو سکتا۔

حضرت مولوی محمد حسین صاحب سبز پگڑی والے

خاموش عالموں میں سے حضرت مولوی محمد حسین صاحب سبز پگڑی والے بھی تھے۔ عام جلسوں میں تقریر کرنا تو آپ نے اس وقت شروع کیا جب حضرت بانی سلسلہ کے رفیقوں میں سے آپ آخری رفیق کے طور پر رہ گئے۔ ورنہ اس سے پہلے جلسوں سے گریز پا ہی رہتے تھے۔ دیہاتی مبلغ تھے۔ لاجی کے ساتھیوں میں سے تھے۔ حضرت مولوی محمد حسین صاحب بھی نہایت سادہ طبیعت عالم تھے۔ ہم نے کئی مرتبہ انہیں دیہاتیوں میں بیٹھے گفتگو کرتے سنا۔ خاموشی سے معترض کا اعتراض سنتے اور پھر آہستہ سے کوئی ایسا نکتہ بیان فرمادیتے کہ معترض لاجواب ہو جاتا۔

محترم گیانی عباداللہ صاحب

گیانی صاحب کا تخصص گورمکھی اور سکھ مت تھا۔ اس بارہ میں سکھ بھی انہیں گرو مانتے تھے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد یا پہلے ریڈیو پاکستان والوں کو مشرقی پنجاب کے سکھوں کے لئے ایک خاص پروگرام پنجابی دربار شروع کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ ان لوگوں نے حضرت خلیفۃ المسیح سے کہہ کر اجازت مانگی کہ ہمیں گیانی عباداللہ صاحب کی خدمات کی ضرورت ہے کیونکہ ان کے سوا کوئی ایسا نہیں جو سکھوں کا جواب سکھوں کی زبان اور ان کے لٹریچر سے دے سکے۔ گیانی عباداللہ صاحب نے گورمکھی میں سکھوں کے بارہ میں نہایت مفید لٹریچر تخلیق کیا ہے جو نہ صرف سلسلہ کے لئے بلکہ قومی لحاظ سے پاکستان کے لئے اب تک مفید اور مستند سمجھا جاتا ہے۔

محترم چوہدری عبدالواحد صاحب

گورمکھی کے ذکر سے بات اپنے بزرگ چوہدری عبدالواحد صاحب تک پہنچی۔ آپ ہندی کے عالم تھے۔ ان کے صاحبزادے ماجد شاہد ہمارے ساتھ سائیکل پر چنیوٹ پڑھنے جایا کرتے تھے۔ چوہدری صاحب نے بہت کوشش کی کہ ماجد اور اس کے ساتھ ہم ان سے اور کچھ نہیں تو ہندی لکھنا پڑھنا سیکھ لیں۔ مگر باوجود کوشش کے طبیعت ادھر نہیں آئی۔ اب اس عمر میں سویڈن والوں نے ہم سے یہ فرمائش کی کہ آپ ہندی سیکھ لیں تو ہمیں آپ کو شعبہ ہندوپاکستان دینا آسان ہو جائیگا۔ مگر ہماری طبیعت پھر بھی اس طرف مائل نہ ہوئی ورنہ ہمارے دوست ادوم پرکاش عارف ہوشیارپوری نے تو ہمارے لئے ہندی کا ایک قاعدہ باقاعدہ تصنیف کر کے سٹاک ہالم سے بھجوادیا۔ چوہدری عبدالواحد صاحب بھی ہمارے بڑے خاموش طبع بزرگ تھے۔ ہندی کے رسائل منگواتے اور پڑھتے رہتے تھے اور سلسلہ کے مفید مطلب حوالے نکالتے رہتے تھے۔ اصلاح وارشاد کے دفتر میں نائب ناظر تھے۔ وضع داری سے شلوار قمیض کے اوپر ہاف کوٹ پہنتے اور ٹوپی اوڑھتے تھے۔ ہم نے بہت کم انہیں کوٹ کے بغیر دیکھا۔ خالہ زینب ان کی بیگم، ہم سے اپنے بچوں کی طرح پیار کرتی تھیں ان کا گھر ہمارے لئے اپنا ہی گھر تھا۔ ہم نے گھر میں بھی چوہدری صاحب کو خاموش اور مطالعہ میں مصروف پایا۔ عجیب کتابی قسم کے بزرگ تھے مگر خشکی انہیں چھو کر بھی نہیں گئی تھی۔ ان کے چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ کچے کوارٹروں میں رہتے تو ہم سائیکل پر ان کے گھر پہنچتے، ماجد باہر آتا اور ہم چنیوٹ کے لئے روانہ ہو جاتے۔ چوہدری صاحب کچھ دور تک ہمیں دیکھتے رہتے پھر اندر

چلے جاتے۔ ان کی دعائیں سارے سفر میں ہمارے ساتھ رہتیں۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب

جماعت کے خاموش علماء کا ذکر ہو رہا ہے تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب بھی تو خاموش علماء میں سے تھے کیونکہ یہ دونوں بزرگ سٹیج کے آدمی نہیں تھے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کا ذکر تو ہم کئی جگہ کر چکے ہیں مگر حضرت مرزا شریف احمد صاحب کا ذکرِ خیر اب تک کہیں نہیں حالانکہ ان سے تو قادیان کے زمانہ سے تعلق تھا بلکہ ان سے تو ہمارا آباؤ اجداد کے زمانہ سے تعلق تھا۔

ہمارے دادا مولوی فضل خان صاحب سلسلہ احمدیہ میں بیعت ہوئے تو قادیان میں آبسے۔ اچھی خاصی زمینداری تھی، زمین بٹائی پر دے دی اور در حبیب پر دھونی رما کر بیٹھ گئے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے دربان ہو گئے۔ ہمارے تایا محمد خاں صاحب حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ اور حضرت نواب امۃ الحفیظ صاحب کی کوٹھی کی دربانی کرتے تھے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے جو کچھ دیا وہ خاندان بانی سلسلہ کی دربانی کا صدقہ ہے۔ ہمارے دادا نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک سو بیس برس کے قریب عمر پائی۔ ہم نے جب بھی انہیں اپنی ہوش میں دیکھا اپنے گھر میں آم کے درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھے اور قرآن پڑھتے دیکھا۔ دادا جان کی زبانی معلوم ہوا کہ حضرت میاں شریف احمد صاحب کی کوٹھی کی دربانی ان کے سپرد تھی۔ عمارت میں توسیع ہو رہی تھی جو دیوار بنی اس کے بارہ میں دادا جان کو خیال ہوا کہ اس میں کوئی کمی رہ گئی ہے ٹھیک سے نہیں بنی۔ آپ نے حضرت بیگم صاحبہ سے ذکر کیا۔ فرمانے لگیں بابا دیوار اتنی ہی کمزور ہے تو بھلا اسے ایک دھکے میں گرا دو۔ دادا جان نے ایک ہی دھکا دیا تو سیمنٹ سے چنی ہوئی دیوار وہ جا پڑی۔ سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ حضرت میاں صاحب نے معماروں کو بلا کر دوبارہ دیوار بنوائی۔ معماروں نے اعتراف کیا کہ واقعی دیوار کی تعمیر میں ان لوگوں نے پورا سیمنٹ استعمال نہیں کیا تھا۔

ربوہ میں حضرت مرزا شریف احمد صاحب اصلاح وارشاد کے ناظر تھے۔ ہم انجمن کے کلرک ہونے کے باوجود حضرت میاں صاحب کے دفتر میں کام نہیں کرتے تھے مگر میاں صاحب کو خاموشی سے آتے جاتے دیکھتے رہتے تھے۔ حضرت میاں صاحب نہایت کم گو آدمی تھے۔ دفتر کے طرف آتے ہوئے کئی بار انہیں دیکھا مگر خاموش اور خود اپنی ذات میں مگن۔ پیدل چلنا انہیں بہت پسند تھا۔ اس زمانہ میں آپ دارالصدر سے یعنی اپنے گھر سے چلتے اور خلیفہ صلاح الدین صاحب کے گھر محلہ دارالیمن پیدل جاتے تھے۔ پاؤں دھول میں اٹ جاتے مگر چہرہ پر گردِ ملال نہ ہوتی۔ خلیفہ صلاح الدین صاحب سے ان کی گاڑھی چھنتی تھی۔ دونوں دوست پہروں بیٹھے باتیں کرتے رہتے۔ دونوں میں کیا گفتگو رہتی ہوگی معلوم نہیں کیونکہ ہم نے انہیں گفتگو کرتے نہیں سنا۔ مگر یہ بھی ہو سکتا ہے دونوں دوست خاموش بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے ہوں۔ اس بات کو بھی محبت کی انتہا سمجھا جاتا ہے کہ آمنے سامنے بیٹھ کر خاموش ایک دوسرے کو تکتے رہنا۔ جب بے تکلفی اور محبت اس درجہ تک پہنچ جائے تو باتیں کرنے کو رہ بھی کیا جاتا ہے۔ ہم نے حضرت میاں شریف احمد صاحب کی اس خاموش محبت کا دور سے ہی نظارہ کیا ہے۔

ایک بار مکرم خلیفہ صلاح الدین احمد صاحب سے ملنے کے لئے ان کے درِ دولت پر حاضر ہونے کا موقعہ ملا۔ ہم کسی رسالہ کے لئے مضمون لکھ رہے تھے۔ فلسفہ کی کوئی بات تھی جو سمجھ نہیں آرہی تھی۔ کسی نے بتایا کہ خلیفہ صلاح الدین صاحب فلسفہ کے عالم ہیں، ان سے رابطہ کرو۔ چنانچہ ہم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مسئلہ حل ہو گیا مگر خلیفہ صاحب سے بے تکلفی نہ ہو سکی کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی جسارت کرتے۔ ان کے انتقال کے بعد معلوم ہوا کہ خلیفہ صاحب واقعتاً بڑے عالم آدمی تھے مگر خاموش اور گوشہ نشین۔ ہمیں یہ تک معلوم نہیں تھا کہ خلیفہ صاحب کوئی کام

بھی کرتے ہیں یا نہیں یا ان کے روزگار کا بندوبست ہے مگر ہم نے انہیں بے فکر اور مطمئن ہی پایا۔ اپنے علم پر مطمئن تھے اور جس شخص کے گھر میاں شریف احمد صاحب جیسے بزرگ خود چل کر جاتے ہوں اس کے اطمینان کی وجہ سمجھ بھی آتی ہے۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد!

حضرت مولوی محمد دین صاحب

ہم خاموش عالموں کا ذکر کرتے کرتے دارالیمن تک پہنچ گئے مگر اپنی گلی کے بزرگوں کو نظر انداز کر گئے۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب پہلے ناظر تعلیم تھے۔ پھر صدر صدر انجمن کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہوئے۔ جوانی میں امریکہ میں مبلغ رہے تھے۔ ہماری سکول کی زندگی سے پہلے کہیں سکول میں ہیڈ ماسٹری بھی کی۔ ہم نے جب سے انہیں دیکھا بزرگ اور عمر رسیدہ ہی دیکھا۔ انگریزی زبان سے بہت شغف رکھتے تھے۔ انجمن کے دفتر میں صدر کی کرسی پر تھے۔ ہم نے انہیں کبھی کتاب کے بغیر نہیں دیکھا۔ ہاں آخری بیماری سے پہلے بہت کمزور ہو گئے تھے مگر ابھی دفتر آنا جانا جاری تھا۔ ڈاکٹروں نے عرق ریزی سے کام کرنے سے منع کر دیا ہوگا اس لئے خاموش اور اکیلے بیٹھے ذکر الٰہی کرتے رہتے تھے۔ کیونکہ ان کے ہونٹ ہلتے دکھائی دیتے رہتے تھے۔

حضرت مولوی صاحب کا لباس نہایت سادہ ہوتا تھا۔ ہم نے اپنی ہوش میں انہیں اچکن پہنے نہیں دیکھا۔ سادہ سا کرتا اور ٹخنوں سے اونچا پاجامہ پہنتے تھے۔ پاؤں میں بھی سادہ سادیسی جوتا ہوتا تھا۔ ہمارے ابا بھی اللہ بخشے لباس کے معاملہ میں بالکل دیہاتیوں جیسے طور رکھتے تھے۔ شلوار تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے ناظری کے وقت حکماً انہیں پہنائی۔ شلوار میں بہت بے آرامی محسوس کرتے تھے اس لئے تہبند باندھتے تھے۔ گھر میں تہبند اور اس کے اوپر صرف بنیان۔ مہمان بھی آتے تو اسی لباس میں ان سے ملتے۔ بے تکلفی ان کے مزاج کا حصہ تھی۔ تقریبات میں اسی لئے نہیں جاتے تھے کہ لباس وغیرہ کا تکلف کرنا پڑتا ہے۔ سرکاری افسروں سے بھی اسی شان سے جا ملتے تھے اور افسران کے رعب دبدبہ اور وجاہت کی وجہ سے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک بار میرے ایک دوست جھنگ کے ڈپٹی کمشنر ہو کر آ گئے۔ ظاہر ہے دوست کو دوست کے گھر آنا ہی تھا۔ وہ مجھے ملنے کے لئے غریب خانہ پر آئے۔ ہم لوگ بیٹھک میں بیٹھے تھے کہ ابا جی بھی کہیں دورہ سے واپس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ باہر ڈپٹی کمشنر صاحب کی جیپ کھڑی ہے اس لئے دوسرے دروازے سے گھر کے اندر چلے گئے۔ ڈی سی صاحب فرمانے لگے یہ کون بزرگ تھے؟ میں نے کہ میرے ابا۔ کہنے لگے یہ دو تین بار کسی کام سے میرے پاس تشریف لائے میں نے ان کا کام تو کر دیا مگر مجھے علم نہیں تھا کہ تمہارے ابا ہیں۔ تمہارے ابا ہوئے تو میرے ابا ہوئے۔ مجھے ان سے زیادہ احترام پیش آنا چاہئے تھا۔ اب ان کو بلاؤ تاکہ میں ان کے پاؤں چھو سکوں۔ میں نے ابا جی کو بتایا کہ ڈی سی صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح تہبند اور بنیان میں باہر آ گئے۔ ڈی سی صاحب نے بہت معافی چاہی اور شکوہ کیا کہ آپ نے اپنے بیٹے کے بارہ میں بتایا کیوں نہیں؟ فرمایا: "اچھا بیٹوں کے بارہ میں بھی بتایا جاتا ہے؟" غرض اس کے بعد کئی بار ڈی سی صاحب آتے جاتے رہے اور ابا جی ان کے ساتھ بچوں کا سا سلوک کرتے رہے۔

بات حضرت مولوی محمد دین صاحب کی علمیت سے چلی تو کہیں کی کہیں نکل گئی۔ ان کا میدان انگریزی اور بامحاورہ انگریزی تھا۔ ہمارے گھر کے سامنے ہی تو ان کا مکان تھا۔ اکیلے ہی رہتے تھے۔ دفتر اور گھر بس تگ و تاز کی تگ و تاز تھی۔ ایک دو بار بی اے کے امتحان کے دنوں میں انگریزی کا کوئی محاورہ پوچھنا پڑا تو انہیں تکلیف دی مگر اس تکلیف دہی کے لئے بھی اس بات کا انتظام کرنا پڑا کہ صبح اپنے دفتر جانے کے لئے گھر سے نکلیں تو ان سے پوچھیں۔ کیونکہ طبیعت میں اس بات کا بہت حجاب تھا کہ دروازہ کھٹکھٹانے پر مولوی صاحب کو دروازہ کھولنے کے لئے آنا پڑے گا۔ ایک تانگہ انہیں لینے کے لئے آتا

تھا۔ اس میں دفتر جاتے تھے۔ لباجی ربوہ میں ہوتے تو دفتر جاتے ہوئے انہیں اپنی جیپ میں لے جاتے۔ مگر صدر صدر انجمن احمدیہ نے کبھی یہ خواہش نہیں کی کہ انہیں لینے کے لئے موٹر بھیجی جائے۔ تانگہ پر خوش تھے۔ عجیب صوفیانہ زندگی گزارتے تھے۔ جیسے زندگی کی آسائشوں سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

حضرت مولوی عطامحمد صاحب

ہماری ہی گلی میں حضرت مولوی عطاء محمد صاحب بھی تھے۔ ایک اور نابغہ۔ جامعہ میں غیر ملکی طلباء کو اردو پڑھانے پر مامور تھے۔ ان کا طریق تدریس ایسا تھا کہ جامعہ کے غیر ملکی بچے فر فر اردو بولنے لگتے تھے۔ مولوی صاحب بھی دیہاتی بودوباش رکھتے تھے۔ گھر پر تو تہبند باندھتے تھے مگر جامعہ میں جاتے ہوئے شلوار کرتا پہن لیتے تھے۔ پاؤں میں وہی دیسی جوتی۔ پگڑی نہیں صافہ سا باندھتے تھے۔ گھر سے نکلتے ادھر ادھر دیکھے بغیر سیدھے جامعہ کا رخ کرتے۔ ذکر الٰہی باقاعدگی سے کرتے رہتے۔ ایک دوبار انہیں بہ آواز بلند بھی ذکر الٰہی کرتے سنا۔ واپس تشریف لاتے تو گھر میں وہی دیہاتیوں والا لباس پہن لیتے۔ نمازوں کے لئے باقاعدگی سے البیت میں جاتے۔ کڑکتی دوپہروں میں بھی، جب چیل انڈا چھوڑتی ہے۔ مولوی صاحب کو البیت کی طرف رواں دواں دیکھا۔

مہاشہ فضل حسین صاحب

پیچھے ہندی کا بڑا ذکر ہوا ہے تو مہاشہ فضل حسین صاحب کا چہرہ آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ مہاشہ فضل حسین صاحب کو جس زمانہ میں ہم نے دیکھا اس زمانہ میں ان پر فالج کا حملہ ہو چکا تھا۔ دائیں ہاتھ پر فالج کا اثر تھا۔ چلنے میں بھی دقت ہوتی تھی مگر اپنے کام میں مگن رہتے تھے۔ سلسلہ کی بہت سی مفید کتابیں انہی کی چھاپی ہوئی ہیں۔ بہت احتیاط سے مواد اکٹھا کرتے، مرتب کرتے اور چھاپتے تھے۔ ربوہ کے وسط والی پہاڑی میں پرانے اڈا کے بالمقابل عین پہاڑی کے دامن میں ان کا مکان تھا۔ گرمیوں میں ربوہ کا یہ حصہ آگ کا ٹکڑا بن جاتا تھا مگر مہاشہ فضل حسین کو ہم نے اس گرم مکان میں ٹھنڈے دل سے کام کرتے دیکھا ہے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ چلنے میں دشواری کے باوجود مہاشہ صاحب حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی خدمت میں تشریف لائے۔ حضرت میاں صاحب ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ مہاشہ صاحب بھی ہندی کے عالم تھے۔ مہاشہ محمد عمر صاحب بھی ہندی کے ودان تھے ان کا بیٹا ہمارا کلاس فیلو تھا ایک آدھ بار ان کے ہاں حاضر ہونے کا موقعہ بھی ملا مگر مہاشہ صاحب ربوہ سے باہر تھے۔

میاں عبدالحق صاحب رامہ

ہندی کے ودان تو ہماری لپیٹ میں آگئے۔ فارسی والے بچ گئے۔ مگر تابکے؟ میاں عبدالحق رامہ صاحب ناظر بیت المال تھے۔ مگر ہمارے انجمن سے چلے جانے کے بعد ناظر بن کر آئے۔ ہمارا خیال تھا اکاؤنٹس کے آدمی ہیں' ادب سے کہاں تعلق ہوگا؟ مگر یہ نہ سوچا کہ اردو ادب کی تاریخ حساب دان ادیبوں شاعروں سے بھری پڑی ہے۔ مرزا محمد ہادی رسوا حساب دان تھے۔ جناب پروفیسر دل محمد تو خود ہماری ہوش کے زمانہ تک مشہور تھے جن کے دل الجبراء کو دیکھ کر ہم حساب سے فرار ہوئے تھے۔ رامہ صاحب فارسی ادب کا صاف ستھرا ذوق رکھتے تھے۔ حضرت بانی سلسلہ کی درثمین فارسی کے نو حافظ تھے۔ آپ نے اس پر حاشیہ بھی لکھا تھا مگر خدا معلوم چھپا یا نہیں۔ ان کے بچے سارے ہی ہمارے شاگرد ہوئے۔ عزیزی نعیم نہایت نفیس طبع اور سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ یہ جواں مرگ ہمیں بہت عزیز تھا۔ بیچارا جوانی میں ہی دست اجل کا شکار ہو گیا۔ ایک چھوٹا سا بچہ اس کی یادگار رہ گیا۔ اس کی وجہ سے ہی ہمارا تعارف رامہ صاحب سے ہوا یا سفیر الحق کی وجہ سے ہمیں ٹھیک سے یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے ان کے ہاں حاضر ہوئے تو رامہ صاحب ایک بڑی سی میز پر بیٹھے اور ارد گرد فارسی کے دیوان بکھرے پڑے تھے۔ حافظ' رومی' فردوسی' انوری' خاقانی'

بیدل، غالب اور خدا معلوم کون کون! ہم حیرت سے انہیں دیکھتے رہے۔ رامہ صاحب نے وہ در ثمین فارسی بھی دکھائی جس پر آپ نے تحشیہ کیا۔

بات اردو کی بجائے فارسی کی طرف مڑ گئی۔ ان کے ذوق کی پاکیزگی نے بہت متاثر کیا۔ پھر فارسی میں اپنے بھائی مبشر احمد راجیکی کے فارسی اشعار میں ان کے والد ماجد کا تصوف جھلکتا تھا۔ مبشر صاحب نے منشی فاضل کیا ہوا تھا اور فارسی پڑھاتے بھی تھے مگر رامہ صاحب دفتر میں دو اور دو چار کرتے اور گھر میں بیدل کے اشعار پڑھتے تھے۔ اس ناطہ سے عمر خیام ٹھہرے جو حساب دان تھا۔ یہ حساب دان شاعری میں در آئے ہیں تو اپنا تجربہ بھی بیان کر دیں۔ ہمیں تو جتنے حساب دانوں سے پالا پڑا شعری ذوق کے باب میں بالکل کورے نکلے۔

فارسی ہمارے سلسلہ کی روایت کا ایک لازمی جزو ہے۔ حضرت بانی سلسلہ کے کلام کا ایک معتدبہ حصہ فارسی میں ہے اور اپنی شستگی ور فتگی کی وجہ سے اساتذہ کے کلام سے لگا کھاتا ہے اس لئے ہم احمدی فارسی کی شعری روایت سے قطع تعلق نہیں کر سکتے۔ ہمارے فارسی شعراء میں سے حضرت مولانا بسمل صاحب کا ذکر ہندوستان کے فارسی گو شعرا کے تذکروں میں بڑے احترام سے کیا گیا ہے۔ ابھی حضرت شیخ محمد احمد صاحب مظہر صاحب کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے ان کی فارسی نظمیں سلسلہ کے ادبی سرمائے کا بیش بہا حصہ ہیں۔ فارسی کی طرف کماحقہ توجہ دینی بہت ضروری ہے۔ ورنہ ہمارے علم کلام کا کثیر حصہ لوگوں کی نگاہ سے اوجھل رہ جانے کا خدشہ ہے۔ ہمیں تو یونہی لگتا ہے ہمارے ہاں فارسی جاننے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔

محترم ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب خاکی

ایک بار ہمارے گھر کے سالانہ مشاعرہ پر ہمارا شاگرد عزیزی طاہر مرحوم ایک بزرگ کو ساتھ لایا۔ کہنے لگا میرے نانا ہیں۔ پنڈی رہتے ہیں۔ فارسی میں شعر کہتے ہیں۔ تعارف پر معلوم ہوا ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب خاکی ہیں۔ خاکی صاحب کا فارسی کلام سلسلہ کے جرائد میں دیکھ رکھا تھا۔ ان سے پہلی بار ملاقات کر کے بہت خوشی ہوئی۔ بزرگ آدمی تھے۔ فارسی پر خوب عبور تھا۔ شعر بھی نہایت سادہ سادہ کہتے تھے۔ ہمارے مشاعرہ کی رونق کو چار چاند لگ گئے"

محترم شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی

ربوہ سے بات نکل کر پنڈی پہنچ گئی تو لاہور کے دو تین خاموش عالموں کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔ اپنے شیخ محمد اسماعیل صاحب پانی پتی اور شیخ عبدالقادر صاحب بائبل سکالر۔ شیخ صاحب حالی کے ہم وطن ہی نہیں حالی کے شاگرد بھی تھے مگر شعر نہیں کہتے تھے۔ لاہور کی ادبی دنیا میں ان کا اور ان کے بیٹے محمد احمد پانی پتی مرحوم دونوں کے نام نہایت وقیع نام تھے۔ نقوش والوں نے جو اتنے ضخیم نمبر ادب پر شائع کر رکھے ہیں ان کی ترتیب میں مکرم شیخ صاحب کی معاونت بھی شامل ہے۔ شیخ صاحب سے تعارف ان کے بیٹے برادرم مبارک محمود پانی پتی کی وساطت سے ہوا۔ کئی بار لاہور جانا ہوتا تو ان کے ہاں رام گلی نمبر ۴ میں قیام کا موقعہ ملتا۔ قبلہ شیخ صاحب سے گھر میں تو کبھی کبھار ہی ملاقات ہوتی کیونکہ آپ علی الصبح اپنی ادبی فتوحات پر نکل جاتے تھے۔ ہاتھ میں کپڑے کا ایک تھیلہ رکھتے تھے جس میں کتابیں مسودے اور پتہ نہیں کیا کیا بھرا رہتا۔ سر پر پھندنے والی سرخ ٹوپی پہنتے۔ پاؤں میں گرد آلود جوتا بر میں شیروانی۔ شیخ صاحب بہت تیز بولتے تھے ان کی باتوں کو سمجھنے کے لئے خاصی مشق کرنا پڑتی تھی ورنہ یونہی لگتا تھا الفاظ ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ان کے ہونٹوں سے نکل رہے ہیں۔ ہمیں سالک صاحب مرحوم کی بات یاد آتی ہے۔ سالک صاحب نے حسرت موہانی کے بارہ میں لکھا کہ: "ان سے پہلی بار ملنا ہوا تو میں بھونچکارہ گیا۔ یا اللہ۔ ایسے ہوتے ہیں حسرت موہانی؟ بس شیخ صاحب کو دیکھ کر بھی یہی احساس ہوتا تھا مگر صاحب کیا بلا کے عالم تھے۔ ان کا چھوٹا سا کتاب خانہ غالباً حالی بک ڈپو اس کا نام تھا یا کچھ اور۔ اب ٹھیک سے یاد نہیں۔ مبارک پانی پتی نے ابا کی وفات کے بعد

اس کو چلانے کی اپنی سی کوشش کی مگر کہاں؟ شیخ صاحب کی علمیت کہاں سے آتی۔ لاہور کی جماعت کا بڑا فعال آدمی تھا۔

شیخ صاحب کے بڑے صاحبزادے محمد احمد پانی پتی عربی سے ترجمہ کرنے میں فرو تھے۔ دیکھتے دیکھتے اس نحیف و نزار اور بیمار شخص نے عربی ادب کی شاہکار کتابیں اردو میں منتقل کر دیں اور ساری دنیا دیکھتی رہ گئی۔ پے در پے ان کے ترجمے شائع ہوئے تو دھوم مچ گئی۔ ہم نے پہلی بار محمد احمد پانی پتی کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ اتنا نحیف و نزار آدمی اور ذہن اتنا توانا۔ مگر وہی خوش درخشد ولے شعلہ مستعجل بود کا مضمون ہوا۔ محمد احمد پانی پتی جوانی میں ہی گذر گیا۔ جوان بیٹے کی وفات پر ہم نے بوڑھے باپ کو صبر کرتے دیکھا تو صبر جمیل کے معانی سمجھ میں آئے۔ اللہ تعالیٰ باپ بیٹے دونوں کے درجات بلند فرمائے۔

بائبل کے سکالر محترم شیخ عبدالقادر

اور اب بائبل کے سکالر شیخ عبدالقادر صاحب محقق کا ذکر خیر۔ ہم اپنے شاگرد منیر احمد نذیر کے ہاں بیٹھے تھے کہ شیخ صاحب اندر سے تشریف لائے۔ منیر نے بتایا میرے ماموں ہیں۔ ہم شیخ صاحب کے علمی مرتبہ سے تو آشنا تھے مگر منیر کے ساتھ ان کے رشتہ کا علم نہیں تھا۔ شیخ صاحب نے بھی زیادہ شفقت کا سلوک کرنا شروع کر دیا۔ لاہور میں طالب علمی کے دوران جمعہ پر شیخ صاحب سے علیک سلیک ہو جاتی تھی۔ وہ مانے ہوئے محقق تھے ہم ابھی طالب علمی کی منازل میں تھے مگر جب بھی کبھی ہمارا کوئی مضمون یا نظم کہیں اشاعت پذیر ہوئی شیخ صاحب ضرور ہمیں ڈھونڈ کر ملتے اور ذکر کرتے۔ لکھنے والے تھے اس لئے لکھنے والوں کی نفسیات سے واقف تھے۔ شیخ صاحب نے اپنے ذاتی ذوق اور شغف سے بائبل کا علم حاصل کیا اور اس بارہ میں تنہا ان کی تحقیق اداروں کی تحقیق پر بھاری ہے۔ پیشہ کے لحاظ سے اکاؤنٹس کے آدمی تھے مگر علم کے لحاظ سے بائبل کے سکالر تھے۔ صحائف قمران پر آپ کی تحقیق شائع ہوئی تو دنیا میں تہلکہ برپا ہو گیا۔ ایک شخص نے ایک ایسی جگہ بیٹھ کر جو عیسائیت کے علوم کا مرکز بھی نہیں تھا ایسا تحقیقی کام کر دکھایا ہے۔ اگر شیخ صاحب کی تحقیق کا کام انگریزی میں ہوتا تو بہت سی یونیورسٹیاں انہیں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری دیتیں مگر ہمارے ہاں ایسا کون کرتا ہے۔ شیخ صاحب کی موت سے ایسا خلاء پیدا ہو گیا ہے جسے بظاہر پر کرنا ممکن نہیں لگتا مگر خدائی جماعتوں کے رستے کبھی رکتے ہیں؟

پیارے آقا اور جماعت احمدیہ عالمگیر کو کامیابیوں اور کامرانیوں کا ایک اور سال مکمل ہونے پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

منجانب:

مجلس خدام الاحمدیہ

سول لائن۔ گوجرانوالہ

"اگر دل کی بیماریوں سے بچنا چاہتے ہیں تو صبح کی سیر کریں، متوازن غذا کھائیں، صحت مند گفتگو میں حصہ لیں اور سگریٹ نوشی سے پرہیز کریں"

نماز تہجد ھارٹ اٹیک سے بچاؤ کا ذریعہ، ھارٹ سرجری اور حضرت مسیح علیہ السلام

ملک کے معروف ماہر امراض قلب **محترم ڈاکٹر محمد مسعود الحسن صاحب نوری**

(ایم سی پی ایس، ایف سی پی ایس، ایم آر سی پی، ایف آر سی پی، ایف اے اے سی) سے بات چیت

(انٹرویو پینل: ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب، فخر الحق شمس صاحب، انیس احمد ندیم صاحب)

آپ کا مکمل نام محمد مسعود الحسن نوری ہے۔ آپ کے دادا جان مکرم ڈاکٹر نور الحسن صاحب نے سب سے پہلے احمدیت قبول کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے آپ کا نام مسعود الحسن رکھا، دادا جان کے نام کے حوالے سے آپ کے والد صاحب نے آپ کے نام کے ساتھ نوری کا اضافہ کر دیا اور اسی طرح محمد کا اضافہ حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے نام کی وجہ سے رکھا گیا۔ آپ کے والد صاحب کا نام مکرم میجر منظور الحسن صاحب ہے۔ انہوں نے ایم اے اکنامکس اور ایم اے انگریزی کیا اور اس کے بعد فوج کے مختلف تدریسی اداروں میں پڑھاتے رہے۔ ڈاکٹر مسعود الحسن صاحب نوری کا تعلق بنیادی طور پر گجرات سے ہے۔ آپ کی شادی محترم کرنل صاحبزادہ مرزا داؤد احمد صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پڑپوتی ہیں۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا تعلق کابل سے ہے، اس لئے آپ کی مادری زبان فارسی ہے۔ آپ کے نانا امیر امان اللہ (جن کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کتاب دعوۃ الامیر تحریر فرمائی) کی والدہ کے ذاتی معالج تھے۔ کیونکہ آپ کے دادا اور نانا دونوں ڈاکٹر تھے۔ اس لئے والدین کی یہ خواہش تھی کہ ان کی اولاد میں سے بھی کوئی ڈاکٹر بنے۔ تین بھائی اور دو بہنوں میں صرف آپ ہی ڈاکٹر بنے۔

ہم نے خاص طور پر آپ کے لئے محترم ڈاکٹر محمد مسعود الحسن صاحب نوری سے انٹرویو کا اہتمام کیا ہے۔ اس انٹرویو میں ہم نے کوشش کی ہے کہ آسان اور سادہ زبان میں دل کے متعلق معلومات آپ تک پہنچائی جائیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب نے ہماری درخواست کو کمال شفقت سے منظور فرمایا اور ایک طویل نشست میں اپنے شعبہ کے متعلق نہایت آسان اور دلچسپ انداز میں جملہ معلومات فراہم کیں۔ ہم نے ان سے جو سوال کئے ان کے جوابات کو مختلف موضوعات کے تحت اکٹھا کر کے پیش کیا جارہا ہے۔

ابتدائی تعلیم

میں نے ابتدائی تعلیم ملٹری کالج سرائے عالمگیر سے حاصل کی۔ جہاں میں نے میٹرک اور ایف ایس سی میں ٹاپ کیا۔ اس کے بعد میڈکل کی تعلیم کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں داخلہ لیا۔ جب میں میڈیکل کی تعلیم کے پانچویں سال میں تھا تو محترم چوہدری اسد اللہ خان صاحب امیر ضلع لاہور کی تحریک پر اپنی زندگی خداتعالیٰ کی راہ میں وقف کی۔ اسی وقف کی برکت سے میں نے ایم بی بی ایس میں بھی ٹاپ کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی تحریک پر میں فوج میں آگیا۔ گزشتہ تعلیمی ریکارڈ اچھا ہونے کی وجہ سے فوج میں رہتے ہوئے مجھے میڈیسن میں Specialization کرائی گئی۔ کالج آف فزیشن کراچی سے میڈیکل میں پاکستان کی اعلیٰ ترین ڈگری FCPS حاصل کی۔ اس بنیاد پر فوج کی طرف سے مجھے اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرون ملک بھیجا گیا۔ سینٹ ٹامز ہاسپٹل لنڈن سے میں نے آٹھ دس مہینوں میں MRCP کا کورس مکمل کیا۔ (بہت کم غیر ملکی ڈاکٹرز اتنی قلیل مدت میں یہ کورس مکمل کرتے ہیں۔)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث جب لنڈن تشریف لائے تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کارڈیالوجی یعنی دل کے شعبہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو دل کا اٹیک ہوا تو میں نے بھی دیگر ڈاکٹرز کی ٹیم کے ساتھ مل کر ان کے علاج کی توفیق پائی۔ یہ حُسنِ اتفاق ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خواہش کے مطابق دل کے شعبہ میں تعلیم حاصل کی اور پھر خداتعالیٰ نے ان کے علاج کی توفیق بھی مجھے دی۔ ان کے علاوہ جماعت کے بے شمار بزرگوں کے علاج کی بھی توفیق ملی۔ اسی لئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ خلیفہ وقت کے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ کتنی اہمیت کی حامل اور پُر حکمت ہوتی ہے۔ 1981ء سے آج تک یعنی 19 سالوں سے مجھے اس شعبے میں علاج کی توفیق مل رہی ہے۔

1981ء کے بعد میں نے پاکستان اور بیرون پاکستان بہت سے تحقیقی مقالے پڑھے۔ 1988ء میں امریکن کالج آف کارڈیالوجی سے مجھے فیلوشپ دی گئی۔ یہ فیلوشپ ان ڈاکٹرز کو دی جاتی ہے جن کا اپنے علاقہ میں قومی اور بین الاقوامی سطح پر نمایاں مقام اور خدمات ہوتی ہیں۔ اسی طرح 1993ء میں فیلوشپ آف رائیل کالج آف فزیشنز ایڈنبرا اور 1994ء میں فیلوشپ آف رائیل کالج آف فزیشنز لنڈن بھی مل چکی ہے۔ آرمڈ فورسز انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی راولپنڈی پاکستان کے بہترین انسٹیٹیوٹس میں سے ایک ہے۔ اس کے بانی ممبران میں میرا بھی شمار ہوتا ہے۔ آج کل میں اس انسٹیٹیوٹ کے شعبہ کارڈیالوجی کا صدر ہوں۔

ہمارے جسم میں دل کی پوزیشن

دل کا سائز انسان کی مٹھی کے برابر ہوتا ہے اور وہ سینے میں ذرا سا بائیں طرف ہوتا ہے۔ ایک منٹ میں 70 سے 80 مرتبہ دھڑکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن میں یہ ایک لاکھ سے زیادہ دفعہ دھڑکتا ہے۔ بچے کے دل کی دھڑکن پیدائش سے پہلے شروع ہو جاتی ہے اور جب انسان یہ دنیا چھوڑتا ہے تب یہ ختم ہوتی ہے۔ اس طرح دل ایسا عضو ہے جو پیدائش سے لے کر وفات تک مسلسل کام کرتا رہتا ہے۔ ویسے تو تمام اعضاء ہی اپنی اپنی جگہ اہم ہیں لیکن یہ عضو ایسا ہے جو انسانی جسم میں سب سے زیادہ اہم ہے۔

دل کی بیماریاں

دل کی عام بیماریوں میں ایک بیماری یہ ہے کہ دل کی خون کی نالیوں میں رکاوٹ کی وجہ سے دل کے ایک حصے کو خون صحیح طریقے سے نہیں پہنچتا۔ جسے ہم کورنری آرٹری ڈیزیز (Coronary Artery Diseases) کہتے ہیں۔

یہ بیماری آج کل دنیا میں بہت زیادہ پھیل گئی ہے۔ چالیس سال کے بعد موت کی وجوہات میں ہارٹ اٹیک کا تیسرا نمبر ہے۔ پہلی دو وجوہات میں کینسر اور سڑکوں پر حادثات شامل ہیں۔ اب آپ اندازہ کرلیں کہ ہر تیسرا آدمی دل کی وجہ سے فوت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ دل کی بیماری ہائی بلڈ پریشر کی وجہ سے ہوتی ہے۔ وقت کے ساتھ جب چند سال بلڈ پریشر زیادہ رہے تو وہ دل کے ایک حصے کو بڑھاتا چلا جاتا ہے اور آہستہ آہستہ دل کا حصہ کمزور ہو جاتا ہے اور اسی طرح دل کی بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔

دل کی تیسری بڑی بیماری جو ترقی یافتہ ممالک میں زیادہ ہے وہ گٹھیا (Rheumatic Heat Disease) کی بیماری ہے۔ ایک خاص قسم کے جراثیم جو گلے پر اثر کرتے ہیں' ان کی اینٹی باڈیز دل کے والوز کر متاثر کرتی ہیں اور 5 سے 15 سال کی عمر کے درمیان ان جراثیم کی وجہ سے دل کے والوز کھائے جاتے ہیں۔ چھوٹی عمر سے ہی مریض آنے شروع ہو جاتے ہیں' جن میں عموماً یہ علامات دیکھی جاتی ہیں یعنی سانس کا پھولنا' دل کی دھڑکن تیز ہونا' پاؤں پر سوجن اور کمزوری وغیرہ۔

چوتھی بیماری دل کے پٹھوں کا کمزور ہو جانا ہے جس کو ہارٹ مسل ڈیزیز (Heart Muscle Disease) کہتے ہیں۔ اس کی بھی مختلف وجوہات ہوتی ہیں۔ جن میں ایک وجہ وائرل (Viral) انفیکشن ہے۔ اس کے علاوہ ایڈز کی بیماری بھی دل کے پٹھوں کو کمزور کرتی ہے۔

وجوہات: سب سے پہلے بچوں کی پیدائشی دل کی بیماریوں کے بارے میں بات کروں گا۔ کیونکہ یہ بیماری بچے کی پیدائش سے پہلے بچے کو ہو سکتی ہے۔ اس لئے بعض ایسی چیزیں جو ماں پر اثر کرتی ہیں اور جن کی وجہ سے بچے پر بھی اثر پڑ سکتا ہے' ان کو چھوڑ دینا چاہئے۔ اس میں سب سے زیادہ بے وجہ ادویات کا استعمال ہے۔ اگر بچے کی پیدائش سے پہلے ماں ادویات کا کثرت سے استعمال کرے تو بچے کے دوسرے اعضاء کے علاوہ دل پر بھی اثر ہوتا ہے۔ جو بچے کے لئے خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

انفیکشنز میں کن پیڑے (Mumps) کی وجہ سے بھی دل پر اثر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ جرمن میزلز (Germen Measles) وغیرہ بھی ہیں یعنی ماں کو جو بھی وائرل انفیکشنز ہوں تو ان کا اثر بچے پر ہو جاتا ہے۔

دل کی بیماریوں کی تیسری بڑی وجہ تابکاری ہے اور تابکاری میں ایٹمی توانائی کے اثرات شامل ہیں۔ خاص طور پر ایٹمی دھماکوں کے بعد پیدا ہونے والے بچوں میں نہ صرف دل کے بلکہ دوسرے امراض بھی بڑھ گئے ہیں۔ گزشتہ سال ایٹمی دھماکوں کے بعد مختلف ہسپتالوں کی رپورٹس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے۔ ایکس

ریز کا بھی بچے پر اثر ہوتا ہے۔ ذہنی دباؤ اور کھچاؤ کا اثر اگر ماں پر ہو تو اس کا اثر بچے پر بھی ہوتا ہے۔ اور دل کی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

دل کی بیماری کی بڑی وجہ خاندان ہے۔ یعنی اگر خاندان میں کسی کو دل کی تکلیف ہوئی ہو تو خاندان کے دیگر افراد کو احتیاط کرنی چاہئے۔

سگریٹ نوشی بہت ہی خطرناک عادت ہے جس سے نہ صرف دل کی بیماریاں بڑھتی ہیں بلکہ دیگر بیماریاں کے لئے بھی یہ نقصان دہ ہے۔ مثلاً سرطان، پھیپھڑوں میں برونکائٹس (Bron-chitis) کی بیماریاں، معدے میں السر کی بیماری۔ اس کے علاوہ اس بری عادت سے پیسے کا ضیاع اپنی جگہ ہے۔

دل کی بیماریاں بڑھنے میں ایک وجہ غذائیں مرغن یا غیر متوازن چیزوں کا استعمال ہے۔ آج کل خوراک میں گھی کا استعمال بہت زیادہ ہو گیا ہے اور سبزیوں کا استعمال بہت کم ہے۔ اس طرح خون میں چربی بڑھ جاتی ہے اور خون کی نالیوں میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

ہائی بلڈ پریشر سے دل پر اثر پڑتا ہے اور خون کی نالیوں میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔

زیادہ مرغن اور غیر متوازن خوراک کھانے سے موٹاپا بھی ہو جاتا ہے۔ جسم میں چربی زیادہ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے خون کی نالیوں پر اثر پڑتا ہے اور دل کی تکلیف ہو جاتی ہے۔

شوگر کی بیماری بھی باقی تکلیفوں کے علاوہ خون کی نالیوں کو تنگ کرتی ہے یہ مختلف وجوہات ہیں جن کی وجہ سے دل کی بیماریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔

بچوں کے دل کے امراض

اگر بچوں میں دل کے امراض پر غور کیا جائے تو دل میں سوراخ اور دل کی دو بڑی نالیوں میں بعض اوقات ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے بیماری لاحق ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ دل کے چار بڑے خانوں میں اگر خرابی پیدا ہو جائے تو بچوں میں مختلف بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ اس وجہ سے جو سب سے اہم بیماری ہے وہ Blue Baby کی ہے۔ جس میں بچہ نیلے رنگ کا پیدا ہوتا ہے اور یہ رنگ آہستہ آہستہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس کا علاج صرف آپریشن سے ہی ممکن ہے۔

بچوں کے دل میں سوراخ

بچے کی پیدائش سے پہلے دل بالکل ٹیوب کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس کے بعد دل چار حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اوپر کے دو حصے الگ اور نیچے کے دو حصے الگ ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں حصوں کے درمیان والوز ہوتے ہیں جو خون کو ایک رُخ پر چلاتے ہیں اگر اس تقسیم میں کسی جگہ خرابی رہ جائے تو سوراخ بن جاتا ہے اگر وہ سوراخ چھوٹا ہو گا تو بچے کی پیدائش کے بعد علامتیں کم ہوں گی اور اگر سوراخ بڑا ہو تو اتنی ہو علامتیں زیادہ ہوں گی مثلاً سانس کا پھولنا، بچے کی نشوونما میں کمی، باربار کھانسی، نزلہ اور بخار اور دودھ صحیح طریقے سے نہ پی سکنا وغیرہ۔

یہ سوراخ 50 فیصد بچوں میں وقت کے ساتھ ساتھ 11-12 سال کی عمر تک بند ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سوراخ بہت بڑا ہو تو عام طور پر خود بند نہیں ہوتا آپریشن کے ذریعے بند کرنا پڑتا ہے۔ اس کے آپریشن خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت کامیاب ہو رہے ہیں۔

احتیاطی تدابیر

بے وجہ دوائیاں استعمال نہ کی جائیں اور جہاں تک ممکن ہو مختلف وائرل انفیکشن کی روک تھام کے لئے دوائیاں استعمال کی جائیں اور ایکس ریز اور تابکاری کے بد اثرات سے ہر ممکن بچاؤ ہونا چاہئے۔

مگر بچپن سے ہی دل یک بیماریوں پر قابو پانا چاہتے ہیں تو متوازن غذا کا استعمال کریں، مرغن اشیاء کم سے کم استعمال کریں۔ روزانہ نماز فجر کے بعد ورزش کریں جس میں تیز تیز چلنے کی ورزش

سب سے زیادہ مفید ہے۔ سگریٹ نوشی جیسی بُری چیز کے پاس بھی نہ جائیں۔ اگر ان باتوں پر عمل کریں گے تو دل کی بیماریوں سے بچے رہیں گے۔

جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بتایا ہے کہ موٹاپا بھی دل کی بیماری پیدا کرنے کی ایک وجہ ہے۔ اس سے بچنے کے لئے متوازن غذا کا استعمال بہت ضروری ہے اور موٹاپا ورزش سے ٹھیک ہو سکتا ہے۔

ایسے کاموں میں مصروف رہنا چاہئے جس میں ذہنی دباؤ وغیرہ نہ ہو۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ زیادہ T.V کے سامنے بیٹھنے یا سیاست وغیرہ کے بارے میں بات چیت کرنے سے بھی ذہنی دباؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔

ورزش، سائیکلنگ، تیراکی، صبح کی سیر اور مختلف کھیلوں کے ذریعے ہم اپنے ذہن اور جسم کو صحت مند رکھ سکتے ہیں۔

دل کے مختلف ٹسٹ

دل کے مریض کے چیک اپ کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ڈاکٹر سے رجوع کیا جائے جو مریض کا وزن، بلڈ پریشر، نبض اور دل کی حرکت کے بارے میں خود چیک کرتا ہے۔

اس کے علاوہ چند ضروری ٹسٹ ہیں ان کے رزلٹ میں خون میں چربی کی مقدار دیکھی جاتی ہے اور شوگر کا لیول (Level) بھی چیک کیا جاتا ہے۔ تیسری چیز جو ضروری ہے وہ خون میں یورک ایسڈ (Uric Acid) کی مقدار چیک کی جاتی ہے۔

دل کی بیماری چیک کرنے کے لئے ای سی جی (ECG) ایک بنیادی ٹسٹ ہے جس میں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ آیا مریض کو اس سے پہلے دل کی بیماری ہوئی تھی یا نہیں۔ اب ECG کی ایک اور قسم ہے جس میں مخصوص ورزش کے دوران ٹسٹ لیا جاتا ہے۔ جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دل کے کسی حصے میں خون صحیح طریقے سے پہنچ رہا ہے یا نہیں۔

دل کا الٹراساؤنڈ بھی ایک اہم ٹسٹ ہے جو دل کی حرکت، والوز کی پوزیشن اور دل کے مختلف خانوں کے حجم کے بارے میں معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ دل کا نیوکلئیر ٹسٹ ہے جس میں خون کا دوران چیک کیا جاتا ہے کہ دل میں خون کس طرح پہنچ رہا ہے۔ اسے ہم نیوکلئیر سکین بھی کہتے ہیں۔

اور آخر میں اینجوگرافی (Angiography) کا ٹسٹ ہے جو ہمیں دل کے بارے میں کافی معلومات فراہم کرتا ہے۔ اس میں مخصوص رنگ کا مادہ یعنی ڈائی (Dye) خون کی نالیوں میں ڈالتے ہیں اور پھر اس ڈائی کو دل کے خاص پمپنگ چیمبر میں ڈال کر یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی دھڑکن کیسی ہے اور اس میں کوئی حصہ ایسا تو نہیں جو صحیح طریقے سے دھڑک نہ رہا ہو۔

ہارٹ اٹیک (Heart Attack)

دل کی شریانوں میں جب کوئی رکاوٹ یعنی چربی وغیرہ آہستہ آہستہ شریانوں میں جم جاتی ہے تو ایک وقت ایسا آتا ہے جب خون کی نالی مکمل طور پر بند ہو جاتی ہے۔ یا دل کی شریانوں میں جب سکڑاؤ یعنی سپیزم (Spasm) آجائے تو خون کا دوران دل کے اتنے حصے میں نہیں پہنچتا۔ اس کو ہم ہارٹ اٹیک کہتے ہیں۔

اس میں مریض کو شدید درد ہوتی ہے۔ بلڈ پریشر کم ہو جاتا ہے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، پسینے چھوٹ جاتے ہیں اور اگر ہارٹ اٹیک کی نوعیت زیادہ ہو تو موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔

اوپن ہارٹ سرجری

اگر خون کی ایک سے زیادہ نالیوں میں رکاوٹ ہو اور تھوڑا سے چلنے کے بعد سینے میں درد ہو اور مختلف ٹسٹوں میں یہ علامت واضح ہو جائے تو پھر اوپن ہارٹ سرجری کی جاتی ہے۔ اس سرجری میں جسم کے کسی حصے سے خون کی نالی لی جاتی ہے اور جو رکاوٹ والا حصہ ہے اس سے بائی پاس کر کے اس نالی کو آگے لگا دیا جاتا ہے اور اس طرح خون جائے اس رکاوٹ والے حصے سے گزرنے کے بائی پاس کے ذریعے اگلے حصہ تک گزرتا ہے۔ اس کو ہم بائی پاس سرجری کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اوپن ہارٹ سرجری میں دل کے خراب والو کو تبدیل کیا جاتا ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے دل کا والو تنگ ہو گیا ہو تو اسے کھولنے کے لئے بھی ہارٹ سرجری کی جاتی ہے۔

جہاں تک ہارٹ سرجری کی تاریخ کا سوال ہے تو یہ میری اپنی تحقیق ہے کہ ہارٹ سرجری کا آغاز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور سے ہوتا ہے۔ لیکن میڈیکل کی کتابوں کے مطابق دل کی سرجری کی ابتداء 8-9 سو سال پہلے ہوئی۔ آج کل سرجری باقاعدہ آپریشن تھیٹر میں کی جاتی ہے۔ اس کے لئے جدید ساز و سامان استعمال کیا جاتا ہے، مختلف ٹسٹوں اور ماہرین امراض دل کے مشورے کے بعد دل کا آپریشن کیا جاتا ہے۔ لیکن دل کی سرجری کے ابتدائی دور میں ایسا نہیں تھا بلکہ چار پہلوان مریض کے ہاتھ اور ٹانگیں پکڑ لیتے اور اس کے بعد دل کا آپریشن کیا جاتا تھا۔ اس دور میں دل کا آپریشن زیادہ کامیاب نہیں ہوتا تھا۔ لیکن آج کل خدا تعالیٰ کے فضل سے میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر چکی ہے کہ ہم زیادہ تعداد میں کامیاب آپریشن کرتے ہیں۔ آجکل اوپن ہارٹ سرجری میں اڑھائی سے تین لاکھ روپے تک اخراجات آجاتے ہیں۔

ہارٹ سرجری کی تاریخ

اس سلسلہ میں آپ کو ایک دلچسپ بات بتانا چاہتا ہوں۔ میری اپنی اس بارے میں تحقیق ہے اور امریکہ کے کئی ڈاکٹروں سے بھی میری بات ہوئی ہے۔ حضرت عیسیٰ کو جب صلیب پر چڑھایا گیا تو اس سے پہلے ان اس جگہ تک لایا گیا جہاں صلیب دی جاتی تھی تو اس وقت ان کو کانٹوں سے بنا تاج سر پر پہنایا گیا جو کبھی گرتا تھا اور کبھی پہنایا جاتا تھا۔ اس طرح ان کے جسم کے مختلف حصوں میں کانٹے چبھتے گئے۔ ان کانٹوں میں سے ایک کانٹا ان کے دل میں بھی چبھ گیا۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ دل کے گرد دو جھلیاں ہوتی ہیں جس کے اندر پانی کی بہت ہلکی سی تہہ ہوتی ہے تاکہ دھڑکن کے وقت دل باہر کے حصے سے رگڑ نہ کھا جائے۔ ورنہ دل جب بھی دھڑکے گا تو وہ اس وجہ سے گھسنا شروع ہو جائے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کا عجیب اور بہت عمدہ نظام ہے۔

جب حضرت عیسیٰ کے دل میں کانٹا چبھا تو ان دو جھلیوں کے درمیان خون آگیا اور خون اس میں جمع ہوتا گیا۔ اور آہستہ آہستہ دل کی دھڑکن کم ہوتی چلی گئی۔ اور ان کا بلڈ پریشر گرنا شروع ہو گیا جس کی وجہ سے ان پر غشی طاری ہو گئی۔ وہ دن جمعہ کا تھا اور ان کو دوپہر کے بعد صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ آندھی آئی اور شام بھی جلدی ہو گئی۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کسی دن آسمان پر بادل چھا جاتے ہیں تو اندھیرا پھیل جانے کی وجہ سے لگتا ہے جیسے شام جلدی ہو گئی ہو۔ بالکل اسی طرح اس دن بھی ہوا جب حضرت عیسیٰ کو صلیب پر چڑھائے جانے کا وقت دو سے اڑھائی گھنٹے بنتا ہے۔ اتنی دیر میں دل کے ارگرد خون جمع ہو چکا تھا۔ پاس کھڑے چوکیدار نے یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ زندہ ہیں یا نہیں۔ سینے سے ذرا نیچے دو ہڈیوں کے درمیان سے اوپر کی طرف نیزہ چبھویا تو خون اور پانی ان کے جسم سے ابل ابل کر نکلا۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک تو وہ زندہ تھے اور دل دھڑک رہا تھا اور دوسرا نیزے کی وجہ سے دل کے گرد جمع ہونے والا خون بھی باہر

نکل آیا اور پانی بھی۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ دل کی دھڑکن جو آہستہ ہو چکی تھی وہ دوبارہ تیز ہونا شروع ہو گئی۔ اس کے بعد جیسا کے تاریخ میں آتا ہے کہ ان کو صلیب سے اتارا گیا۔ غار میں لایا گیا اور ان کی مرہم پٹی کی گئی۔

میرے خیال میں تاریخی لحاظ سے یہ سب سے پہلا ہارٹ سرجری کیس تھا۔ گو یہ نہیں ہوا کہ انہوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے بعد سرجری کی تھی بلکہ یہ قدرت کی طرف سے ہی ہو گیا۔

آج کل بھی اس قسم کے مریضوں کا علاج بعینہ اسی طرح کیا جاتا ہے۔ چند دن پہلے میرے پاس ایک مریض آیا۔ وہ کرکٹ کھیل رہا تھا۔ جب وہ رنز بنانے کے لئے دوڑتا ہوا کریز کے پاس پہنچا تو گر گیا۔ جب وہ گرا تو ایک کیل اس کے سینے میں چبھ گیا۔ اس وقت کیل کی وجہ سے خون باہر نہیں آیا البتہ درد سی محسوس ہوئی۔ لیکن دس منٹ کے بعد اس نے کہا میرا سانس پھول رہا ہے اور رک بھی رہا ہے تو اس کا والد ہسپتال لے کر گیا جہاں کیل نکالا گیا۔ جب ایکسریز کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ دل کا سائز کچھ بڑا ہو گیا ہے۔

پھر اس کو ہمارے ہسپتال لایا گیا۔ پہنچتے پہنچتے ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔ جب میں نے دیکھا تو واقعی اس کا دل بڑھ گیا تھا اور دو جھلیوں کے درمیان خون بھی جمع ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے دل صحیح طور پر پمپ ہی نہیں کر رہا تھا۔

میں نے صرف ایک سوئی سینے کے درمیان سے ڈالی اور دل کے ارد گرد جمع ہونے والا خون باہر نکال لیا اور وہ بچہ ٹھیک ہو گیا۔ جب میں یہ آپریشن کر رہا تھا تو مجھے حضرت عیسیٰ کا واقعہ یاد آ رہا تھا۔

بیلون اینجو پلاسٹی
(Ballon Angioplasty)

اس سے مراد دل کو اوپن کئے بغیر آپریشن کیا جاتا ہے اس میں ران کے قریب خون کی بڑی شریان میں جا کر دل تک پہنچتے ہیں اور پھر اس حصے تک پہنچتے ہیں جہاں رکاوٹ ہوتی ہے۔ اس رکاوٹ والے حصے میں ایک ڈی فلیٹڈ (Deflated) بیلون یعنی غبارہ گزارتے ہیں اور وہ بیلون بعد میں ان فلیٹ (Inflate) کر دیا جاتا ہے یعنی جب اس کو پھلایا جاتا ہے تو وہ رکاوٹ کو کھول دیتا ہے۔ اس طریقہ سے خون کی شریانوں میں 90 فیصد رکاوٹ ختم ہو جاتی ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کولسٹرول وغیرہ چیزیں دوبارہ آنے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس صورت میں ایک خاص قسم کا کوائل (Stent) ڈال دیتے ہیں۔ جس سے وہ کھلا رہتا ہے۔ اس کے دوبارہ بند ہونے کا اندیشہ کم ہو جاتا ہے۔

ہومیو پیتھی اور دل کے امراض

میرا تجربہ ہومیو پیتھی میں زیادہ نہیں ہے لیکن یہ بات ضرور درست ہے کہ ہومیو پیتھی سے دل کے امراض کا علاج ہو سکتا ہے۔ ہمارے ملک میں جس طرح ایلو پیتھی میڈیسن میں کافی تحقیقات ہو رہی ہیں۔ اس طرح ہومیو پیتھی میں میرے علم کے مطابق تحقیقات نہیں ہو رہی ہیں لیکن مجھے یہ ضرور علم ہے کہ خون کی نالیوں میں چربی کم کرنا اور اینجائنا کی تکالیف کو کم کرنا جیسی بیماریوں کا علاج ہومیو پیتھی میں موجود ہے۔

اور ہومیو پیتھی کا قائل میں ایک اور وجہ سے بھی ہوں کہ ایک دفعہ لنڈن سے ہومیو پیتھ ڈاکٹر آئے اور انہوں نے ہمیں اس پر لیکچر دیا۔ انہوں نے بتایا کہ سب سے پہلے ہومیو پیتھی 1830 میں شروع ہوئی۔ اور بعد میں یورپ اور امریکہ میں بڑی تیزی کے ساتھ پھیلی، ہومیو پیتھی کی ابتداء دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہوئی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز نے بھی اس بات کا ذکر فرمایا ہے۔ ورنہ ہومیو پیتھی سو سال پہلے بھی آ سکتی تھی۔ آخر ایلو پیتھی میڈیسن بھی تو بہت قدیم سے چلی آ رہی ہے۔ یہ اتفاق بہت پر حکمت ہے۔ تمام

ڈاکٹرز اور جماعت کے دوسرے احباب کو اس میدان میں تحقیق کرنی چاہئے اور کوئی بعید نہیں کہ دل کے شعبے میں ہومیوپیتھی کی ایسی تحقیقات ہوں جن کے بارے میں آج ہم تصور نہیں کر سکتے۔

انسانی دل کے بارے میں ایک حدیث

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں۔ کہ انسان کے جسم میں ایک لوتھڑا ہے اگر وہ ٹھیک رہے تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اگر اس میں خرابی پیدا ہو تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور یہ (لوتھڑا) دل ہے۔

اس حدیث سے ہمیں اپنے شعبہ میں بہت راہنمائی ملتی ہے۔ یعنی دیکھنے میں دل لوتھڑا ہی ہے اور ایک غیر اہم عضو لگتا ہے لیکن اس کا کام سارے جسم میں خون سپلائی کرنا ہے۔ یہ دراصل تمام جسم کی خوراک کا ذریعہ ہے۔ ہم جو اس وقت باتیں کر رہے ہیں' ایک ایک بات پر غور کر رہے ہیں' میں آپ کو دیکھ رہا ہوں آپ مجھے دیکھ رہے ہیں ہم کھانا کھاتے وقت اس کا ذائقہ اور خوشبو محسوس کرتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں خون کی وجہ سے ہی زندہ ہیں جو دل مہیا کرتا ہے۔ اگر یہ دومنٹ کے لئے رک جائے تو انسانی جسم کا تمام نظام خراب ہو جائے گا اور ختم ہو جائے گا۔

آنحضور ﷺ نے اس حدیث میں سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے بلکہ میں تو کہوں گا کہ وسیع بحر کو کوزے میں بند کیا گیا ہے۔ اگر آپریشن کے دوران آپ انسان کا دل دیکھیں تو آپ کو بڑا عجیب لگے گا۔ عام لوگ جب دیکھتے ہیں تو الٹیاں کرنی شروع کر دیتے ہیں کیونکہ ان کو تو صرف ایک گوشت کا لوتھڑا ہی نظر آتا ہے لیکن انسان کی روحانی' اخلاقی اور جسمانی حالتیں اس کے گرد گھومتی ہیں اور اگر یہ بند ہو جائے تو سب چیزیں ختم ہو جائیں گی۔

پیس میکر (Pace Maker)

پیس میکر ایک مصنوعی آلہ (Device) ہوتا ہے یہ ان لوگوں میں لگایا جاتا ہے جن کے دل کی رفتار کسی بیماری کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے۔ اس آلے کی مدد سے انسان کے دل کی رفتار کنٹرول کی جاتی ہے۔ یہ پیس میکر خاص قسم کی لیتھیم کیڈمیم (Lithium Cad-mium) بیٹری ہوتی ہے۔ یہ سینے کے اوپر پٹھوں میں پاکٹ سی بنا کر لگا دی جاتی ہے۔ یہ ماچس کی ڈبیا کے برابر ہوتی ہے۔ اس میں سے ایک تار دل کے چیمبر تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس بیٹری کی وجہ سے دل اپنی معین رفتار سے دھڑکتا رہتا ہے۔ پیس میکر کی عمر 12 سال ہوتی ہے۔ 10 سال گزرنے کے بعد اس پر ایک سگنل آجاتا ہے تو ہم اس کی صرف بیٹری بدل دیتے ہیں۔ جدید قسم کے پیس میکر میں دل کی رفتار کو کنٹرول کرنے کا نظام بھی آگیا ہے کہ جتنی رفتار کی حسب موقع و حالات ضرورت ہو گی۔ اس کے مطابق وہ دل کو حرکت میں لائے گا۔

ہمارے انسٹیٹیوٹ میں ویسے تو ہر قسم اور ہر عمر کے مریض علاج کے لئے آتے ہیں لیکن میری دلچسپی سب سے زیادہ ہونے والی بیماری یعنی خون کی رکاوٹ کو دور کرنے میں ہوتی ہے۔ اس کو ہم انجائنا یا ہارٹ اٹیک بھی کہتے ہیں۔

دل اور دماغ کا تعلق

دل اور دماغ کے تعلق کے بارے میں بہت بحث ہو چکی ہے' یہ حقیقت ہے کہ جذبات کی جگہ دل ہے اور سوچنے کا مقام دماغ ہے ان دونوں کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے۔ انسان جب بھی جذباتی ہوتا ہے تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے اور عام حالات میں دل کی دھڑکن نارمل رہتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جب بھی انسان کوئی تحقیقی کام یا کوئی مشکل کام کرتا ہے تو اس کا دماغ اس کا ساتھ دیتا ہے۔ بعض اوقات تو اس پر گہرا اثر بھی ہو جاتا ہے۔ دل اور دماغ کے درمیان ابلاغ بھی ہوتا ہے۔ جو احباب یہ کہتے ہیں کہ ان کا آپس میں کوئی تعلق نہیں وہ لاعلمی کی وجہ سے کہتے ہیں۔

ورزش کا طریق اور حکمت

ورزش کے بارے میں اکثر لوگ پوچھتے ہیں کہ کیسے کرنی چاہئے۔ اس میں ہمارے سامنے آنخضورؐ کا اسوہ موجود ہے۔ جب میں نے اپنے بزرگوں اور دوستوں سے پوچھا کہ آنخضورؐ کا ورزش کے حوالے سے کیا دستور تھا۔ وہ ورزش کیسے کرتے تھے۔ کیا ہم اس کو کر سکتے ہیں اور کیا وہ دل کے مریضوں کے لئے قابل قبول ہے تو میں حیران ہو گیا اس نتیجے پر پہنچ کر کہ جو آج کل امریکن ہارٹ ایسوسی ایشن کی ورزش کے بارے میں ترجیحات ہیں جس پر ان کو بڑا فخر ہے وہ آج سے چودہ سو سال پہلے بتائی جا چکی ہیں۔ تفصیل یوں ہے۔

۱۔ آنخضورؐ نے سیر کا وقت صبح کا مقرر فرمایا۔ یعنی فجر کی نماز کے بعد۔

۲۔ خالی پیٹ آپ سیر کرنے جایا کرتے تھے۔ اس وقت انہوں نے ناشتہ تو نہیں کیا ہوتا تھا۔

۳۔ آپ جب بھی سیر کے لئے نکلتے تو عموماً صحابہ کرام ساتھ ہوتے تھے۔ تو ورزش میں کمپنی بھی ضروری ہوتی ہے۔

۴۔ ان کی سیر کرنے کی رفتار ایسی تھی کہ نہ آپ چل رہے ہوتے اور نہ دوڑ رہے ہوتے۔ یعنی چلنے اور دوڑنے کے درمیان۔ آہستہ آہستہ نہیں بلکہ تیز چلا کرتے تھے۔

۵۔ جب سیر کر کے واپس تشریف لاتے تو سورج اپنی شعاعیں نکال رہا ہوتا تھا۔ اس طرح یہ وقت 45 سے 35 منٹ کے درمیان بنتا ہے۔

اب ان باتوں میں کیا حکمت ہے۔

سب سے پہلے صبح کی سیر میں کیا حکمت ہے۔ صبح کے وقت جب آپ ورزش کریں گے یا سیر کریں گے تو آپ ہر سانس کے ساتھ پچاس فیصد زیادہ آکسیجن لیں گے۔ اس وقت اوزون OZONE کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ OZONE میں آکسیجن کے تین مالیکیولز ہوتے ہیں جبکہ عام آکسیجن میں صرف دو ہوتے ہیں۔

آپ کے جسم کے تمام سیلز (Cells) کا انحصار آکسیجن پر ہے۔ خالی پیٹ سیر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ پیٹ بھرا ہو تو آپ کے خون کا دوران معدہ کی طرف آجاتا ہے اور دماغ اور دل اور دیگر اعضاء کی طرف کم ہو جاتا ہے۔ خالی پیٹ میں خون کا دوران دماغ، آنکھوں، پھیپھڑوں اور جسم کے باقی مسلز کی طرف زیادہ ہو جاتا ہے۔

تیز چلنے میں یہ حکمت ہے کہ سائنسی تحقیق نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر آپ ہلکی سیر کریں گے تو آپ کو فائدہ کم ہے۔ زیادہ سے زیادہ فائدہ تیز چلنے میں ہوتا ہے اور اگر آپ دوڑیں گے تو اس میں اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے جتنا تیز چلنے میں ہوتا ہے۔ کئی لوگ پوچھتے ہیں کہ اگر ہم جاگنگ (Joging) کر لیں تو اس کا کیا فائدہ ہو گا تو جاگنگ میں بھی دل کے حوالے سے اتنا ہی فائدہ ہے جتنا تیز چلنے میں ہے۔ بلکہ جاگنگ میں نقصانات زیادہ ہوتے ہیں مثلاً ٹخنوں کا زخمی ہونا اور موچ اور حادثات وغیرہ۔

آنخضورؐ نے جاگنگ نہیں کی۔ آہستہ بھی نہیں چلے بلکہ جو سب سے فائدہ مند ورزش ہے یعنی تیز چلنا آپ نے ہمیشہ اس کو ترجیح دی ہے۔ (امریکن ہارٹ ایسوسی ایشن نے بھی تیز چلنے کو ہی ترجیح دی ہے۔)

کمپنی میں یہ فائدہ ہے کہ کئی کام آپ کمپنی میں سرانجام دے سکتے ہیں۔ اس لئے حکمت ہے کہ نمازوں میں اکٹھے ہونا، حج وغیرہ۔ اجتماعی سیر میں یہ حکمت ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھ کر تحریک ہوتی اور باقاعدگی سے ہر شخص یہ سیر کرتا ہے۔ صحابہ کرام ایک دوسرے کو دیکھ کر اور سب سے بڑھ کر آنخضورؐ کی وجہ سے شرکت کیا کرتے تھے۔

وقت کے لحاظ سے بھی انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کم از کم وقت 20 منٹ اور زیادہ سے زیادہ وقت 40 منٹ ہوتا ہے اور اس کے درمیان اگر کوئی وقت ہو تو وہ سب سے بہتر ہے۔ وقت کے لحاظ سے بھی آنخضورؐ کی سیر 35 - 40 منٹ کی ہوتی تھی۔ یہ تمام باتیں جو

ہم آج دنیا کو بتاتے ہیں اور بڑا فخر کرتے ہیں کہ ہم یہ ورزش کے بارے میں اپنے مریضوں کو خاص طور پر یہ بتاتے ہیں۔ یہ آج کی بات نہیں بلکہ آنحضور ﷺ نے اپنے عمل سے 14 سو سال پہلے کر کے دنیا کو دکھا دیا تھا۔

قارئین کے لئے پیغام
روحانی و جسمانی صحت کے لئے ایک مفید ترکیب

آپ کے لئے سب سے بڑا پیغام قرآن شریف کی یہ آیت ہے۔ الابذکراللہ تطمئن القلوب

ترجمہ: اگر پانچ وقت کی نمازیں آپ باقاعدگی سے پڑھیں اور اس کو دھیان سے پڑھیں تو ثواب تو ضرور ملے گا لیکن دل کے لئے بھی بہت مفید ہے۔ اور اگر آپ پانچ وقت کی نمازوں کے ساتھ تہجد کو بھی شامل کر لیں تو پھر سونے پر سہاگہ ہو گا۔

میں نے بہت غور کیا کہ تہجد کی میڈیکل سائیڈ پر کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔ رات کو ہم سوتے ہیں اور صبح اذان سے پہلے تہجد کے لئے اٹھ جاتے ہیں۔ اس کی ضرور کوئی مصلحت ہو گی جس کی ہمیں سمجھ نہیں آرہی ہے۔

اس سلسلہ میں دو تین ڈاکٹرز سے ملا میں نے کہا مجھے بتائیں کہ صبح تین سے پانچ بجے کا جو وقت ہوتا ہے اس میں انسان کے جسم میں کیا ہارمونل تبدیلیاں آتی ہیں۔ کچھ تو میں نے پڑھا بھی تھا لیکن بعض چیزیں زیادہ واضح بھی ہوئیں۔ ان ڈاکٹرز نے مجھے چند اہم باتیں بتائیں۔ دوسری جانب اپنے کارڈیالوجی ونگ میں جب روزانہ ہمارے پاس 20-25 ہارٹ اٹیک کے مریض داخل ہوتے ہیں۔ میں نے یہ تحقیق کروائی کہ یہ بتائیں کہ سال میں کتنے مریض داخل ہوئے اور ایک دن میں کتنے داخل ہوئے اور ایک دن میں کس وقت زیادہ داخل ہوئے تو پتہ یہ چلا کہ زیادہ داخل ہونے والے مریض صبح تین سے لے کر سات بجے تک ہوتے ہیں۔ اگر 100 سو داخل ہوں تو ان میں 60 سے 70 مریض اس وقت کے دوران داخل ہوتے ہیں۔

دل کا اگر حملہ ہو تو دن کو ہونا چاہئے کیونکہ دن کو انسان پریشان ہوتا ہے۔ کبھی لڑائی جھگڑا ہو رہا ہوتا ہے اور کبھی دیگر مسائل کی وجہ سے ہارٹ اٹیک ہو سکتا ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ رات 3 بجے سے صبح 7 بجے تک مریض زیادہ آتے ہیں اس کو کنفرم کرنے کے لئے میں نے ایک ہفتہ خود تجربہ کیا کہ واقعی اس دوران مریض آتے ہیں یا نہیں تو یہ بات ثابت ہو گئی۔ اپنے سینٹر میں ہم ڈاکٹرز روزانہ 500 دل کے مریض دیکھتے ہیں۔

ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ انسان کے جسم کا ہارمونل سائیکل (Hormonal Cycle) 3 بجے کے قریب سے شروع ہوتا ہے اور دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ بلڈ پریشر بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ خون گاڑھا ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت ان ساری چیزوں سے دل کی نالیوں میں رکاوٹ ہوتی ہے اور دل پر اثر انداز ہو جاتی ہے۔ اور بعض افراد تو اس دوران فوت بھی ہو جاتے ہیں۔ ہم نے ان کا پوسٹ مارٹم کرایا تو دیکھا کہ خون کی نالیاں بند ہیں۔

وہ ہارمونل تبدیلیاں جو اس وقت کے دوران شروع ہوتی ہیں وہ اس وقت دل پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

اگر آپ اس وقت ہارمونل سائیکل (Harmonal Cycle) کو توڑ دیں تو آپ میں وہ تبدیلیاں پیدا نہیں ہوں گی۔ نہ ہی دل کی دھڑکن تیز ہو گی نہ خون گاڑھا ہو گا وغیرہ۔ یہ آٹھ دس فیکٹرز ہیں جو سائنسی طور پر ثابت ہیں۔

اگر انسان اس وقت تہجد کے لئے اٹھ جائے تو اس نے اپنے آپ کو اس بیماری سے محفوظ کر لیا۔ فجر کی نماز بھی اس سلسلہ میں فائدہ مند ہے۔ اسی لئے احادیث میں فجر اور عشاء کی نمازوں کی زیادہ اہمیت بیان ہوئی ہے۔ ویسے تو پانچوں نمازیں فرض ہیں لیکن پہلے نمبر پر فجر پھر عشاء اہمیت رکھتی ہیں۔ یہ بات میں اپنے گزشتہ 20 سال کے تجربے سے اور ہزارہا اور لاکھوں مریضوں پر تحقیق کر کے بتا رہا ہوں۔ اس لئے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا' عبادت کو

بقیہ صفحہ 169 پر

حسین و دلکش اور سادہ و بے تکلف روایات کا امین

احمدیہ کلچر

(پروفیسر ڈاکٹر پرویز پروازی صاحب سویڈن)

کسی قوم کا اجتماعی رہن سہن اور تمدن کے نتیجہ میں جو رسوم و عادات ان کے معاشرہ میں راسخ ہو جاتی ہیں وہ اس قوم کا کلچر کہلاتی ہیں۔ ہم لوگ غیر منقسم ہندوستان میں تھے تو ہمارے معاشرے میں ہند مسلم کلچر کا دور دورہ تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے لمبے راج کے بعد سارے ہندوستان میں ایک خاص قسم کا کلچر رواج پا گیا تھا جس میں اسلامی روایات کا پرتو بھی تھا اور مقامی ہندو کلچر کی باتیں بھی۔ مثلاً اسی کلچر سمجھوتے کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کے دور تک السلام علیکم کہنے کے بجائے "آداب عرض" تسلیمات کہنے کا رواج تھا۔ اسی قسم کے ثقافتی سمجھوتوں میں کنول کے پھول کی منبت کاری بھی تھی۔ کنول کا پھول ہندوؤں کا مقدس پھول ہے مگر مسلمان اپنی مسجدوں یا درگاہوں میں اس پھول کی منبت کاری کرتے تھے۔ مصافحہ ترک کرنے اور جھک کر آداب بجالانے یا کورنش بجالانے کی رسوم بھی اسی ثقافتی سمجھوتے کے نتیجہ میں مروج ہوئیں۔ علیٰ ہذالقیاس بہت سی ایسی ثقافتی باتیں تھیں جو ہندو مسلم افہام و تفہیم کے سلسلہ میں در آئیں اور ہمارے کلچر کا حصہ بنیں۔

بے تکلفی

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک ایسا واقعہ بھی درج ہے جس کی ثقافتی اہمیت سے ہماری نسل واقف نہیں۔ سیدنا خلیفۃ المسیح الاوّل حضرت حکیم نورالدین صاحب جب حصول تعلیم کے لئے لکھنو پہنچے تو سیدھے اپنے استاد حکیم علی حسین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حکیم صاحب اپنے دیوان خانہ میں تشریف رکھتے تھے، سفید براق چاندنی بچھی تھی، حاضرین اپنی اپنی نشست پر حسب مراتب گاؤ تکیوں سے لگے بیٹھے تھے۔ نشست و برخواست پر لکھنوی تمدن کی چھاپ تھی۔ بات بات میں تکلف، حرکات و سکنات ایک کڑے ثقافتی بندھن میں جکڑی ہوئی۔ جھک جھک کر آداب و تسلیمات عرض کرنے کا رواج۔ سیدنا نورالدین مجلس میں داخل ہوئے تو پاؤں دھول سے اٹے ہوئے اور طبیعت تکلف و تصنع سے بالکل نا آشناء۔ سیدھے مجلس میں پہنچے اور پکار کر السلام علیکم کہا۔ اسی تمدن میں پکار کر

سلام کہنا تو کجا' بات کرنا بھی معیوب سمجھا جاتا تھا' ساری محفل سن سے رہ گئی۔ ادھر حضرت حکیم صاحب سلام کہہ کر آگے بڑھے اور آپ کے دھول سے اٹے ہوئے پاؤں سے چاندنی پر عجیب نقش و نگار بننے لگے مگر آپ آگے بڑھتے گئے اور سیدھے اپنے استاد کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔ حاضرین میں سے ایک صاحب جو زیادہ مکلّف سمجھے جاتے تھے بول ہی اٹھے "آپ کس مہذب ملک سے تشریف لائے ہیں اور سلام کہنے کا یہ طریق کہاں سے سیکھا؟" سیدنا نورالدین نے بلا تکلف جواب دیا "یہ بے تکلفی اور سلام کہنے کا یہ طریق رسولؐ عربی و امی کا سکھایا ہوا ہے" اس جواب سے معترض کے چہرے پر عرق انفعال کے قطرے نمودار ہوگئے۔ حکیم علی حسین صاحب نے ان سے کہا "آپ بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں میں بھی رہے ہیں کیا آپ نے اس سے پہلے بھی ایسا مسکت جواب کبھی سنا ہے۔؟" یہ بات ہمارے نئے پڑھنے والوں کو عجیب لگتی ہوگی کہ اس دربار میں اتنا رکھ رکھاؤ کیوں تھا؟ اس لئے تھا کہ یہی لکھنو کا تمدن تھا۔ دلی والے بھی اگرچہ تکلف تصنع سے کہیں دور تھے پھر بھی ان کے ہاں گھر کو گھر نہیں محل سرا ہی کہا جاتا تھا بیٹھک کو دیوان خانہ کہتے تھے' بات بات میں کورنش بجالانا اور "مجرا کرنا" ان کا طریق تھا۔ اب یہ مجرا کرنا بھی ہماری نئی نسل کے لئے عجیب لفظ ہوگا مگر پرانے زمانہ میں جھک کر سلام کرنے کو مجرا کرنا کہتے تھے۔ مجرے کے وہ معنی نہیں تھے جو ہمارے عام معاشرہ میں مروج ہیں۔

قادیان اور ربوہ کا خوبصورت ماحول

ہم نے قادیان اور ربوہ میں اپنی ثقافت کے جو نمونے دیکھے اس مضمون میں انہیں بیان کرنا مقصود ہے۔ دیکھنے اور سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہمارا کلچر عام کلچر سے کوئی مختلف چیز تھا اور ہے؟ یا محض ہمارا گمان ہے؟

قادیان میں ہمارا ماحول ملا جلا ماحول تھا جس میں ہندو بھی تھے سکھ بھی تھے اور مسلمان بھی۔ حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب کے زمانہ تک پرانے رئیسانہ رہن سہن کا دور دورہ تھا وہی طریق تھا جو عام رئیسوں کی ڈیوڑھیوں پر مروج تھا۔ عام طریق یہ تھا کہ رئیس خاندان کے علاوہ دوسرے تمام لوگ رعایا کہلاتے تھے۔ رعایا کی اس تعریف میں وہ تمام لوگ آجاتے تھے جو رئیس نہیں تھے۔ اس ماحول میں رہنے والے دوسرے چھوٹے زمیندار اور معززین بھی رعایا ہی شمار ہوتے تھے مگر ان پر رئیس کا تفوق حکم چلانے کا نہیں تھا۔ صرف نام کی رئیسی تھی جو چلتی چلی جاتی تھی۔ میں اندازہ لگا سکتا ہوں کہ جب اس خاندان کے تصرف میں نوے گاؤں کی جاگیر ہوگی تو اس خاندان کی بودوباش اور نشست و برخواست کیا ہوگی۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ تک پہنچتے پہنچتے وہ رئیسی ختم ہو چکی تھی کیونکہ اللہ تعالیٰ اس دنیاوی ریاست کے آثار مٹا کر ایک نئی روحانی مملکت کی بنیاد رکھنے والا تھا اس لئے اس کی مصلحتوں کو کون سمجھ سکتا تھا۔ حضرت مرزا غلام مرتضٰی صاحب کی ساری زندگی اپنی دنیاوی شان و شوکت اور کھوئی ہوئی ریاست کی بازیافت میں بسر ہوئی مگر اس میں انہیں ان کی توقعات کے مطابق کامیابی نہ ہوئی اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی زندگی ہی میں پرانی خاندانی ریاست کے آثار مٹ گئے۔ از بسکہ خاندانی امارات کے آثار نہ تھے مگر قادیان میں اس خاندان کی ظاہری ریاست کے آثار قائم رہے۔ مدتوں حضرت مرزا صاحب کے مضامین کے ساتھ مرزا غلام احمد رئیس قادیان کے الفاظ چھپتے رہے۔ قادیان کا معاشرہ اوسط...... رنگ کا معاشرہ تھا۔ ہم نے وہ زمانہ دیکھا نہیں مگر اس زمانہ کے حالات کتابوں میں پڑھے ہیں۔ ہمیں اس معاشرہ میں سب لوگ ہی مل جل کر رہتے نظر آتے ہیں۔ ہندوؤں' سکھوں' مسلمانوں کا اٹھنا بیٹھنا باہم مل جل کر ایک دوسرے کی مدد کرنا اس معاشرہ میں نظر آتا ہے۔ خود حضرت صاحب کے دوستوں میں بہت سے ہندو شامل تھے اور کئی مقامات پر حضرت صاحب کے ہندو ساتھیوں نے حضرت صاحب کی پاکیزہ زندگی کی گواہی دی ہوئی ہے۔ بعض تو حضرت صاحب کی پیشگوئیوں

کے بھی گواہ ٹھہرے۔

السلام علیکم کہنا

ہم نے اس معاشرہ کے بارہ میں جو کچھ پڑھا ہے اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ قادیان میں آداب عرض کہنے کا رواج نہیں تھا۔ ہندو مسلمان آپس میں ملتے تو صرف "سلام" کہتے تھے۔ ہمارے سامنے جو معاشرہ تھا وہ احمدیت اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے زمانہ کا معاشرہ تھا اس میں ہم نے ہندوؤں اور سکھوں کو بھی سلام کہتے سنا۔ لباجی کے سکھ دوستوں میں ہزارہ سنگھ ہمارے یہاں آتے تو ہم انہیں چاچا جی سلام کہتے اور وہ ہمیں دعا دیتے جیتے رہو بیٹا۔ اسی طرح بازار سے گزرتے ہوئے کئی بار ہندو دکاندار لباجی کو سلام کہتے "مولوی جی سلام" اور لباجی جواب میں کہتے "لالہ جی سلام" مگر اس کلچر میں اور اس کلچر میں جسے ہم احمدیہ کلچر کہتے ہیں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ قادیان اور ربوہ میں نہ صرف السلام علیکم کہنے کا رواج تھا بلکہ اس کی تاکید کی جاتی تھی کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہا جائے۔ اس بات کی اتنی عادت پڑی ہوئی تھی کہ لاہور پڑھنے کے لئے گئے تو رستہ میں جو بھی ملتا اسے السلام علیکم ضرور کہتے۔ حتیٰ کہ ایک بار ایک صاحب نے ہمیں روک ہی لیا اور کہا "وعلیکم السلام! مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔" ہم نے مسکرا کر کہا "ہم نے تو مسلمان سمجھ کر یونہی سلام کہہ دیا تھا جان پہچان تو ہماری ہے ہی نہیں آپ پہچانتے کیسے؟" ان صاحب سے ہماری دوستی ہو گئی۔ وہ بھی ہماری طرح سیر کے عادی تھے اس لئے روز ہی آمنا سامنا ہو جاتا تھا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ جسٹس بدیع الزمان کیکاؤس صاحب ہیں۔ ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ جج۔

برادرم عزیزم خلیفہ صباح الدین نے بھی کسی دوست کا حال لکھا ہے کہ آپ اسلام آباد میں ہر روز ان سے السلام علیکم کہتے تھے ایک روز ان صاحب نے کہ کوئی سرکاری افسر تھے کہہ ہی دیا کہ آپ بہت السلام علیکم کہہ چکے اپنا کام بھی بتا دیجئے۔ السلام علیکم کہنا ہمارے ہاں کے پلے ہوئے بچوں کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے گویا احمدی کلچر کا پہلا جزو السلام علیکم کہنا ہے۔ مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ اگر کوئی احمدی کسی کو السلام علیکم کہہ دے تو وہ قانون کی گرفت میں آجاتا ہے۔

احمدیہ کلچر کی یہی چیز سب سے پہلے ربوہ یا قادیان میں نوواردوں کو حیرت میں ڈالتی تھی۔ دوسرے معاشرہ میں یوں سرعام اور علی الاعلان بلا تخصیص ہر سامنے آنے والے کو سلام کہنے کا رواج ہی نہ تھا۔

الحمدللہ کہنا

اسی طرح پرسشِ احوال کے جواب میں الحمدلِلہ کہنے کا رواج بھی ہمارے احمدیہ معاشرہ کے ساتھ مخصوص ہے یا چند ایسے لوگوں تک جو دینی اقدار سے ذرا لگاؤ رکھتے ہیں۔ ہم اوساکا یونیورسٹی آف فارن سٹڈیز میں اردو کے استاد تھے۔ ہمارے فرائض میں یہ بات بھی شامل تھی کہ ہم طلباء کو پاکستانی معاشرہ کے آداب بھی سکھائیں۔ ہم نے اس سلسلہ میں جو آڈیو سبق تیار کیا اور بچوں کو سکھایا وہ یہ تھا:۔

سوال: "آپ کا کیا حال ہے؟"

جواب: "الحمدللہ میں اچھا ہوں"

ہمارے شاگرد اسی کے مطابق جواب دیتے تھے۔ ان میں سے کئی پاکستان بھی گئے۔ واپس آکر ایک بچہ کہنے لگا "سر آپ نے جو کچھ پڑھایا ہے وہ ٹھیک ہی ہو گا مگر ہم نے عام پاکستانیوں کو الحمدللہ کہتے نہیں پایا۔ وہ صرف یہ کہتے ہیں "میں ٹھیک ہوں" ہم نے اس بچے کو یہی جواب دیا کہ "بیٹا ہم نے شرفاء کی زبان سکھائی ہے اور شرفا یہی زبان بولتے ہیں"۔ اب اسی جگہ ہمارے ایک پاکستانی دوست ہیں وہ ہماری ہی تیار کی ہوئی آڈیو سے کام چلا رہے ہیں۔ ان سے ایک بار پاکستان میں اتفاق سے ملاقات ہو گئی۔ کہنے لگے "یار یہ تم جاپانیوں کو کس الحمدللہ پر لگا آئے ہو؟" ہم نے کہا "کیوں کوئی غلط بات کی؟" فرمانے لگے۔ "نہیں بات تو تمہاری ٹھیک ہے مگر خود مجھے الحمدللہ کہنے کی عادت نہیں تھی اس لئے الحمدللہ کی عادت ڈالنے میں بہت دقت پیش آئی"۔ بایں ہمہ 'احمدیہ کلچر میں الحمدللہ کہنا نہ اجنبی لگتا ہے نہ یہ کہنے کی مشق کرنا پڑتی ہے۔

انشاء اللہ، ماشاء اللہ

اسی طرح "انشاء اللہ"، "ماشاء اللہ" کے الفاظ ہمارے ہاں کسی تکلف کے بغیر استعمال ہوتے ہیں۔ دوسرے پاکستانی معاشرہ میں ایسا نہیں۔ ہاں جہاں کہیں کوئی شخص "انشاء اللہ" کہتا ہے مخاطب کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس شخص کا ارادہ غالباً کام کرنے کا نہیں! ہماری ایک اور شاگرد ہاجی ساں، جو آج کل جاپان پولیس سروس میں اونچے مرتبہ پر ہیں، ایک ملک سے واپس گئیں تو ہمیں کہنے لگیں "میں انشاء اللہ نو بجے یونیورسٹی نہیں آسکوں گی گیارہ بجے آجاؤں گی" ہم نے اسے ٹوکا "بیٹی انشاء اللہ کا یہ نیا استعمال تم کہاں سے سیکھ آئی ہو" کہنے لگی "وہاں تو جو کام نہ کرنا ہو اس کے ساتھ انشاء اللہ کہتے ہیں۔"

سر ڈھانپنا

بات احمدیہ کلچر کی تھی۔ قادیان میں تو ہم نے ہر کہ ومہ کو سر ڈھانپتے دیکھا۔ ربوہ میں کچے کوارٹروں کے زمانہ میں جو دو چار حکمت کی باتیں دیوار پر لکھی ہوئی تھیں ان میں سے ایک تھی "ننگے سر پھرنا آوارگی کی علامت ہے"۔ ہمارے احمدیہ کلچر میں ننگے سر پھرنے کو بھی معیوب سمجھا جاتا تھا۔ بڑوں کے سامنے ننگے سر آنے کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ ہمارے ہندی اسلامی معاشرہ کی ایک خصوصیت سر ڈھانکنا بھی تھی۔ عورتیں تو ماں باپ اور دیگر قریبی عزیزوں کے سامنے آتے ہوئے بھی سر ڈھانپ لیا کرتی تھیں۔ قادیان میں ہم نے یہی دیکھا کہ سب لوگ سر پر پگڑی یا ٹوپی رکھتے ہیں۔ یہ عام مسجدوں میں تنکے کی بنی ہوئی ٹوپیاں پڑی ہوتی ہیں کہ نمازی سر ڈھانپ لیں یہ نہیں ہوتی تھیں۔ ہر شخص جو نماز کی نیت سے آتا تھا گھر سے ہی ٹوپی یا پگڑی اوڑھ کر آتا تھا۔ احمدیہ معاشرہ میں سر ڈھانکنے کی بہت اہمیت رہی اور ہے۔

عیادت یعنی بیمار پرسی

استقبال و مشایعت کے علاوہ عیادت بھی ہمارے کلچر کا حصہ رہی ہے اور ہے۔ بیمار کی عیادت کرنا ثواب ہے مگر دوسرے اس ثواب سے متمتع نہیں ہوتے۔ احمدیہ کلچر میں عیادت بھی دیگر فرائض کی طرح ایک فرض سمجھی جاتی ہے۔ ہم نے خود حضرت صاحب کو کئی بیماروں کی عیادت کے لئے آتے ہوئے دیکھا تو ان کی علالت پر رشک آتا۔ اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ہمارے دوست عبدالسلام اختر کی عیادت کے لئے ہسپتال تشریف لائے تو ہم بھی اس وقت ہسپتال میں ان کی عیادت کے لئے حاضر تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کو بہت بار دوسروں کی عیادت کے لئے آتے جاتے دیکھا۔ عیادت بھی دینی معاشرہ کا حصہ سمجھی جاتی تھی مگر اس بے ضرر اور ہمدردی کی مظہر رسم کے ساتھ ایسے تکلفات وابستہ ہوگئے کہ لوگ اس مفید رسم کو بھول گئے یا اسے بوجھ سمجھنے لگے۔ ایک بدعت جو اس کے ساتھ شامل ہوگئی کہ وہ مریض کے لئے کچھ نہ کچھ لے جانے کی رسم تھی کہ "ہم خالی ہاتھ مریض کو کیا پوچھنے جائیں"۔ یہ تو خیر ہمارا کلچر تھا کہ کسی سے ملنے جاؤ تو کچھ نہ کچھ لے کر جاؤ اور یہ دنیا میں ہر جگہ ہی ہوتا ہے مگر اسے لازمی حصہ بنا دینے کا نتیجہ ہوا کہ عیادت بھی ایک تکلف بن گئی۔

پروفیسر نصیر احمد خاں پر پہلی بار دل کا حملہ ہوا تو ڈاکٹر نے سختی سے ان سے ملاقات سے منع کر دیا۔ نصیر صاحب کے کمرہ کے باہر ایک کاپی رکھ دی گئی کہ "عیادت کے آنے والے احباب اپنا نام اس پر لکھ دیں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء"۔ نصیر صاحب ہسپتال سے فارغ ہو کر واپس گھر پہنچے تو حیران تھے کہ وہ کاپی خالی کی خالی تھی اس لئے کہ کوئی شخص اس کاپی پر نام لکھ کر اپنی محبت کی تخفیف نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو چوہدری تھے وہ ملاقات کے بغیر ٹلتے نہیں تھے جو ملاقات نہیں کر سکتے تھے وہ تیمارداروں کو کوستے ہوئے چلے جاتے تھے کاپی پر نام لکھنا کسی نے پسند نہیں کیا۔ حالانکہ بڑی بے

ضرری بات تھی کہ مریض کا مفاد اسی میں ہے اسے تکلیف نہ دی جائے۔ مگر عیادت کرنے والوں کو کون سمجھائے؟ یہاں سویڈن میں ہسپتال میں عیادت کرنے پر کوئی پابندی نہیں مگر کوئی پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتا۔ عیادت کی انتہا یہ سمجھی جاتی ہے کہ گھر سے پھول والوں کو ٹیلیفون کر دیا کہ فلاں مریض کو فلاں وارڈ میں ہماری طرف سے پھولوں کا تحفہ پہنچا دیا جائے اور بس! جسے پھولوں کا تحفہ آجائے وہ پھولے نہیں سماتا اور تو اور لوگ باگ مرنے والوں کی تعزیت کے لئے آنا بھی پسند نہیں کرتے۔ ہم ہسپتال میں تھے کہ ہمارے ساتھ کے بستر والے مریض کا انتقال ہو گیا وہ بیچارا کئی دن سے موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ نرس آئی تو ہم نے اس کی موت پر افسوس کا اظہار کیا۔ کہنے لگی "بڑا خوش قسمت مریض تھا اس کے بیٹے نے ایک ہزار میل سے اس کے لئے پھولوں کا تحفہ بھیجا۔ اب بھی پڑا ہے اس کی میت پر۔ سرد خانہ میں!!!"

دعا اور درخواست دعا

عیادت کے ساتھ ہی بیمار کے لئے دعا کرنے یا دعا کروانے کا طریق بھی احمدیہ کلچر میں شامل ہے۔ دعا احمدیہ کلچر کا ایک اہم جزو ہے۔ یوں تو ہمارے سارے کلچر میں دعا کا لفظ رچا بسا نظر آتا ہے مگر عموماً یہ "آپ کی دعا سے" تک محدود ہے۔ نہ کہنے والا دعا کا طلب گار ہوتا ہے نہ سننے والے ہی کو دعا سے کوئی سروکار ہوتا ہے۔ پس روزمرہ کا ایک فقرہ ہے جو بول دیا جاتا ہے مگر احمدیہ کلچر میں دعا محض ایک لفظ نہیں ایک پورا تہذیبی رویہ ہے۔ پرانی تاریخوں میں پڑھا ہے کہ دکن کے نظام صاحبان بعض لوگوں کو بطور دعا گو ملازم رکھتے تھے۔ ان لوگوں کا کام یہ ہوتا تھا کہ وہ ہر عرس یا دربار کے موقعہ پر اس دربار میں یا عرس پر حاضر ہوتے اور بادشاہ وقت کی صحت و سلامتی کے لئے دعا کرتے تھے اور بس ان پیشہ ور دعا گو حضرات میں دعا گوئی کی خدمت وراثتاً چلتی تھی۔ شاہانِ مغلیہ میں بھی دعا گوئی کا سلسلہ صرف یہاں تک تھا کہ فقراء یا اولیاء کو وقتاً فوقتاً وظائف عطا کر دیئے جاتے تھے مگر ان سے توقع رکھی جاتی تھی کہ وہ بادشاہِ وقت کے فرمانبردار رہیں گے۔ بعض بادشاہوں کے بارہ میں درگاہوں پر جانے کے واقعات بھی درج ہیں مگر جماعت احمدیہ درگاہوں پر جاتی ہے نہ ان مردہ لوگوں سے کوئی منت مانگتی ہے نہ ان سے کوئی توقع رکھتی ہے۔ جماعت احمدیہ کے ہاں خدا کے ساتھ زندہ تعلق زندہ سلسلہ ہے۔ احمدیہ کلچر میں خدا کا تصور کسی دوسرے کی وساطت کا محتاج نہیں۔ ہر شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود اپنا تعلق رکھتا ہے اور براہِ راست اس سے مانگتا ہے۔ زندہ خدا کا زندہ تصور جماعت احمدیہ کا کلچر ہے۔

دراصل عام لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کا محدود تصور رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک خدا بولتا تھا' سنتا تھا' کلام کرتا تھا اب نہیں کرتا۔ مگر جماعت احمدیہ سمجھتی ہے خدا بولتا بھی ہے' سنتا بھی ہے' جواب بھی دیتا ہے۔ دعاؤں کی اجابت کا یہی یقین دعا کی افادیت کا ضامن ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ جماعت کے افراد جماعت کے بزرگوں یا خلفاء سے دعا کے لئے درخواست کرتے رہتے ہیں مگر ایسا کرنا اپنی دعا کو تقویت دینے کے لئے ہوتا ہے۔

احمدیہ کلچر میں پلے ہوئے لوگ جب دعا کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو محض اوپری اور رسمی طور پر ایسا نہیں کرتے۔ ان میں سے ہزاروں لوگوں نے خدا کی قدرتوں کا خود تجربہ کیا ہوتا ہے۔ ہم نے اپنی ہوش میں ہزارہا ایسے لوگ دیکھے جو خدا سے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوئے۔ ہم نے دعاؤں کے ذریعہ معجزے رونما ہوتے دیکھے اور یہ یقین رکھتے ہیں کہ معجزے اب بھی ہوتے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ پاکستان کے ایک اور آمر مطلق صاحب نے بیان داغ دیا کہ "اب معجزے رونما نہیں ہوتے وہ وقت گذر گیا۔" تب اللہ تعالیٰ نے اسی شخص کو ایک انذاری معجزہ کا نشانہ بنایا۔ احمدیہ کلچر میں دعا اور خدا کے ساتھ زندہ تعلق اور خدا کی طرف سے دعاؤں کی اجابت کا

یقین شامل ہے۔ دوسروں کو ایسا ایقان میسر نہیں اس لئے وہ دعا کو ایک لفظ جانتے ہیں۔ احمدی اسے محض لفظ نہیں گردانتے ایک پورا رویہ جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ان سے سلوک بھی اس کے مطابق ہی ہے۔

احمدیہ معاشرہ میں دعا کرنا' دوسروں کو دعا کے لئے کہنا' دعاؤں کی تحریک کرنا اجتماعی یا انفرادی طور پر دعائیں کرنا بہت اہم امور میں شامل ہے۔ ہمیں یاد ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بیمار تھے تو ان کی صحت کے لئے اجتماعی طور پر دعائیں کی جاتی تھیں اور لوگ رو رو کر دعائیں کرتے تھے۔ نماز میں بھی' نماز کے بعد بھی۔ ہاں یہ بات احمدیوں سے مختص ہے کہ وہ نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں مانگتے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے آدمی کسی کے دربار میں حاضر ہو اور باہر نکل کر اس سے اپنے مطالبے پیش کرنے لگے۔ جماعت احمدیہ کے کلچر میں یہ بات بھی انوکھی ہے کہ جماعت کے اخباروں میں دعا کی تحریک کے لئے باقاعدہ اعلان چھپتے ہیں۔ لوگ اپنے تکلیف میں مبتلا بیمار بھائیوں کے لئے دعائیں کرتے اور ان کی بھلائی چاہتے ہیں۔ دوسرے اخبارات آپ کے سامنے ہیں۔ آپ کو کوئی ایسا اعلان کسی اور اخبار میں نظر نہیں آئے گا۔ کہیں کہیں اخبارات میں تعزیتی شذرے نظر آجائیں گے مگر ان کی حیثیت محض تعزیتی ہوگی۔ کسی کے ارتحال پر پس ماندگان کے لئے دعائیں کرنے کی درخواست آپ کو کہیں نظر نہیں آئے گی۔ احمدیہ کلچر کہ یہ بات دوسروں سے منفرد ہے۔ یہ کلچر زندگی اور موت دونوں میں دوسروں سے جداگانہ ہے۔ اس لئے جب ملا' یہ کہتے ہیں کہ احمدیوں کا کلچر دوسروں سے جدا ہے تو کوئی ایسی غلط بات بھی نہیں کہتے۔ احمدیوں کا کلچر ابتدائی دور کا کلچر ہے۔ دیگر لوگ اپنے اصل کلچر سے چودہ سو سال آگے نکل گئے ہیں۔ اس تیز بھاگنے والے کی طرح جو اپنی منزل مقصود کو بہت پیچھے چھوڑ آیا ہو اور بگٹٹ بھاگے چلا جا رہا ہو اور نہ جانتا ہو کہ وہ سعی رائیگاں میں مبتلا ہے۔ احمدیہ کلچر میں تو ہر وقت دعا کی گنجائش اور دعا کا موقعہ ہے۔ جلسہ سے پہلے' جلسے کے بعد' دعوت سے پہلے' دعوت کے بعد۔

ایسا نہ ہو آسمان ٹوٹ پڑے

غرض ہر موقعہ پر۔ جلسہ سالانہ کے موقعہ پر جب جلسہ ختم ہوتا تھا تو لاکھوں کا مجمع نہایت تضرع سے دعائیں کرتا تھا اور رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتا تھا۔ ہمارے کئی غیر از جماعت دوست جلسہ میں آتے اور اس نظارہ کو دیکھ کر پریشان ہو جایا کرتے تھے کہ لاکھوں لوگ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا انہیں واقعی یقین ہے کہ ان کی دعائیں قبول ہو جائیں گی؟ ۱۹۷۳ء کے جلسہ پر میرے ایک نہایت سینئر سی ایس پی دوست جو اس وقت ڈویژن کے کمشنر تھے میرے ذاتی مہمان کے طور پر تشریف لائے ہوئے تھے۔ جلسہ کا افتتاح ہوا۔ جماعت نے پہلی بار جلسہ گاہ میں ایف ایس ایف کے سپاہیوں کو مورچہ بند دیکھا۔ جلسہ گاہ کے لئے جو سٹیڈیم نما میدان تیار کیا گیا تھا اس کے ہر ستون پر ایک ایک سپاہی ایستادہ تھا۔ بہ ظاہر بھٹو صاحب دکھانا چاہتے تھے کہ ان کے پاس کتنی مسلح طاقت ہے۔ حضرت صاحب نے افتتاحی تقریر شروع فرمائی۔ ساری کی ساری افتتاحی تقریر قرآنی دعاؤں پر مشتمل تھی۔ ایک دعا بار بار دہرائی گئی کہ اے خدا ہمارے دشمنوں پر گرفت فرما اور ہماری زندگیوں میں ان کا انجام دکھا۔ کمشنر صاحب عربی نہیں جانتے تھے مگر دعائیں تو اردو میں ہو رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کانپنے لگے۔ میں کہ ان کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تھا انہیں باہر لے آیا۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ کہنے لگے جلدی یہاں سے چلو یہ شخص تو اپنی دعاؤں سے آسمان کو ہلائے دے رہا ہے ایسا نہ ہو آسمان ٹوٹ پڑے۔ بھٹو صاحب کا زوال ہوا تو انہی کمشنر صاحب نے مجھے جاپان میں خط لکھا کہ

تمہارے امام کی دعائیں قبول ہوگئیں۔ میں نے انہیں لکھا کہ تم نے ایک کمزور جماعت کی طاقت دیکھی ؟۔

دعاؤں کی قبولیت کا یقین احمدیہ کلچر کا حصہ ہے۔ لاکھوں واقعات ہیں جن میں بیماروں کو شفا ملی۔ کمزور طاقتور ہوئے۔ انہونی ہونی ہوگئی۔ ناممکن ممکن میں بدل گئے اور یہ سب کچھ احمدیوں کے دیکھتے دیکھتے ہوا۔ دو چار برس پہلے سٹاک ہالم کے ایک فورم نے مجھے جماعت احمدیہ کے عقائد کے بارہ میں اظہار خیال کی دعوت دی۔ بعد میں ایک صاحب نے سوال کیا "کیا آپ ایک دو لفظوں میں جماعت احمدیہ اور دیگر لوگوں کا فرق واضح کر سکتے ہیں۔ میں نے کہا" جی ہاں جماعت احمدیہ خدا کو زندہ مانتی ہے دوسرے نہیں مانتے"۔ وہ صاحب کہنے لگے۔ "یہ کیا جواب ہوا؟ میں نے کہا" یہی جواب ہے۔ دوسروں کو خدا کے زندہ ہونے کا یقین ہو تو وہ اس کے الہاموں سے انکار کیوں کریں ؟"۔

نماز کی ادائیگی

احمدیہ کلچر خدا کے زندہ ہونے کا تصور پیش کرتا ہے۔ اسی لئے دعاؤں میں یقین رکھتا ہے۔ احمدیہ کلچر میں دعا محض رسمی لفظ کے طور پر موجود نہیں ایک مکمل تشخص کے طور پر موجود ہے دعا کے ساتھ ہی نماز کا ذکر آتا ہے۔ احمدیہ کلچر میں نماز رسم نہیں فرض ہے اور فرض کے طور پر ادا کی جاتی ہے۔ نماز کے اوقات میں دکانوں کا بند ہو جانا کاروبار کا معطل ہو جانا اور شہر کے شہر کا معطل ہو جانا کہیں اور ہو تو ہمیں بتایا جائے ؟ آخر کروڑوں لوگ شہروں میں بستے ہیں کیا کسی اور شہر میں بھی نماز کے اوقات میں کاروبار معطل ہو جاتے ہیں اور خود نمازیوں کی مرضی سے معطل کئے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کالج کے غیر از جماعت طلباء کو احمدی دکانداروں سے یہی شکایت تھی کہ وہ نماز کے اوقات میں دکانیں بند کر دیتے ہیں اگر کسی کو اس وقت کسی چیز کی ضرورت ہو تو وہ نہیں ملتی۔ قادیان میں بھی یہی طریق ہم نے دیکھا۔ احمدیہ بازار میں بعض ہندو دکاندار بھی تھے وہ بھی نماز کے وقت دکان پر پردہ کھینچ دیا کرتے تھے۔ ربوہ میں تو ایسا عام ہوا کہ دکانداروں نے نماز کے اوقات میں چائے تک پینے سے انکار کر دیا۔ اگر کسی نے کہا بھی کہ یہ مہمان ہیں انہیں جلدی جانا ہے تو کھرا سا جواب ملا "تو پھر؟ کیا میں ایک پیالی چائے کے لئے اپنی عاقبت خراب کرلوں ؟"۔ نماز کے ساتھ یہ تصور کہ نماز کے وقت دکان بند کر دینا کسی پر احسان کرنا نہیں۔ اپنی ہی عاقبت کے سنوارنے کا سامان ہے۔

تربیت اولاد

دراصل یہ سب کچھ گھروں کے اندر سے شروع ہوتا تھا۔ احمدیہ کلچر کا ایک حصہ اولاد کی تربیت ہے۔ ماں باپ اپنی اولاد کی تربیت ایسے رنگ میں کرتے تھے کہ بچے ایک خاص رنگ میں ڈھل جاتے تھے۔ ہر احمدی گھرانے میں گھر کے بڑے نماز پڑھتے پھر اپنی اولاد کو جگاتے 'انہیں نماز کی عادت ڈالتے تھے۔ پھر اکثر افراد تہجد کے عادی تھے۔ سحری کے وقت اٹھتے۔ تہجد کی نماز پڑھتے۔ پھر اپنی اولاد کو جگاتے۔ انہیں نماز پڑھنے کے لئے کہتے خود نماز کے بعد بچوں کو درس دینے کے لئے بیٹھ جاتے۔ قرآن' حدیث یا کتب حضرت بانی سلسلہ یا حضرت خلیفۃ المسیح کی کتابوں کا درس دیتے۔ اس طرح بچے ابتداء ہی سے ایک خاص رنگ میں رنگین ہو جاتے جسے احمدیت کا رنگ کہا جا سکتا ہے۔ یہ رنگ چڑھانا بہت مشکل تھا اور ہے کیونکہ جب تک خود ماں باپ اس رنگ میں رنگین نہ ہوں یہ رنگ نہیں چڑھتا اور چڑھ جائے تو چھٹائے نہیں چھٹتا۔ ہم لوگوں نے اپنے گھروں میں یہی ماحول دیکھا اور یہ صرف قادیان تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ رنگ ربوہ تک بلکہ یہ رنگ ہر احمدی گھرانے تک ممتد تھا۔ شہر ہو یا گاؤں یہی صورت تھی۔

جذبہ اخوت و مہمان نوازی

ہمارے ہاں بیسویں صدی کے تیسرے چوتھے عشرے تک یہ رواج تھا کہ لوگ سفر پر جاتے ہوٹلوں میں ٹھہرنے کی بجائے اپنی جان پہچان کے لوگوں کے ہاں ٹھہرتے۔ گاؤں میں چونکہ ہوٹلوں کا رواج نہیں تھا اس لئے مسافر مسجد میں قیام کرتے تھے اور نمازی

دیکھتے کہ مسجد میں کوئی مسافر موجود ہے تو اس کے لئے گھروں سے کھانا بھیج دیتے۔ یہ ہندوستان کا عام کلچر تھا۔ احمدیوں میں یہ ہوا کہ اگر کوئی مسافر سفر پر روانہ ہوتا تو کسی احمدی دوست کا پتہ حاصل کر لیتا اور بغیر کسی جان پہچان کے صرف یہ کہہ دینا کافی ہوتا کہ وہ احمدی ہے اور گھر کا سا ماحول پیدا ہو جاتا۔ یہ اخوت احمدیت کی پیدا کی ہوئی تھی۔

قادیان یا ربوہ میں مہمان خانہ موجود تھا۔ دوسرے شہروں میں بھی مہمان خانے یا لنگر موجود ہوں گے۔ مگر ہمارے ہاں کی روایت ایسے لوگوں کی روایت تھی جسے دوسرے شرفاء کی روایت کہئے۔ اب بڑے زمیں داروں کے ہاں مہمان خانوں کا وجود ہے مگر وہاں ہر مہمان کی پذیرائی مہمان کی طرح نہیں ہوتی۔ ایک دو وقت کا کھانا دے دیا اور بس۔ مہمان کو مہمان نہیں بوجھ سمجھا جاتا ہے۔ احمدیہ کلچر میں مہمان کو خاص طور پر ایسے مہمان کو جس سے روحانی رشتہ بھی ہو بہت اہم سمجھا جاتا ہے۔ تمام احمدی گھروں میں چونکہ ایک سا ماحول تھا اس لئے مہمان کو کوئی دقت بھی نہ ہوتی۔ ہمارے ہاں ربوہ میں ہمارے دیگر دوستوں کا کثرت سے آنا جانا تھا اور اللہ تعالیٰ نے کشائش بھی دے رکھی تھی اس لئے بہت مہمان آتے اور ایسے مہمان آتے تھے جو جماعت سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ایک دوبار ایسا ہوا کہ مہمان نے صبح اٹھ کر شکایت کی کہ تم لوگ آرام سے سونے نہیں دیتے ہو۔ صبح صبح کھٹ کھٹ شروع ہو جاتی ہے۔ پھر محلہ والے ہیں کہ بچے سحری کے وقت "صَلِّ علیٰ صَلِّ علیٰ" کے نعرے لگا لگا کر نیند سے چونکا دیتے ہیں۔ تم کوئی ایسا انتظام نہیں کر سکتے کہ ایسا نہ ہو۔ ہم نے کہا ہو سکتا ہے تمہیں چنیوٹ چھوڑ آتے ہیں جہاں دوپہر تک پڑے سوتے رہو گے کوئی جھانک کے نہیں دیکھے گا۔ یہ اجتماعی طریق ایک صدی میں پیدا ہوا تھا۔ ہر احمدی اس طریق سے آشنا تھا اس لئے احمدی اپنے احمدی گھروں میں مہمان ہوتے تو انہیں کوئی اجنبیت نہ ہوتی دوسرے آجاتے تو اجنبیت محسوس کرتے۔

چھ صدیوں کا فرق

ہمارے دوست مسٹر جسٹس سجاد احمد جان مرحوم جو ہائی کورٹ کے جج رہے، پھر سپریم کورٹ کے جج ہوئے، پھر چیف الیکشن کمشنر کے طور پر ریٹائر ہوئے، ربوہ تشریف لائے۔ آپ نے چنیوٹ کے سول ریسٹ ہاؤس میں قیام فرمایا۔ ایک رات وہاں گذاری، اگلے روز شام کے وقت ہمارے ہاں کالج میں تقریر کے لئے تشریف لائے۔ یہ غالباً ۱۹۶۳ء یا ۶۴ کی بات ہے۔ ربوہ میں چند گھنٹے قیام فرمایا۔ شہر میں تھوڑا سا گھومے۔ واپسی پر میں انہیں چنیوٹ تک چھوڑنے گیا۔ فرمانے لگے "چنیوٹ اور ربوہ میں صرف چھ میل کا فاصلہ ہے مگر دونوں شہروں کے کلچر میں چھ صدیوں کا فرق ہے"۔ پھر بعد کو میرے بعض جاپانی دوستوں نے بھی جو جاپان سے ربوہ آئے اور لکڑی کی مصنوعات خریدنے کے لئے چنیوٹ کا سفر اختیار کیا یہی محسوس کیا کہ دونوں شہروں کے کلچر میں بہت تفاوت ہے۔ دراصل یہ تفاوت احمدی کلچر کا پیدا کیا ہوا ہے۔

تعلیم القرآن

ہم احمدیہ کلچر کے اس حصہ کا ذکر کر رہے تھے جس کا تعلق تربیت سے تھا۔ اس تربیت کا ایک حصہ تھا جو بچوں کی تعلیم سے متعلق تھا۔ ہر احمدی بچہ سکول شروع کرنے سے پہلے قرآن مجید ناظرہ ضرور پڑھ لیتا تھا۔ ذرا حرف شناسی کی عمر کو پہنچتا تو ماں باپ خود پڑھانا شروع کر دیتے یا کسی قرآن پڑھانے والے کے پاس اسے پہنچا دیتے۔ ہماری پھوپھی جو بیگم جی قرآن پڑھانے میں بہت مشہور تھیں۔ مشہور تھا کہ غبی سے غبی بچے کو قرآن پڑھنے میں طاق کر دیتی تھی (ہم نے بھی انہیں سے قرآن ناظرہ پڑھا۔ اس سے بڑھ کر اور ثبوت کیا ہوگا)۔ سارے محلہ کے بچے ان کے پاس قرآن پڑھنے آتے تھے۔ ہمارے گھر کا سارا ماحول بچوں کے قرآن پڑھنے سے گونجتا رہتا تھا کیونکہ کوئی وقت بھی ایسا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی نہ کوئی بچہ قرآن پڑھنے کے لئے موجود نہ ہو۔ وقت کی کوئی تخصیص یا پابندی نہیں تھی بچے اپنی سہولت کے مطابق آتے تھے۔ یہی حال دوسرے محلوں کا تھا کوئی نہ کوئی ایسا شفیق وجود موجود رہتا کہ وہ بچوں کو بلا معاوضہ قرآن پڑھاتا

رہتا۔ دوسرے ماحول کی طرح بچوں اور بچیوں کو ملاملوانوں کے پاس نہیں بھیجا جاتا تھا۔ یہ خدمت بڑھی بوڑھیاں کرتی تھیں اور خندہ پیشانی سے کرتی تھیں۔ قادیان کا کوئی ہی ایسا بچہ رہا ہوگا جس نے ہماری پھوپھی جی سے قرآن نہ پڑا ہو۔ ربوہ میں بھی جب تک ان کی صحت اور بینائی نے اجازت دی یہ خدمت کرتی رہیں۔ اس قرآن شناسی کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ احمدی بچے بلا تخصیص دوسروں سے ممتاز سمجھے جاتے تھے۔ ہم ایک بار حیران رہ گئے۔ ہمارے ایک دوست جو بعد میں سینئر پروفیسر ہمارے ہاں مہمان تھے۔ صبح صبح آپ نے گھر کے اندر سے چھوٹے بچے کے قرآن تلاوت کرنے کی آواز سنی تو حیران رہ گئے۔ پوچھنے لگے یہ اتنا چھوٹا بچہ کون ہے جو تلاوت کر رہا ہے؟ ہم نے بتایا کہ ہمارا چھوٹا بھائی ہے۔ نسیم مہدی' کہنے لگے یار تم عجیب لوگ ہو میں اب تک قرآن نہیں پڑھ سکتا اس لئے کہ ماں باپ نے بچپن میں سکھایا ہی نہیں۔ بچوں کو قرآن سکھانا احمدیہ کلچر کا حصہ تھا۔ قادیان اور ربوہ کی گلیاں صبح صبح تلاوت سے گونجا کرتی تھیں۔

سکول میں میٹرک تک قرآن کا ترجمہ بھی پڑھایا جاتا تھا اور یہ تعلیم لازمی تھی ورنہ بچے کو میٹرک کے امتحان میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ قادیان میں تو سکول کے وجود سے پہلے مدرسہ احمدیہ قائم تھا۔ قادیان کے سارے بچے اس میں پڑھتے تھے اور آخر مولوی فاضل کا امتحان پاس کر کے نکلتے تھے۔ مولوی فاضل کا امتحان صرف ان لوگوں کے لئے لازمی نہیں تھا جو مبلغ بننے والے تھے بلکہ مولوی فاضل (جسے آجکل فاضل عربی کہا جاتا ہے۔ اے وائے مولویانِ قوم! جنہوں نے مولوی کے لفظ کو اتنا بدنام کر دیا کہ اب یونیورسٹی بھی اس لفظ کر ترک کر بیٹھی)۔ کا امتحان پاس کرتے تھے اور اس کو علم کی معراج سمجھا جاتا تھا۔ اس زمانہ کے قادیان کے باشندوں میں سے ہمارے چچا عبداللطیف سویڈن میں رہتے ہیں اور مولوی فاضل پاس ہیں۔ کوئی شخص مولوی فاضل کا امتحان پاس کر لیتا تو سارے شہر میں اس کی تکریم ہوتی۔ ربوہ میں ہمارے دوست سید عبدالحیٔ (حال ناظر اشاعت) مولوی فاضل کے امتحان میں یونیورسٹی میں اوّل آئے تو دھوم مچ گئی۔ لوگ دور دور سے شاہ صاحب قبلہ کو دیکھنے آئے۔ احمدیہ کلچر میں عربی کی تعلیم اور خاص طور سے قرآن کی تعلیم پر خاص زور دیا جاتا ہے۔ پھر ہم نے تو وہ زمانہ بھی دیکھا ہے جب مناظرے ہوتے تھے اور زور شور سے ہوتے تھے۔ دونوں طرف سے پڑھے لکھے لوگ اکٹھے ہوتے اور علمی مباحثے کرتے تھے۔ پھر مناظروں میں تلخیاں پیدا ہونے لگیں۔ غیر احمدی مناظرین بدگوئی پر اترنے لگے تو مناظروں کا زور کم ہو گیا۔ خادم صاحب مرحوم' ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم جماعت کے ایسے مناظر تھے جو بد گو مناظرین کو ان کے سکہ میں نقد ادائیگی کرنے میں بہت مشاق تھے اس لئے یہ اعلان ہوتا کہ خادم صاحب مناظرہ کریں گے تو لوگ دور دور سے سننے کے لئے جاتے۔ بحث مباحثہ معاشرہ کا حصہ تھا بعض لوگ مسئلے مسائل میں زیادہ ہی دلچسپی کا اظہار کیا کرتے تھے۔ بال کی کھال نکالنے کا محاورہ ہمیں بعض لوگوں کے مناظرے سن کر آیا۔ ایک بار ہمارے دوست محمد سجاد' پھالیہ سے ایک مولوی صاحب کو لے کر آئے۔ حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری اور حضرت مولانا شمس صاحب سے ملاقات کے بعد سجاد صاحب انہیں ہمارے پاس لے آئے۔ بیٹھک میں بٹھائے گئے۔ اباجی اسی طرح معمول کے لباس میں یعنی تہمد باندھے بنیان پہنے اندر سے آگئے۔ سلام دعا کے بعد اسلم سجاد نے تعارف کروایا "میرے مہربان دوست ہیں مسئلہ مسائل سے دلچسپی رکھتے ہیں اور خوب دلیر آدمی ہیں کسی سے نہیں ڈرتے" اباجی نے کہا "ڈریں ان کے دشمن! یہ تو گجرات کے ہیں جو لوگ رات کو نہیں ڈرتے دن کو کیا ڈریں گے"۔ وہ صاحب جھینپ سے گئے فرمانے لگے "میں مسئلہ مسائل سے دلچسپی رکھتا ہوں"۔ اباجی نے کہا آپ ہمارے بڑے بڑے علماء سے مل آئے ہیں میں تو ان کے مقابلہ میں کوئی عالم نہیں۔ پھر بھی آپ کی خدمت کروں گا۔ فرمایئے کیا مسئلہ ہے۔ کہنے لگے "جی کوئی بڑا مسئلہ نہیں یہی

وفات مسیح کے بارہ میں کوئی آیت......" ابھی آپ کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ ابا جی نے کہا "کیوں کیا باقی انبیاء آپ نے آیتوں سے ہی مارے ہوئے ہیں کہ مسیح کی وفات کے لئے آیت درکار ہے؟" وہ صاحب ایسے چپ ہوئے کہ پھر بول تک کے نہیں دیکھا۔ جاتے ہوئے کہنے لگے "واقعی آیت کی کیا ضرورت ہے"۔

بات صرف عربی کی نہیں ایک خاص زاویہ نگاہ کی ہے۔ احمدیہ کلچر میں یہ بات اہم سمجھی جاتی ہے کہ بچوں کو قرآن کا بنیادی علم حاصل ہو تاکہ وہ بنیادی مسائل پر جماعت کا موقف جان سکیں۔

صحبت صالحین

پھر ہمارے ماحول میں عالموں کا احترام ایک خاص وصف ہے۔ بچوں کو سکھایا جاتا ہے کہ وہ لوگ جو کسی بھی علم کے ماہر ہوں ان کا احترام کریں۔ قادیان یا ربوہ میں لوگ علماء کی خدمت میں حاضر ہونے کو سعادت جانتے تھے۔ علماء کی مجلس میں بیٹھنا بچوں کے ذہن میں کشادگی پیدا کرتا تھا۔ ہمیں یاد ہے اسی طرح ہمیں بچپن ہی سے سکھایا گیا کہ بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ہم نے حضرت مولوی شیر علی صاحب، حضرت مولانا سید سرور شاہ صاحب کے ہاں جانا شروع کیا۔ اسی طرح دوست ہمارے پھوپھا جی حضرت مولوی غلام نبی صاحب مصری کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ ہمیں یہ تک یاد نہیں کہ ہم نے ان بزرگوں سے کیا سنا یا کیا سیکھا مگر یہی کیا کم تھا کہ ان کی باتیں کان میں پڑتی رہتی تھیں۔ ربوہ میں ہم حضرت حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ جلسہ سالانہ پر تو لوگ التزام اور اہتمام سے بزرگوں کی خدمت میں دعا کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے۔ حضرت مولانا راجیکی صاحب، حضرت مولانا بقاپوری صاحب کے ہاں مہمانوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ لوگ آتے۔ دروازے کھلے رہتے۔ دعا کے لئے کہتے کچھ دیر ان کے ارشادات سے مستفیض ہوتے پھر دوسروں کے لئے جگہ خالی کر دیتے۔ یہ جماعت احمدیہ کا خاص کلچر تھا اور ہے۔ ہمارے ہاں بزرگوں کا ایک خاص مرتبہ تھا۔

جزاکم اللہ۔ کہنا

پھر ہمارے ہاں ایک خاص بات جزاکم اللہ کہنے کی ہے۔ دوسرے معاشرہ میں رسمی شکریہ کا لفظ کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں شکریہ ادا کیا جاتا ہے یا احسان مندی کا اظہار کیا جاتا ہے تو اس کے لئے رسمی طور پر شکریہ نہیں کہا جاتا دلی طور سے "جزاکم اللہ احسن الجزاء" کہا جاتا ہے۔ احمدیوں کے علاوہ دوسرے بھی شاید کہتے ہوں گے مگر ایسا الشاذ کالمعدوم کے طور پر ہے۔ ہم نے تو سوائے احمدیوں کے کسی دوسرے کو ایسا کہتے نہیں سنا۔ جس طرح الیس اللہ بکاف عبدہ کی انگوٹھی احمدیوں کا نشان سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح جزاکم اللہ احسن الجزاء کہنا بھی احمدیوں سے خاص ہے۔ الیس اللہ بکاف عبدہ قرآن حکیم کی آیت ہے مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوئی تھی۔ اس لئے احمدی حضرت صاحب کے تتبع میں اسے انگوٹھی میں کھدوا لیتے ہیں۔ اسی طرح جزاکم اللہ احسن الجزاء کہنا بھی دینی روایت تھی مگر اب احمدیوں سے مختص ہو کر رہ گئی ہے۔ پچھلے برس ہم کینیڈا سے واپس آئے تو ایک دوست کا خط آیا۔ لکھا تھا کہ "آپ نے واپس پہنچ کر شکریہ کا خط لکھا ہے "جزاکم اللہ بلکہ احسن الجزاء" ہم نے انہیں لکھا "سبحان اللہ دراہِ مضمونِ تازہ بند نہیں آپ نے کیا بات کہی ہے۔ آئندہ لوگ لکھا کریں السلام علیکم بلکہ ورحمۃ اللہ مزید برآں وبرکاتہ۔"

سو احمدیوں کے کلچر میں جزاکم اللہ کہنا بھی شامل ہے۔ احمدی احسان مند لوگ ہیں احسان ناشناس یا ناشکرے نہیں حالانکہ جماعت کو بحیثیت جماعت ایسے ایسے احسان ناشناس لوگوں سے پالا پڑ چکا ہے کہ الامان والحفیظ ہمارے ہاں انفرادی اور اجتماعی طور پر شکر گذاری کا اظہار کرنا کلچر کا حصہ سمجھا جاتا ہے ہم نے ایک دو مضمونوں میں اپنے شاگردوں کے لئے احسان مندی کا اظہار کیا تو ایک صاحب معترض ہوئے کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ ہم نے انہیں یہی کہا

کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے یہی سیکھا ہے کہ کوئی ذرا سا بھی احسان کرے تو اس کے احسان کا تذکرہ کرو۔ فامابنعمت ربک فحدث یہ اللہ کا احسان ہی تو ہے کہ وہ لوگ ہمیں مشاعروں پر بلاتے یا سیر کے لئے اتنی دور دراز کے ملکوں یا جگہوں کے ٹکٹ بھیج رہے ہیں۔ ہم خود تو اتنے لمبے لمبے سفروں کی استطاعت نہیں رکھتے تھے۔ اب آپ کہتے ہیں ہم ان لوگوں کے احسان کا تذکرہ تک بھی نہ کریں؟

ہمارے سامنے پھوپھا جی حضرت مولوی غلام نبی صاحب کا اسوہ ہے کوئی شاگرد ایک ذرا سا تحفہ بھی بھیجتا تو مدتوں اس کا احسان مندی سے تذکرہ کرتے رہتے اور دعائیں دیتے رہتے۔ احسان مندی بھی احمدیہ کلچر کا حصہ ہے۔ ایک بار حضرت مولانا راجیکی صاحب کے بیٹے برکات احمد صاحب راجیکی نے قادیان سے لکھا کہ ان کی طرف سے ان کے والد صاحب کی خدمت میں ایک حقیر سی رقم غالباً دس روپے کی رقم تھی دفتر کی طرف سے بھجوادی جائے وہ یہ رقم قادیان میں انجمن کو ادا کر دیں گے۔ ہم نے حضرت میاں بشیر احمد صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں وہ رقم خود حضرت مولانا راجیکی صاحب کی خدمت میں پہنچادی۔ حضرت مولانا راجیکی صاحب کی خدمت میں ہزاروں لوگ نذرانے اور تحفے پیش کرتے رہتے تھے مگر ہم نے وہ دس روپے انہیں پہنچائے تو حضرت مولانا نے برکات احمد صاحب کو اتنی دعائیں دیں اتنی دعائیں کہ کیا لکھوں۔ اسی وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے ہمیں بھی اس میں شامل کر لیا۔ ہم نے سوچا بیٹے نے باپ کی خدمت کے لئے اتنی حقیر سے رقم بھیجی ہے تو ایسی کون سی بات ہے۔ بیٹے کا فرض تھا کہ وہ حتی الوسع باپ کی خدمت کرتا مگر اس میں سبق یہ تھا کہ بیٹا بھی باپ کی خدمت کرے تو اس کے لئے احسان مندی کا اظہار کیا جائے۔ کیسا خوش نصیب وہ بیٹا تھا اور کیسا خوش نصیب وہ باپ تھا۔

احمدیہ کلچر کا یہ پہلو بھی دوسروں سے ممتاز پہلو ہے۔

اظہارِ تعزیت

احمدیہ کلچر میں تعزیت کے قرینے بھی دوسروں سے مختلف ہیں۔ ہمارے ہاں جزع فزع کا تصور نہیں۔ تعزیت کے لئے صرف اناللہ وانا الیہ راجعون کہا جاتا ہے اور بس! فاتحہ پڑھنے یا قل اور تیسرے یا چالیسویں کا کوئی رواج ہے نہ کھانا کھلانے کا۔ کئی بار غیر احمدی شرفا کے ہاں تعزیت کے لئے جانا ہوا تو بہت دقت پیش آئی۔ کیوں 'جو آتا" دعائے خیر" کہہ کر فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھالیتا۔ مگر ہم نے دیکھا کہ ہر شخص نئے آنے والے کے ساتھ ہاتھ ضرور اٹھاتا ہے مگر پڑھتا پڑھاتا کچھ نہیں۔ ہر شخص اپنی مرضی سے فاتحہ ختم کر لیتا ہے۔ کئی بار تو ہم نے دیکھا کہ ادھر کسی نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے ادھر دوسروں نے ایک سیکنڈ کے بعد باتیں شروع کر دیں۔ فاتحہ محض رواج بنی ہوئی ہے مگر احمدیوں کے ہاں اس قسم کا کوئی رواج نہیں۔ ہاں لوگ پرسہ دینے ضرور جاتے ہیں۔ تین دن تک تو باقاعدہ دوست عزیز آتے ہیں۔ البتہ قبر پر فاتحہ پڑھنے لوگ ضرور جاتے ہیں مگر اسے فاتحہ پڑھنا نہیں کہتے بلکہ محض دعا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بہشتی مقبرہ میں صبح صبح دعا کرنے والوں کا تانتا لگا ہوتا ہے۔ قادیان میں لوگ سب سے پہلے حضرت بانی سلسلہ کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے مزار مبارک پر حاضر ہوتے تھے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے مزار پر جو اسی احاطہ میں تھا دعا کرتے اس کے بعد دوسروں کی طرف جاتے تھے۔ یہاں ربوہ میں حضرت اماں جان اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی قبروں پر جو ایک ہی احاطہ میں ہیں دعا کرنے کے بعد لوگ دوسروں کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں قبروں پر کوئی منت نہیں مانی جاتی نہ چڑھاوے چڑھانے کا رواج ہے۔ جہاں تک ہماری تربیت کا تعلق ہے ہمیں علم ہے کہ بزرگوں کی قبروں سے کوئی توقع وابستہ نہیں کی جاتی۔ چادر وغیرہ کا کوئی رواج

نہیں۔ دیگر درگاہوں یا مزاروں پر جو کچھ ہوتا ہے وہ ہمارے ہاں بنظر استحسان نہیں دیکھا جاتا۔ اسی طرح ہمارے ہاں چالیسویں کی دعوت کا بھی کوئی سلسلہ نہیں۔ غیر احمدی حضرات کے ہاں مرنے والا مر جاتا ہے تو پسماندگان لوگوں کو کھلا کھلا کر مر جاتے ہیں!

تعزیت کے لئے آنے والے بھی دعا یا فاتحہ کے لئے ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ خاموشی سے آتے، لواحقین سے ملتے 'اناللہ' پڑھتے اور خاموشی سے بیٹھ کر مرنے والے کے شمائل کا تذکرہ کرتے اور اپنی سہولت کے مطابق اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں اذکروا موتاکم بالخیر کا رواج ہے۔ مرنے والوں کے عیوب کا تذکرہ مناسب نہیں جانا جاتا۔ مغفرت کی دعائیں ہی مانگی جاتی ہیں۔

ہمسائیوں سے حسن سلوک

ہمسائیوں سے حسن سلوک بھی ہمارے کلچر کا حصہ ہے۔

ہمسایوں سے اپنوں کا سا سلوک کرنا دینی تعلیم کا اہم جزو تھا مگر افسوس لوگ اسے بھول بیٹھے۔ قادیان میں اور ربوہ میں اس بات کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے کہ ہمسایوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا کوئی موقعہ ضائع نہ ہو۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے عیدین اور دیگر خوشیوں کے مواقع پر ہمسایوں سے مل جل کر خوشی منانے کا حکم دیا ہوا ہے۔ ہمیں یاد ہے قادیان کے زمانہ کے ہمسائے ملک صلاح الدین صاحب سے، علی گوہر صاحب کے خاندان سے اور ربوہ کے ہمسایوں سے ایسا ہی تعلق محسوس ہوتا تھا جیسا تعلق اپنے قریبی عزیزوں سے ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اردو میں محاورہ ہے "حق ہمسایہ ماں جایا" مگر اس کا اطلاق سارے معاشرہ میں کہیں نظر نہیں آتا۔ ہمسایوں میں اجنبیت بڑھ رہی ہے۔ مغرب میں تو ہمسایے کے ساتھ تعلق کا کوئی تصور ہی نہیں لوگ برسوں دیوار بہ دیوار رہتے ہیں مگر ایک دوسرے کو جانتے تک نہیں۔ ہمارے ہاں ایسا نہیں تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدیہ کلچر میں ابھی تک ہمسائے کے حقوق کا لحاظ موجود ہے۔ جاپان میں ہمارے پڑوس میں ایک صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ہم نے اپنے رفیق کار اور ہمسائے امریکن پروفیسر فارسی سے کہا ہمیں تعزیت کے لئے جانا چاہئے۔ کہنے لگے نہیں! تیسرا امکان ہے دوسرا ہوتا تو چلے بھی جاتے۔ کچھ دنوں کے بعد فارسی صاحب بہت بیمار ہو گئے ہم عیادت کے لئے ان کے ہاں اوپر تیسری منزل میں پہنچے۔ ان سے تفنن کے طور پر کہا کہ "آپ کو کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے؟" کہنے لگے "کیوں اتنی بے مروتی دکھاؤ گے کہ میرے جنازہ کو کندھا نہیں دو گے؟" ہم نے کہا "نہیں ایسا تو نہیں کریں گے مگر مشکل یہ ہے کہ آپ بھی تیسرے مکان میں رہتے ہیں دوسرے تک ہم بلا تکلف جا سکتے ہیں۔" بہت ہنسے۔ تب ہم نے انہیں اپنے احمدیہ معاشرہ کا بتایا کہ ہمارے ہاں ہمسائے کے کیا حقوق ہوتے ہیں۔ کہنے لگے "ہوتا ہوگا مگر ایسا تو صرف فرشتوں کے معاشرہ میں ہو سکتا ہے۔ ہمارا قادیان اور ربوہ کا معاشرہ فرشتوں کا معاشرہ تو نہیں تھا مگر ایسے فرشتوں والے کام ہمارے ہاں ضرور ہوتے تھے۔ ہمسائیگی کا حق بہت سے دوسرے حقوق پر فائق تھا۔ بیماری میں تو تیمارداری کرنا ہاتھ پیر کی خدمت کے لئے حاضر رہنا، ضعیفوں کی خدمت کرنا، یہ سب کچھ احمدیہ معاشرہ کا حصہ تھا اور ہے۔

خدمت خلق

خدمت خلق کا لفظ بھی ہمارے ہاں ہی سے شروع ہوا۔ کسی مصیبت کا وقت ہو ہمارے لوگ خدام ہوں یا انصار یا اطفال خدمت کے لئے تیار رہتے تھے۔ قادیان کا تو ہمیں یاد نہیں مگر ربوہ میں سیلاب آتا تو ارد گرد کا سارا علاقہ پانی میں گھر جاتا۔ خدام خدمت کے لئے میدان میں اتر پڑتے اور اپنی جانوں کی پروا کئے بغیر خدمت کرتے۔ سیلاب کے چڑھے ہوئے پانی میں ہم نے خدام کو کھڑ کن گاؤں تک بھی کشتیوں میں جاتے اور لوگوں کو بچاتے یا انہیں کھانا پہنچاتے دیکھا۔ بیماروں کے لئے تو خدمتی کیمپ لگتے ہی رہتے ہیں۔ سڑک یا سٹیشن پر گرمیوں میں مسافروں کو پانی پلانے کا کام بھی خدام ہی کرتے رہتے تھے تا آنکہ بعض لوگوں کو یہ خدمت پسند نہ آئی۔ ایک

روز ایک "نیک آدمی" نے خدام کی آنکھ بچا کر پانی کے ڈرم میں زہر ملا دیا۔ اگر وہ پانی کسی کو پلا دیا جاتا تو وہیں ڈھیر ہو جاتا۔ وہ تو خیر گزری کہ کسی نے اس بھلے مانس کو ایسے کرتے ہوئے دیکھ لیا اور فوراً پانی ضائع کر دیا گیا ورنہ ایک نیا کھڑاک کھڑا ہو جاتا۔ اس کے بعد بسوں کے اڈہ پر یا سٹیشن پر پانی پلانے کا سلسلہ روک دیا گیا۔ پانی بیچنے والوں کو کھلی آزادی ہے جتنا چاہیں بیچیں مگر ربوہ میں کوئی پانی نہیں بیچتا۔

وقار عمل

خدمت خلق کا ایک انداز احمدیہ کلچر سے مختص ہے وہ ہے وقار عمل۔ یعنی رضاکارانہ طور پر سڑکوں، گلیوں محلوں کی صفائی اور سڑکیں بنانے کا کام۔ خدام اطفال انصار سب ہی وقار عمل میں شریک ہوتے اور ہاتھ سے کام کرتے تھے۔ قادیان اور ربوہ کے ابتدائی دنوں میں ایک بار ہم نے حضرت صاحب کو بھی وقار عمل میں شریک ہو کر کام کرتے دیکھا۔ پھاوڑے، کدالیں، تسلے، جھاڑو خدام الاحمدیہ والے مہیا کرتے تھے اور سب لوگ گلی محلہ کی صفائی کرتے رہتے تھے۔ اس کام میں کوئی عار سمجھی جاتی تھی نہ سمجھی جاتی ہے۔ یہاں سویڈن والوں کے ہاں بھی ایسا ہی رواج ہے۔ یہ لوگ مہینہ میں ایک بار ایسا کام کرتے ہیں اور ایسے کام میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

پردہ

ہمارے احمدیہ کلچر کا ایک پہلو پردہ سے متعلق ہے۔ ہمارے ہاں غض بصر کا عام رواج ہے۔ عورتیں برقعہ پہنتی ہیں۔ گلیوں بازاروں میں بے پردہ خواتین نظر نہیں آتیں۔ برقعہ پہننے کا جتنا تناسب ربوہ میں ہے اتنا پاکستان کے کسی اور شہر میں نہیں۔ ہماری بچیاں کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھنے بھی جاتی ہیں تو پردہ کی پوری رعایت ملحوظ رکھتی ہیں۔ تین بچیاں ہمارے ساتھ گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں پڑھنے جاتی تھیں۔ تمام اساتذہ جن میں اشد ترین مخالف بھی شامل تھے یہ کہتے تھے کہ ربوہ سے آنے والی بچیاں صحیح پردہ کرتی ہیں۔ فی زمانہ پردہ بھی احمدیہ کلچر کا حصہ ہے۔

خلافت سے محبت کا تعلق

ان تمام باتوں کے علاوہ احمدیہ کلچر کا محور امام وقت کی ذات ہے۔ خلافت کے ساتھ تعلق جماعت احمدیہ سے خاص ہے۔ اس تعلق کی وجہ سے جماعت میں مرکزیت قائم ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی وفات کے بعد یہی چیز جماعت میں تفرقہ کا موجب ہوئی کہ کچھ لوگ خلافت کی بجائے انجمن کی حاکمیت کے قائل تھے اس لئے علیحدہ ہو گئے اور اس ایک صدی میں اپنا تشخص کھو بیٹھے۔ جماعت احمدیہ کے بڑے حصہ نے اس وقت بھی اور بعد کو بھی خلافت کے ساتھ ناقابل شکست تعلق قائم رکھا اور تعلق نے جماعت کو دن دونی چوگنی ترقی سے ہمکنار کیا۔

جماعت احمدیہ میں خلافت کا تصور دنیا کی دوسری امامتوں سے یکسر مختلف ہے۔ یہ کوئی سیاسی امامت یا راہنمائی کا مسئلہ نہیں۔ نہ ہی یہ کوئی گدی نشینی کا سلسلہ ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو پہلے حضور حضرت حکیم مولوی نور الدین نہ ہوتے۔ پچاس کی دہائی میں جماعت میں جو فتنہ منافقین پیدا ہوا اس میں بھی ان لوگوں نے خلافت کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کرنے اور پھیلانا چاہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں خائب و خاسر کیا۔ جماعت کی خلافت کا براہ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ یہ کوئی کتابی بات نہیں۔ ہم لوگوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے وصال پر یہ معجزہ دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی خلافت کا انتخاب کرتا اور پھر اس شخص کو جسے خلافت کے لئے چنتا ہے اپنی تائید و نصرت سے نوازتا ہے۔ حضرت مرزا ناصر احمد صاحب کے ساتھ ہمارا استادی شاگردی کا تعلق بھی رہا۔ ان کے ساتھ بطور ماتحت کام کرنے کا موقعہ بھی ملا۔ مگر جس روز وہ خلافت پر فائز ہوئے ان کی شخصیت اس طرح بدل گئی کہ گویا پرانے مرزا ناصر احمد کا وجود ختم ہو کر کسی نئے مرزا ناصر احمد نے جنم لیا ہو۔ ان کی ساری سختی ملائمت میں بدل گئی۔ ہم نے پہلی بار ان کی بیعت کی تو محسوس ہوا کہ ان کی آواز بھی بدل گئی ہے۔ ان کی زبان سے کوئی اور بول رہا ہے۔ پہلا خطبہ دینے کے لئے آئے تو ساری جماعت حیران رہ گئی .... ہم اپنے دوستوں

سے کہا کرتے ہیں کہ ہم اس بات کے عینی گواہ ہیں کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔
ایک سے زیادہ مرتبہ میں اس بات کا ذکر کر چکا ہوں کہ پروفیسر حمید احمد خاں، وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی ربوہ تشریف لائے تو حضرت صاحب سے ملاقات کے بعد حیران رہ گئے۔ جاتے ہوئے حیرت سے مجھے کہا "پروازی! یہ وہ مرزا ناصر احمد تو نہیں ہیں۔"

احمدیہ کلچر کا ایک حصہ خلافت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ بچوں کو بڑوں کو سب کو ہی خلافت کے مرتبہ کا ادراک ہے۔ جماعت جانتی ہے کہ خلافت سے تعلق ہی جماعت کی زندگی کا ضامن ہے۔ لوگ امام کے ہاتھ چومتے ہیں اس کے سامنے سجدے نہیں کرتے۔ اس کے پاؤں کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

جماعت احمدیہ کے لوگ خلیفہ کو کوئی مافوق الفطری وجود نہیں مانتے۔ ہاں انہیں اس بات کا یقین ہے کہ ہمارا امام اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اس لئے وہ ہر مسئلہ میں اس کی رہنمائی کرتا ہے اور ہمیں ہر مسئلہ میں اس کی ہدایات کی پابندی کرنی ہے۔ خواہ بظاہر اس کی ہدایات ہمیں اپنی رائے کے خلاف ہی نظر آتی ہوں۔ خلافت کے ساتھ اطاعت کا غیر مشروط اور ناقابل شکست تعلق احمدیہ کلچر کی بنیاد ہے۔ ساری مرکزیت کا بنیادی نقطۂ امام کی ذات ہے اور بس۔ جماعت کو یہی تعلق بس ہے"۔

مالی قربانی

اور اب بات وہاں آگئی جہاں سے جماعت کے وسائل کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ ساری دنیا حیران ہے کہ اس جماعت کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آجاتے ہیں کہ اس نے دنیا بھر میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں۔ اور اب تو لوگ اور بھی زیادہ جلنے لگے ہیں کہ ٹی وی اسٹیشن قائم کرنا تو بہت ہی مہنگا سودا ہے! جماعت نے یہ کام کیسے کر لیا ہے؟ لوگوں کو سمجھ نہیں آتی۔ سمجھ تو ہمیں بھی نہیں آتی کیونکہ خدائی کام ہیں انسانوں پر ان کا انحصار نہیں ہوتا مگر کچھ نہ کچھ تو اس بارہ میں ہوتا ہی ہے نا!

اس صدی کی تیسری دہائی میں ایک بہت بڑے ادیب قادیان تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو اپنے اخبار میں مضمون لکھا جس میں طنزاً لکھا کہ قادیان میں تو درختوں پر بیٹھی چڑیاں بھی "چندہ چندہ چندہ چندہ" پکارتی تھیں۔ بات ٹھیک ہے۔ جماعت کے مالی وسائل کا انحصار چندہ پر ہے۔ ہر شخص اپنی آمد کا سولھواں حصہ اور اگر موصی ہے تو دسواں حصہ جماعت کو دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر جب بھی جماعت کو ضرورت ہوتی ہے امام تحریک کرتا ہے اور جماعت اس کی آواز پر لبیک کہتی ہے۔ جماعت نے ان چھوٹے چھوٹے چندوں سے بڑے بڑے کام کر لئے ہیں۔ حضرت بانی سلسلہ نے تو ایک ایک آنہ چندہ دینے والوں کا بھی ذکر احسان مندی کے جذبات سے کیا ہے۔

دو چار برس پہلے ہماری ایک نظم الفضل انٹرنیشنل میں شائع ہوئی۔ زمین تھی

"رکے بھی ہیں کبھی مولا کے کام ہندوں سے؟"

اس میں ایک شعر آگیا جو کچھ یوں تھا کہ جو کام تم دولت و ثروت کے باوجود نہ کر سکے

"یہ کام کر لیا ہم نے حقیر چندوں سے"

اس کا سادہ سا مطلب دیگر لوگوں کی دولت و ثروت اور جماعت کے غریبانہ وسائل کے موازنہ کرنا تھا مگر حضرت صاحب کو چندہ کے ساتھ حقیر کا لفظ پسند نہیں آیا۔ حضرت صاحب نے ہمیں خط لکھا کہ "چندے کبھی حقیر نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے ساتھ ایسا لفظ بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے" امام کو جماعت کے چندوں کی کتنی غیرت ہے! اور درست ہے! جماعت اس کی آواز پر ہر حال میں لبیک کہتی ہے تو اس کی کوششیں حقیر کیسے ہو سکتی ہیں!

احمدیہ کلچر کا نمایاں پہلو قربانی کا جذبہ ہے۔ عورتیں ہوں یا مرد، بڑے ہوں یا چھوٹے، سب ہی اپنے اپنے میدان میں مالی و جانی قربانیاں کرنے کے لئے مستعد رہتے ہیں۔ یہی چیز دوسروں کو حیرت میں ڈالتی ہے۔

شوق پھر دشت میں لے جائے ہم کو

رُوداد پکنک مرکزی عاملہ ـــ جنوری 1999ء

(تحریر مکرم مجد الدین صاحب مجد۔ معاون صدر)

28 جنوری 1999ء کی تاریخ تھی اور جمعرات کا دن جب بعض نئے مقامات سے آگاہی کے لئے اراکین عاملہ محترم صدر صاحب کی معیت میں ایوان محمود سے دن پونے ایک بجے روانہ ہوئے۔ قافلہ دو گاڑیوں پر مشتمل تھا۔ کرولا کار کو مکرم محمد صدیق صاحب چلا رہے تھے۔ محترم صدر صاحب، مکرم سید قمر سلیمان احمد صاحب اور مکرم ظفر اللہ خان طاہر صاحب اس پر تشریف رکھتے تھے۔

ٹویوٹا ویگن کے پائلٹ مکرم رانا سلطان احمد صاحب تھے۔ فرنٹ سیٹ پر مکرم سلیم الدین صاحب معہ اپنے ویڈیو کیمرہ کے بیٹھے تھے۔ دوسرے دن جا کر علم ہوا کہ وہ بطور کیمرہ مین نہیں آئے بلکہ بحیثیت ایک رکن مجلس عاملہ آئے ہیں ورنہ ہمیں غلط فہمی ہی رہتی۔

پھر مکرم شبیر احمد ثاقب صاحب، مکرم خلیل احمد تنویر صاحب، مکرم راجہ رفیق احمد صاحب، مکرم امین الرحمن صاحب اور پھر خاکسار جو بوجہ اپنی محدود جسامت کے گویا "اطفال" کی نمائندگی کر رہا تھا۔ کھانے کی ہمہ وقت موجودگی اس گاڑی کا نمایاں وصف تھا۔ سرگودھا کے قریب پہنچ کر مالٹے، کینو، مسمیاں اور فروٹر خریدے گئے۔ سفر رواں دواں رہا۔ پچھلے کچھ دنوں کے برخلاف بادل نہ تھے اور سورج چمکتا دکھائی دیتا تھا۔ اکا دکا بادلوں کی ٹولیاں گرچہ ہمارے ساتھ ساتھ تیرتی پھرتی تھیں۔ خوشاب کے قریب دریائے جہلم کا پل کراس کرنے کے بعد جب ویگن میں موجود کھانے کی خوشبو نے بہت بے قرار کیا تو ایک ہوٹل پر رکے۔ آلو قیمہ اور دارالضیافت کی سونف والی روٹیوں پر مشتمل لنچ کیا۔ حاضرین نے کھانا بہت پسند کیا۔ اس پر انتظامیہ نے سکھ کا سانس لیا کہ MENU پسند کیا گیا ہے کیونکہ تمام سفر کا MENU یہی تھا!

خوشاب سے گزرے جہاں بہت سی شہر کی مشہور، اصلی اور پرانی امین ڈھوڈا ہاؤس کی دوکانیں قائم تھیں۔ ہم نے امین الرحمن صاحب سے بہتیرا پوچھا کہ ان میں سے اصل "امین" کون ہے۔ پہلے تو وہ ہنس دیئے اور چپ رہے لیکن پھر گویا ہوئے کہ اصل امین میں ہوں۔ یہ سب تو نمبر دو ہیں۔ خوشاب سے نکل کر ہم ایک دوراہے سے بائیں ہاتھ وادی سون اور سکیسر کی سڑک پر چل دیئے۔ دائیں ہاتھ سڑک کٹھہ سگھرال کو جاتی تھی۔ کچھ دور جا کر ایک بورڈ دکھائی دیا جو وادی سون میں آمد کا اعلان تھا۔ وادی سون اس زمین پر چند قدیم ترین آبادیوں میں سے ایک ہے اور یہاں ایسے آثار ملے ہیں جن سے ابتدائی زمانے کے انسان کا یہاں قیام پذیر ہونا ثابت ہے۔

یہاں سڑک نے بل کھانے شروع کئے اور متاثرین

چڑھائی دائیں بائیں جھولتے رہے۔ یونہی آہستہ آہستہ چڑھتے ہم کافی بلندی پر آ گئے۔ وہاں سے نیچے کی سڑک ایک نہر کی مانند نظر آتی تھی۔ راستہ بجائے خود بہت خوبصورت تھا۔ سڑک بہت عمدہ تھی البتہ گڑھوں کی عدم موجودگی کے باعث ڈرائیور سمیت تمام احباب بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ راستہ میں "نوشہرہ" نام کا قصبہ آیا جو نسبتاً بڑی آبادی تھی۔ نوشہرہ سے کچھ دور نکل کر دائیں ہاتھ اوچھالی کی جھیل آ گئی۔ جھیل کی لمبائی اچھی خاصی تھی۔ ہم سڑک پر چلتے جھیل کے آخری سرے پر پہنچ گئے۔ اس سے آگے سکیسر ائرفورس چھاؤنی کا گیٹ آ گیا جہاں سے آگے جانے کی اجازت نہیں تھی۔ گھڑی دیکھی تو شام کے 5 بجے تھے۔

گاڑیاں وہیں پارک کی گئیں۔ مکرم سید قمر سلیمان صاحب ہوٹل دیکھ کر چائے کے لئے پھسل گئے۔ سامان اٹھائے ٹیم کیمپنگ کے لئے جگہ کے انتخاب کے لئے نکل پڑی۔ ایک دری کو پھیلا کر اکثر سامان اس پر رکھا گیا اور چاروں کناروں سے ساتھیوں نے دری کو پورے اعزاز کے ساتھ سنبھالا۔ مختصر سروے کے بعد کیمپنگ سائیٹ پسند کر لی گئی اور کیمپ کھڑے کرنے کا مرحلہ شروع ہوا۔ ساتھ ساتھ گاڑی سے سامان کی ترسیل بھی جاری رہی۔

کیمپنگ کی جگہ پانی کے نزدیک ہونی چاہئے۔ ہموار اور ایسی زمین جہاں کلیاں گاڑی جا سکیں۔ انتخاب ان سب باتوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر کیا گیا تھا اس لئے آرام رہا۔ کیمپ جلد تر کھڑے کر دیئے گئے۔ اس اثناء میں مغرب ہو گئی تھی۔ سامان کی ترتیب لگائی گئی اور چائے کا ایک دور بھی چلا۔ حاضرین کی ابلے ہوئے انڈوں سے تواضع کی گئی۔ ہلکی پھلکی گپ شپ ہوتی رہی۔ یہاں سے سامنے پہاڑ کی چوٹی دکھائی دیتی تھی جو اس سلسلہ کا بلند ترین مقام ہے اور سکیسر کے نام سے موسوم ہے۔ PTV اسلام آباد کا بوسٹر بھی یہاں ہے جس کی نشریات ربوہ تک بھی پہنچتی ہیں۔

8 بجے کے قریب رات کا کھانا تناول کیا گیا۔ نماز کا مرحلہ آیا۔ پانی کا انتظام وہاں خوب تھا۔ ایک کنواں جو جاری تھا لیکن کسی کی ملکیت نہ تھا۔ رہٹ کو گھما کر تازہ پانی سے وضو کیا گیا۔ رہٹ کو گھمانے کی ذمہ داری تمام تر جفاکش نوجوانوں پر ہی تھی۔ نماز کی ادائیگی کا بھی اپنا ہی لطف آیا کیونکہ خدا کی قدرت نمائی کے جلوے ہر طرف عیاں تھے۔ کیمپ جھیل سے قدرے فاصلہ پر تھا۔ ادائیگی نماز کے بعد سب جھیل کی طرف چلے۔ سفر کے اس دن کا انتخاب بھی خوب تھا کہ اس شب تیرھویں کا چاند اپنی آب و تاب کے ساتھ چودھویں کا نظارہ دے رہا تھا۔ گو مطلع صاف تھا لیکن سردی کی شدت قائم تھی۔ جھیل کے بالکل قریب کیچڑ تھا اس لئے قریب جانے سے احتراز کیا گیا۔ خاکسار نے خواہش ظاہر کی کہ تھوڑا اور جھیل کے ساتھ آگے جائیں تو چاند پانی میں دیکھا جائے۔ سب نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ چاند کا عکس دیکھنے کی بجائے اسے براہ راست ہی دیکھ لیں!

وہاں کچھ دیر کھڑے سب اس نظارہ کے خالق خدا کی تخلیق کے تنوع کا مشاہدہ کرتے رہے۔ جھیل کی خاموش سطح، چار جانب پہاڑ، کھلا آسمان، دمکتا چاند اور گھمبیر خاموشی۔ اس ماحول کے موافق کچھ غزلوں اور اشعار کے تبادلے کے بعد وہاں سے واپسی کی ٹھہری۔ واپس آ کر سب ایک کیمپ میں بیٹھ رہے اور باہم خوش گپیاں چلتی رہیں۔ بالآخر سونے کا باضابطہ اعلان ہوا اور سب اپنی الاٹمنٹ کے مطابق تینوں خیموں میں چلے گئے۔ سلیپنگ بیگ میں سونا بھی کمال فن کو چاہتا ہے کیونکہ کروٹوں سے اجتناب لازم ٹھہرتا ہے۔ بہرحال رات کٹ گئی۔ تاہم بعض حاضرین کو رات کی سردی نے خوب لطف دیا۔

صبح پونے چھ بجے بیداری کے نعرے بلند ہوئے۔ اسی کنویں پر احباب نے ایک ایک کر کے وضو کیا۔ باجماعت نماز فجر ادا کی چاروں طرف دھند پھیلی ہوئی تھی۔ اتنے میں خیموں کو دیکھا تو Fly Sheet پر ہلکی برف کی تہہ تھی۔ "کہرا" دیکھ کر سردی کی شدت کا احساس دوچند ہو گیا۔ چولہا جلایا گیا اور ناشتہ

تیار ہوا۔ ڈبل روٹی کے توس اور جیم مارملیڈ۔ چائے کا ایک کپ پی چکے تھے کہ ڈرائیور حضرات مسکراتے ہوئے کچھ زائد دودھ لے آئے۔ جس پر ایک کپ اضافی پیش خدمت کیا گیا۔ اس سارے عرصہ میں سورج نمودار ہو چکا تھا۔ نظارہ اس وقت دیدنی تھا۔ دھند چھٹ گئی تھی لیکن جھیل پر دھند ابھی باقی تھی۔ جسم کو گرمی ملی تو جلد جلد سامان کی پیکنگ شروع ہو گئی۔ سامان کی ترسیل کے لئے رات والے فارمولے پر ہی عمل کیا گیا۔ سب نے اس وقار عمل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ قصہ مختصر 8 بجے ہم وہاں سے نکل پڑے تھے۔ گاڑیوں کی چھتوں پر بھی برف کی تہہ تھی۔ اس قلیل برف کو جمع کر کے ایک گولا بھی بنایا گیا۔ بہرحال ہم اوچھالی جھیل سے جدا ہو رہے تھے۔ سڑک کے ساتھ ساتھ جھیل دور تک ہمیں الوداع کہنے آئی۔ یہ جھیل مرغابیوں کے شکار کیلئے بھی مشہور ہے۔ گرچہ اب حکومت کی طرف سے شکار پر پابندی ہے لیکن یار دوست کوئی صورت نکال ہی لیتے ہیں۔

ہماری اگلی منزل نخلہ' جابہ تھی۔ نوشہرہ سے ہم نے راستہ تبدیل کیا اور کھبکی کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ راستہ بہت خوبصورت ہے۔ پہاڑوں کے دلچسپ و عجیب نقوش و نقشے اور پھیلا ہوا سبزہ۔ فضل خدا سے مطلع اس دن بھی صاف تھا اور سونے سی چمکتی دھوپ تھی۔ بائیں جانب کھبکی جھیل نے سب کی نظروں کو کھینچا۔ رقبہ میں یہ اوچھالی جھیل جتنی ہی رہی ہوگی۔ پرندوں کے غول وہاں نسبتاً زیادہ تعداد میں تھے۔ نیلی سطح پر جھلمل کرتی کرنوں سے اس کا حسن اور نمایاں ہو رہا تھا۔ جی تو چاہا کہ اس جھیل سے بھی کچھ حصہ لیا جائے لیکن بباعث تنگی وقت ممکن نہ ہوا۔ قریباً نو بجے ہم جابہ پہنچ گئے۔ آبادی سے ذرا ہٹ کر گاڑیاں پارک کی گئیں۔ یہاں سے ہمیں پیدل نخلہ تک جانا تھا۔ ہم پہاڑیوں میں چلتے اپنی منزل پہ پہنچے۔ ہماری نگاہیں ایک مختصر وادی میں پھیلے آثار پر جمی تھیں۔ مکرم سید قمر سلیمان صاحب نے بتایا کہ "حضرت مصلح موعود" گرمیوں میں یہاں تشریف لایا کرتے تھے۔ یہ بات ہوگی کوئی ۱۹۵۰ء کی دہائی کے نصف آخر سے لیکر ۱۹۶۰ء کی دہائی کے اوائل کی۔ "تفسیر صغیر" پر اکثر کام آپ نے یہیں پر کیا۔ پورا شہر بس جاتا تھا۔ وہ سامنے بیت الذکر ہے۔" ہم ٹیلے سے نیچے اترے۔ بیت الذکر میں محراب کی طرف رخ رکھتے ہوئے مکرم سید قمر سلیمان صاحب نے بتایا کہ "دائیں ہاتھ کی عمارت میں حضور اور آپ کا خاندان ٹھہرا کرتا تھا۔ اس کے ساتھ جو کمرے ہیں وہ مہمان خانہ تھا۔ ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحب جب یہاں آکر ٹھہرتے تھے تو ایک چھوٹا سا ہسپتال چلتا تھا۔ پیچھے دائیں طرف کا باغ میاں منور احمد صاحب نے آباد کیا تھا۔ یہ درخت انہوں نے ہی لگوائے تھے۔ اس پہاڑی کو شملہ پہاڑی کا نام دے رکھا تھا۔ پھولوں کے قطعے اگائے گئے تھے اور پتھروں کے بینچ تھے۔ حضور کبھی کبھار شام کو ان بینچوں پر تشریف رکھا کرتے تھے۔"

ہم سب ہمہ تن گوش تھے۔ وہ فضا مقدس تھی اور سارا ماحول ہمیں تصور میں محسوس ہوتا تھا۔

"حضرت خلیفۃ المسیح الثالث بھی یہاں کچھ دیر تشریف لاتے رہے۔ پھر بعض وجوہات کی بناء پر یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکا۔ حضرت مصلح موعود کے ساتھ آنے والوں میں میں بھی تھا۔ ایک کم عمر بچہ جس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے۔ یہاں پانی کا انتظام نہ تھا اور جیپ پانی لے کر اس راستہ سے آتی تھی۔ اور ہم جیپ کے پیچھے پیچھے دوڑتے چلے جاتے تھے۔ پہاڑی کے پیچھے تحریک جدید اور انجمن احمدیہ کے گیسٹ ہاؤس تھے جہاں وکلا اور ناظران آکر ٹھہرا کرتے تھے۔ گیسٹ ہاؤسز کے قریب جنریٹر روم تھا۔ جنریٹر کی گڑگڑ اب بھی کانوں میں سنائی دیتی ہے۔" (یہ ساری باتیں سید قمر سلیمان صاحب بتا رہے تھے)

ہم ایک ایک کر کے ان جگہوں کو دیکھتے رہے جہاں خدا کے ایک برگزیدہ کی یادیں وابستہ تھیں۔ میر قمر سلیمان صاحب دم بدم ہماری معلومات میں اضافہ کرتے رہے۔ شملہ پہاڑی پر پتھر کے بینچ کے آثار ابھی قائم تھے۔ ڈھانچہ تو ابھی موجود تھا۔

جانے رہنے والے کہاں چلے گئے تھے۔ ان کا اثر وہیں تھا۔ نخلہ کا وقت ایک متاثر کن وقت تھا اور اس جگہ کا سحراب تک دلوں پر قائم ہے۔

جابہ سے پیل، پدھڑاڑ سے ہوتے ہم کلر کہار پہنچے۔ ویگن کی بیٹری کا کوئی مسئلہ آن کھڑا ہوا۔ ہمیں جھیل پر اتار کر ایک پارٹی درستگی کیلئے چلی گئی۔ کلر کہار میں قیام مختصر تھا۔ وہیں کنٹین پر چائے پی اور نیچے جھیل تک گئے۔ جھیل کے اندر کچھ دور تک پختہ راستہ بنایا گیا ہے جو اب بوجہ حکومتی اداروں کی عدم توجہگی کے مائل بانحطاط ہے۔ وہاں کا لطف کشتی رانی ہے یا جھولے۔ ہم کہ اکثر عمر کے اس حصہ میں تھے جب کہ یہ شوق جاتے رہتے ہیں۔ اس لئے یونہی لوٹ آئے۔

کلر کہار سے اگلی منزل کھیوڑہ تھی۔ یہ راستہ بھی خوبصورت ہے لیکن سڑک کی حالت یہاں خراب ہے۔ چک خوشی، دوالمیال سے ہوتے کٹاس کے قلعہ پر کچھ دیر رکے۔ کٹاس میں سامنے پہاڑوں میں غار نظر آئے جہاں ہندو سادھو دھونی رما بیٹھ رہتے تھے۔ وہاں کے تالاب میں وہ اشنان جیسی مذہبی رسوم ادا کیا کرتے تھے۔ کٹاس کا قلعہ دن بدن شکستہ ہوتا جاتا ہے ہم بھی اس ڈر سے اندر نہیں گئے کہ کہیں اس عاجز کے بوجھ سے کوئی کینگرہ زمین بوس اور ہم زمین دوز نہ ہو جاویں۔

کٹاس سے نکل کر سڑک نے کچھ بل کھائے اور ہم حسین وادی نما شہر چوآسیدنشاہ سے گزرے۔ پھر نیچے ICI کی فیکٹری واقع کھیوڑہ کا بڑا تالاب نظر آیا۔ سڑک گھومتی گھماتی ہمیں کھیوڑہ تک بھی لے آئی۔ جمعہ کی نماز کی ادائیگی اور دوپہر کے کھانے سے فراغت کے بعد ہم تازہ دم تھے کہ کھیوڑہ کی کان نمک دیکھی جاسکے۔ کھیوڑہ کی کان دنیا بھر میں نمک کی دوسری بڑی کان ہے۔ قبل مسیح میں یہاں سے نمک نکالنے کا کام جاری ہوا تھا۔ اب بھی نمک نکلتا ہے اور جانے کب تک یہ سلسلہ چلے گا۔ عموماً کان میں جانا خطرہ سے خالی نہیں ہوتا بالخصوص کوئلے کی کان میں۔ لیکن نمک کی کان محفوظ ہوتی ہے۔ ویسے بھی یہ کان ایک پہاڑ تلے وسیع علاقہ پر پھیلی ہے۔ اس لئے ہم سب بخوشی اندر داخل ہو رہے تھے۔ ہمارے گائیڈ نے بتانا شروع کیا۔

"جس راستہ سے ہم داخل ہو رہے ہیں اس کے نیچے گیارہ منزلیں ہیں اور اوپر پانچ منزلیں۔ ان منزلوں سے وقتاً فوقتاً نمک نکالا جاتا رہا ہے۔ آئی سمجھ نا۔" "ہر پچاس فٹ کے کمرہ سے نمک نکال کر پنتیس فٹ کا راستہ ہر منزل میں رکھا جاتا ہے تاکہ پہاڑ قائم رہے۔ آئی سمجھ نا"۔ کئی جگہ سے پانی نکل آتا ہے وہاں سے کٹائی بند کر دیتے ہیں۔ "آئی سمجھ نا۔" اور باتوں کے سوا ہمیں یہ بھی سمجھ آئی کہ گائیڈ کا تکیہ کلام "آئی سمجھ نا" تھا۔

لوگوں کی توجہ کو کھینچنے کیلئے کان میں مختلف جگہوں کے دلچسپ نام رکھے گئے ہیں۔ جیسے مال روڈ، چاندنی چوک، شیش محل، اسمبلی ہال وغیرہ۔ نمک کی کئی اقسام کی اینٹیں تراش کر ایک دیدہ زیب مسجد تیار کی گئی ہے۔ قمقموں کی روشنی جب ان اینٹوں سے چھن کر آتی ہے تو کئی رنگ دکھائی دیتے ہیں۔ نمک ملے پانی کے قطروں نے جم کر نت نئے نقش و نگار بنا دیئے ہیں۔ غرضیکہ ہمارا سفر جاری رہا ایک مخصوص وقفہ کے بعد "آئی سمجھ نا" کی آواز بلند ہوتی رہی۔

قدرت کے رنگ عجیب ہیں۔ کان چونکہ پہاڑ کے بیچ ہے اس لئے گرمیوں میں ٹھنڈی رہتی ہے اور سردیوں میں ہم نے اسے گرم پایا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد جیکٹیں ہاتھوں میں آ گئیں۔ ہم نمک کی اقسام ملاحظہ کرتے رہے۔ نمک یہاں سے باہر کے ملکوں میں بھی جاتا ہے۔ نمک کے بڑے بڑے پتھروں کی ترسیل کے لئے ایک چھوٹی مال گاڑی استعمال ہوتی ہے جس راستہ سے ہم گزرے اس کے درمیان میں گاڑی کا ٹریک چلتا ہے۔ واپسی پر ہماری اس گاڑی سے مڈبھیڑ بھی ہوئی۔ وہاں نمک کے پانی کے گہرے تالاب تھے جن کی گہرائی ۸۰ فٹ، ۱۰۰ فٹ، ۱۳۵ فٹ تک بھی ہے۔ "آئی سمجھ نا" ہم قریباً گھنٹہ بھر نمک کی کان سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ کھیوڑہ سے ہماری واپسی کی دوڑ شروع ہوئی۔ شیڈول کے مطابق حضور انور کا خطبہ

بقیہ صفحہ........ پر

دفتر خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ کی بالائی منزل کا افتتاح (27 مئی 1999ء)
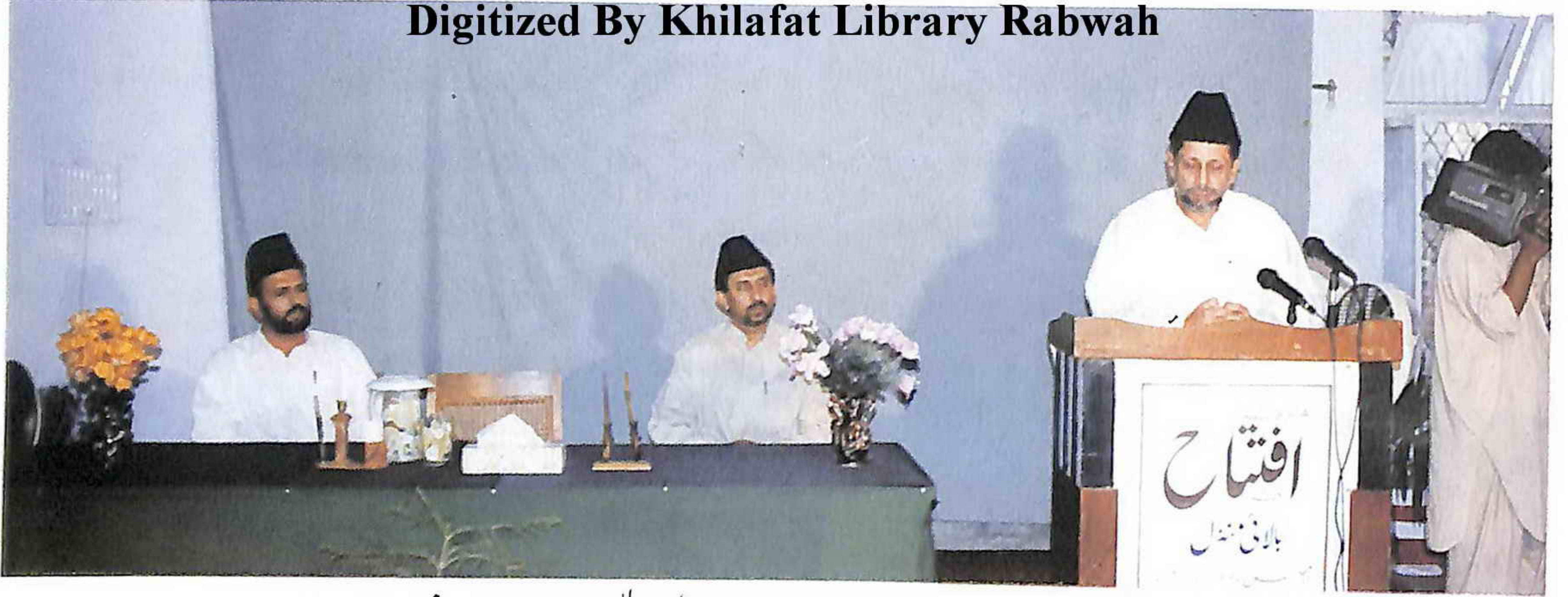
محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ افتتاحی خطاب فرماتے ہوئے۔

افتتاحی تقریب کے شرکاء

دفتر کی عمارت

ربنا تقبل منا "مرکز عطیہ خون" ربوہ کی عمارت کا سنگِ بنیاد
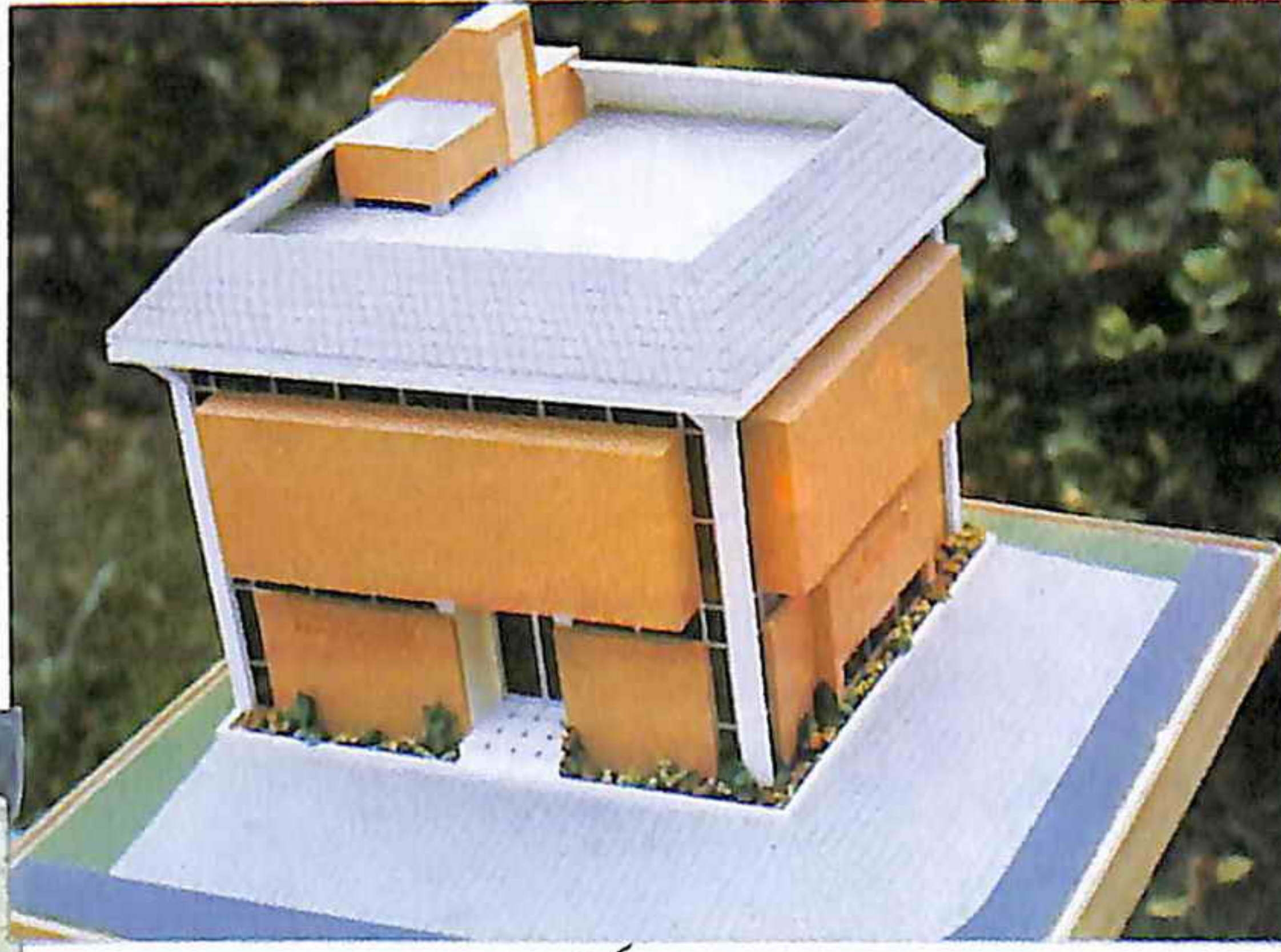
مرکز کا ماڈل
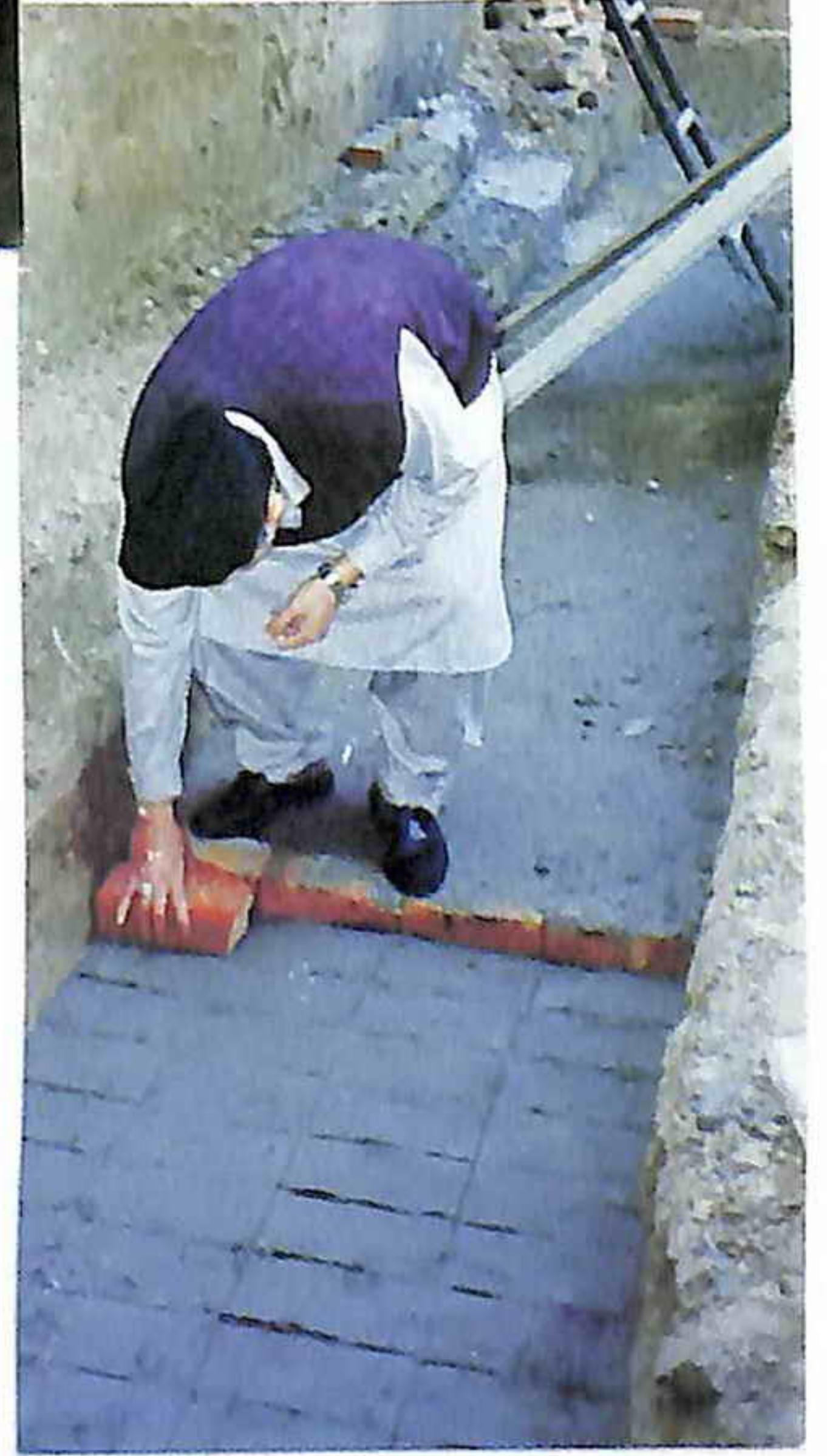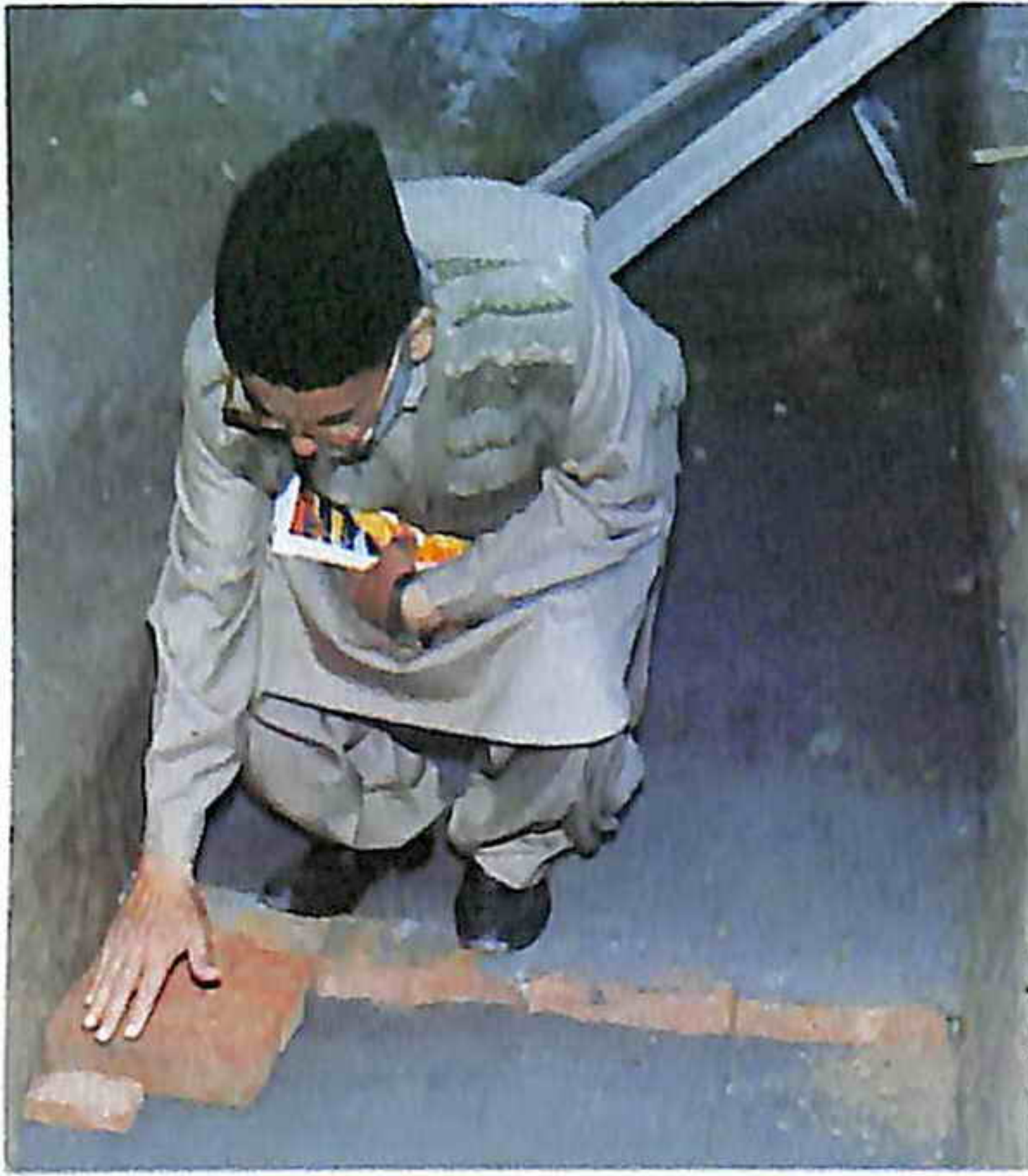
محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ

محترم سید محمود احمد صاحب ناصر پرنسپل جامعہ احمدیہ

محترم راجہ منیر احمد خان صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان
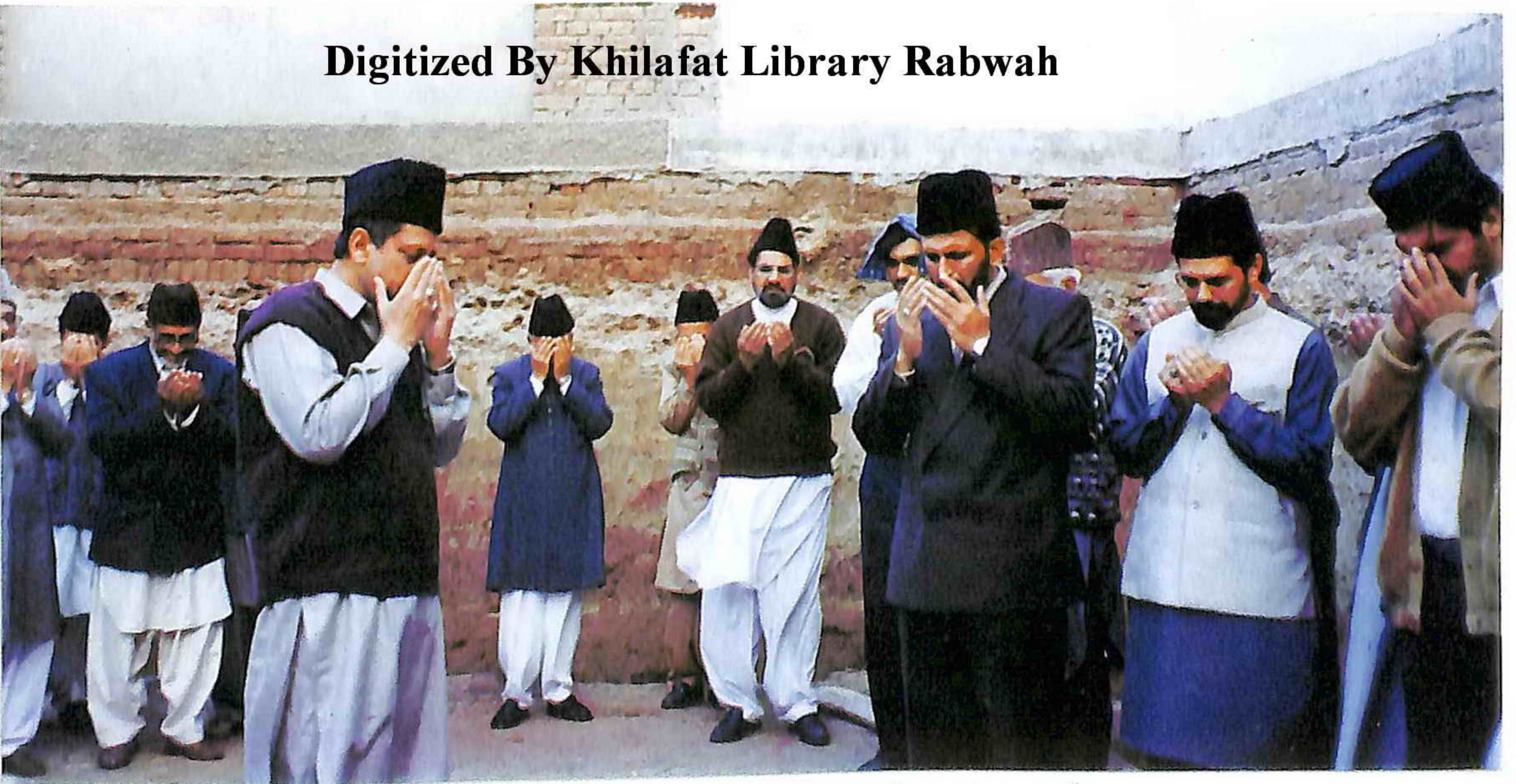
سنگِ بنیاد کے بعد محترم امیر صاحب مقامی دعا کرواتے ہوئے

خدمتِ خلق

بلڈ بینک ۔۔۔ ایک تعارف

(مکرم ڈاکٹر محمد احمد اشرف صاحب ۔ نائب صدر)

دوسروں کی تکلیف کا احساس اور اسے دور کرنے کی کوشش کرنا جماعت احمدیہ کا شعار رہا ہے۔ انسانی ہمدردی کے اسی جذبہ کے تحت ضرورتمند افراد کو اپنے جسم کا خون مہیا کرنا ایک نہایت گراں قدر خدمت ہے۔ مجلس خدام الاحمدیہ نوجوانوں میں اسی جذبہ کو اجاگر کرتے ہوئے بلاامتیاز ہر ضرورت مند شخص کی ضرورت پوری کرنے کی ہمیشہ تحریک اور جدوجہد کرتی رہی ہے۔ اور احمدی نوجوان خدا تعالیٰ کے فضل سے اس میدان میں کئی لحاظ سے شاندار خدمات کی توفیق پاتے رہے ہیں۔ خون کا عطیہ پیش کرنے کے لئے بیشتر صحت مند خدام ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ کچھ خدام شعبہ خدمت خلق کے تحت خدام کی بلڈ گروپنگ کرنے میں تعاون کرتے ہیں تو بعض خدام گروپنگ کے بعد تمام کوائف کو محفوظ اور up to date رکھنے کیلئے کام کرتے ہیں۔ بعض خدام ضرورت پڑنے پر ان کوائف کی مدد سے موزوں خدام کی تلاش اور عطیہ خون کے لئے ضروری تیاری میں مدد دیتے ہیں۔ پھر کچھ خدام عطیہ خون سے پہلے ضروری ٹیسٹوں اور دیگر امور کی انجام دہی میں خدمت کی توفیق پاتے ہیں۔ غرض خدام احمدیت کی ایک بہت بڑی تعداد اس خدمت کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتی ہے۔

مرکز سلسلہ اور اس کے گردونواح میں اس کام کی وسعت کے پیش نظر اس خدمت کو منظم کرنے کے لئے مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے ۲۰ جولائی ۱۹۹۴ء کو احاطہ بیت المہدی گولبازار ربوہ میں "مرکز عطیہ خون" قائم کیا۔ یہاں تمام ضروری آلات اور دیگر سامان کے ساتھ ساتھ ٹیلی فون کی سہولت بھی مہیا کی گئی۔ تجربہ کار لیبارٹری ٹیکنیشنز کی خدمات حاصل کی گئیں۔ محترم چوہدری حمید اللہ صاحب وکیل اعلیٰ تحریک جدید نے اجتماعی دعا سے اس کا افتتاح فرمایا۔ اس کے قیام پر پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی طرف سے اظہار خوشنودی پر مشتمل ایک خط محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے نام موصول ہوا جس میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"بلڈ بینک کھولنے کی مساعی قابل ستائش ہے۔ الحمدللہ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ اللہ تعالیٰ خدام کو اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق بخشے اور فضل عمر ہسپتال کے مریض اس کام سے فائدہ اٹھائیں۔ تمام کارکنان کو سلام"

مرکز عطیہ خون کے باقاعدہ قیام کے بعد پہلے دو ہفتوں ہی میں ربوہ کے نواح میں بسوں کے دو خوفناک حادثات ہونے پر اس مرکز کو

غیر معمولی خدمت کی توفیق ملی اور اس کے بعد بھی روز مرہ کے آپریشنز اور ضروریات کے علاوہ متعدد حادثات اور دیگر ہنگامی مواقع پر مرکز عطیہ خون کے پلیٹ فارم سے نہ صرف عطیہ خون کی فوری فراہمی بلکہ ضرورت مندوں کی خدمت کے دیگر کاموں کو بھی نہایت منظم طریق سے سرانجام دیا گیا۔

اس عرصہ میں 2250 سے زائد ضرورت مند افراد کی خون کی ضرورت پوری کی گئی۔ ان میں سے قریباً 900 افراد غیر از جماعت تھے۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ کے علاوہ بیرون ربوہ سے بھی کثیر تعداد میں لوگوں نے اس مرکز سے استفادہ کیا ہے۔ قریبی مقامات پر بھی ضرورت پیش آنے پر یہاں سے بلڈ بیگز اور رضاکار ڈونر خدام بھجوائے جاتے رہے ہیں۔

فضل عمر ہسپتال ربوہ کے ایڈمنسٹریٹر محترم کرنل ڈاکٹر محمد عبدالخالق صاحب نے مورخہ 2 نومبر 1996ء کو ایک تقریب میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ مرکز عطیہ خون کی طرف سے ہسپتال کے مریضوں کی ہر ممکن فوری مدد کا انتظام نہایت تسلی بخش رہا ہے۔ فضل عمر ہسپتال ربوہ کے شعبہ سرجری کے سربراہ محترم ڈاکٹر صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب نے فرمایا کہ خدمت خلق کے اس کام میں بجا طور پر وسعت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

شعبہ گائناکالوجی و آبسٹیٹرکس کی سربراہ محترمہ ڈاکٹر نصرت جہاں صاحبہ نے مرکز عطیہ خون کی خدمات کے حوالے سے جذبات تشکر کا اظہار محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے نام ایک خط میں کچھ یوں فرمایا۔

"خدام الاحمدیہ کی یہ سروس فضل عمر ہسپتال اور خصوصاً خاکسارہ کے شعبہ کے لئے ایک نعمت ہے۔ آپ کا عملہ اخلاص کے ساتھ تعاون کرتا ہے۔ بعض دفعہ انتہائی نامساعد حالات میں ایک سیریس کیس آجاتا ہے اور حقیقت میں زندگی اور موت کی کشمکش دوچار ہوتی ہے ایسے میں آپ کے عملے کی بروقت امداد اور معاونت سے بہت حوصلہ ہوتا ہے۔ ان سب کے لئے دل سے دعا نکلتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کی مساعی کو کامیابیوں سے ہمکنار رکھے اور مقبول خدمات کی توفیق دیتا چلا جائے۔" آمین

نظارت امور عامہ کے ایک کارکن مکرم حافظ محمد یقین صاحب کے ایک بچے کو ایک عارضہ کی بناء پر بچپن ہی سے وقتاً فوقتاً نیا خون مہیا کرنا پڑتا ہے۔ اس بارہ میں محترم ملک خالد مسعود صاحب ناظر امور عامہ نے ایک خط میں تحریر فرمایا۔

"مرکز عطیہ خون نے اس سلسلہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کا بھلا کرے اور احسن جزا عطا فرمائے۔"

ربوہ سے باہر کی بلڈ ڈونر سوسائٹیوں کو جب ربوہ کے بلڈ بنک اور اس کے کام سے تعارف حاصل ہوتا ہے تو وہ باقاعدہ ڈونرز کی تعداد اور ایمرجنسی میں خون کے حصول کے انتظام پر نہایت حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے کہ جہاں تک انسانی کوششیں ساتھ دیتی ہیں خون کی فراہمی میں خدا تعالیٰ کے فضل سے کبھی تعطل نہیں آیا اور ایسے واقعات محض ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں ہیں کہ محض بروقت خون کی فراہمی نئی زندگی دینے کا سبب بن گئی۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ مرکز عطیہ خون میں خون کا عطیہ پیش کرنے والے تمام افراد کی فری بلڈ گروپنگ کی جاتی ہے۔ خون کا عطیہ پیش کرنے سے پہلے ڈونر کے ضروری ٹیسٹوں کا بھی انتظام ہے تاکسی بیماری وغیرہ کی صورت میں نہ تو ڈونر کو کوئی تکلیف ہو نہ ہی وہ بیمار خون بلڈ بنک میں رکھا جائے اور نہ ہی وہ کسی مریض کے لئے استعمال ہو سکے۔ خدام کی بلڈ گروپنگ کرنے کے لئے محلہ جات میں بھی کیمپس منعقد کئے جاتے رہے ہیں اور ان کا ریکارڈ up to date رکھنے کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔ غیر ضروری طور پر حتی الوسع خدام کو Bleed کروانے سے بچا جاتا ہے تاکہ Fresh Blood مہیا ہوتا رہے اور نہایت قیمتی خون کا کوئی ایک بیگ بھی ضائع نہ ہونے پائے۔

تمام انتظامات کم سے کم اخراجات کے اندر رہتے ہوئے لیکن ہر

ممکنہ حد تک معیاری کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مستحق افراد کو یہ سہولت مکمل طور پر فری فراہم کی جاتی ہے یہاں تک کہ بعض افراد کو تو Blood Bags بھی بازار سے خرید کر مفت مہیا کئے جاتے ہیں۔ جب کہ اکثر کو رعائتی ٹسٹ چارجز پر یہ سہولت مہیا کی جاتی ہے۔

مرکز عطیہ خون کی تمام تر کارکردگی کی ماہوار جائزہ رپورٹ تیار کی جاتی ہے اور تمام ضروری ریکارڈ محفوظ کیا جاتا ہے۔

جملہ انتظامات کی نگرانی کے لئے محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کی منظوری سے ہر سال ایک مرکزی کمیٹی مقرر کی جاتی ہے جس میں کم از کم دو ڈاکٹرز شامل کئے جاتے ہیں۔ کمیٹی کے صدر کے طور پر خاکسار کو خدمت کی سعادت حاصل ہے۔ جب کہ سیکرٹری کمیٹی کے فرائض پہلے مکرم ڈاکٹر گلزار احمد صاحب اور اب مکرم ڈاکٹر سمیع الاحمد صاحب سرانجام دے رہے ہیں۔ مکرم قمر احمد کوثر صاحب مہتمم مقامی، مکرم راجہ رفیق احمد صاحب مہتمم مال اور مکرم مجد الدین مجد صاحب معاون صدر اس کمیٹی کے ممبرز ہیں۔ کمیٹی کے ایک اور فعال ممبر ایڈیشنل ناظم خدمت خلق ربوہ مکرم انوار احمد خان صاحب ہیں جو ایک لمبے عرصے سے اس سلسلہ میں خدمت کی توفیق پا رہے ہیں۔

اس دوران حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس خدمت پر خوشنودی اور دعاؤں کے خطوط موصول ہوتے رہے ہیں۔ جس کے لئے ہم دل کی گہرائیوں سے اپنے پیارے آقا کے شکر گزار ہیں۔

پیارے آقا کی دعاؤں اور شفقت سے مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو احاطہ ایوان محمود میں اس کار خیر کے لئے ایک مستقل عمارت تعمیر کرنے کی توفیق حاصل ہوئی ہے۔

اس عمارت کا سنگ بنیاد مورخہ ۸ مارچ ۱۹۹۹ء کو محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب امیر مقامی و ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ نے اجتماعی دعا کے ساتھ رکھا۔

یہ عمارت احاطہ ایوان محمود کے جنوب مشرقی کونہ میں تعمیر کی گئی ہے۔ مرکزی دفاتر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے قرب میں اس کا واقع ہونا نہ صرف مجلس کے قیام کے بہت بڑے مقصد خدمت خلق کی طرف پیش قدمی کا ایک عملی اظہار ہے بلکہ خاص طور پر احمدی نوجوانوں کے لئے خدمت خلق کے ایک منظم پلیٹ فارم کے ذریعہ اس میدان میں آگے بڑھنے کی ایک مسلسل تحریک بھی ہے۔

فضل عمر ہسپتال کے قریب ہونے کی بناء پر ہسپتال میں داخل مریضوں کے لئے یہ بہت آسانی کا موجب ہے پھر شہر کے قریباً وسط میں دو بڑی سڑکوں اقصیٰ روڈ اور یادگار روڈ کے سنگم پر ایک معروف مقام پر اس کا واقع ہونا اہل ربوہ کے لئے نہایت سہولت کا باعث ہے۔ نیز ریلوے سٹیشن اور بس سٹاپ کے قریباً درمیان میں ہونے کی وجہ سے بیرون ربوہ کے احباب بھی آسانی سے یہاں پہنچ سکتے ہیں۔

یہ عمارت صرف موجودہ ہی نہیں بلکہ آئندہ کئی سالوں کی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے تعمیر کی گئی ہے۔ تہہ خانے سمیت اس کی تین منزلیں ہیں۔ عمارت کا مین دروازہ نسبتاً کشادہ اور کم مصروف سڑک یادگار روڈ پر کھلتا ہے۔ عمارت میں داخل ہوتے ہی لاؤنج شروع ہو جاتا ہے جہاں سامنے استقبالیہ کاؤنٹر بنایا گیا ہے۔ بائیں طرف جس کے قریب آرام دہ سیٹوں پر ۸، ۱۰ افراد کے بیٹھنے کی گنجائش ہے۔ بلڈ اور ٹیسٹوں کے نتائج کا انتظار کرنے والے احباب یہاں بیٹھے ٹیلی ویژن پر ایم ٹی اے کی نشریات سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ نیز ان کی معلومات میں اضافہ کے لئے مختلف معلوماتی مواد کئی شکلوں میں یہاں مہیا کیا گیا ہے۔ بعض تحریروں سے آنے والوں کو خود بھی خون کا عطیہ دینے کی تحریک ہوتی ہے۔

مین گیٹ کے دائیں طرف ایڈمنسٹریشن آفس ہے جس کے بالکل ساتھ ہی Bleeding Area ہے جہاں نظامت خدمت خلق مجلس مقامی ربوہ کے ایڈیشنل ناظم اور ان کے معاونین عطیہ خون پیش کرنے والے خدام کے ساتھ مصروف عمل رہتے ہیں۔ یہاں دو Couches پر بیک وقت دو ڈونرز سے عطیہ خون لینے کی سہولت

موجود ہے۔ Bleeding Area کے ساتھ لیبارٹری ہے جہاں انتقالِ خون سے پہلے خون کے ضروری ٹیسٹ کئے جاتے ہیں۔ یہاں ایک ریفریجریٹر میں خون کے مختلف بیگز محفوظ رکھے جاتے ہیں اور دروازہ شیشہ کا ہونے کے باعث خاص درجہ حرارت پر ریفریجریٹر کھولے بغیر ہی مختلف گروپس کے بلڈ بیگز کی موجودگی کا علم ہو جاتا ہے۔

ڈونرز کی حوصلہ افزائی کیلئے موسم کی مناسبت سے گرم یا ٹھنڈے دودھ، چائے یا جوس وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ایک کچن بھی گراؤنڈ فلور پر بنایا گیا ہے۔ گراؤنڈ فلور پر ایک بیت الخلاء بھی موجود ہے۔ لیبارٹری کے بائیں طرف اوپر اور نیچے جانے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔ تہہ خانے میں بھی لکڑی اور شیشے کے ذریعہ Partition کر کے مختلف Cabins بنا دیئے گئے ہیں جہاں ایک جانب کمپیوٹر اور ریکارڈ روم ہے۔ ادویات اور دیگر ضروری آلات کے لئے ایک کیبن مخصوص ہے۔ اسی طرح ایک کیبن میں آئندہ سالوں میں بلڈ بنک کے استعمال میں آنے والے نئے آلات کے لئے جگہ فراہم کی گئی ہے۔

فرسٹ فلور پر ایک کشادہ میٹنگ ہال ہے جہاں انتظامیہ کمیٹی اور نظامت خدمت خلق کے کارکنان وقتاً فوقتاً میٹنگز کر سکتے ہیں۔ نیز حفظانِ صحت اور عطیہ خون کی تحریک وغیرہ کیلئے مختلف لیکچرز وغیرہ کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ایک کمرہ Rest Room کے طور پر بنایا گیا ہے جہاں لمبے وقت کے لئے کام کرنے والے کچھ دیر کے لئے آرام کر سکتے ہیں۔ نیز ہنگامی صورت میں زیادہ بلڈ کی ضرورت پیش آنے پر یہاں بھی خدام سے خون کا عطیہ لیا جا سکتا ہے۔ اس منزل پر بھی ایک بیت الخلاء بنایا گیا ہے۔

فرسٹ فلور سے چھت پر سیڑھیوں کے ذریعہ جایا جا سکتا ہے۔ لیکن چھت پر لے کر جانے والا دروازہ اور گراؤنڈ فلور سے ایوان محمود کی طرف جانے والا دروازہ مقفل رہتا ہے۔ بلڈ بینک کے مختلف فلور اور شعبہ جات میں باہمی فوری رابطہ کے لئے انٹرکام سسٹم بھی قائم کیا گیا ہے۔ بجلی کی رو میں تعطل کی صورت میں Convertor موجود ہے۔ اسی طرح ایوان محمود سے جنریٹر کا کنکشن بھی مہیا کیا گیا ہے۔

اِس نہایت خوبصورت عمارت کا نقشہ آرکیٹیکٹ مکرم پروفیسر محمد طارق صاحب نے بہت محنت سے تیار کیا ہے۔ صرف نقشے کی تیاری ہی نہیں بلکہ آپ تعمیراتی کاموں کی مختلف مرحلہ پر نگرانی راہنمائی اور حسبِ ضرورت ہر ممکن مدد نہایت محبت اور اخلاص سے کرتے رہے۔ نقشے کی ایک انفرادیت اور خوبصورتی یہ ہے کہ بہت کم جگہ پر زیادہ سے زیادہ Activity کے لئے ہر ممکن حد تک کھلی Space مہیا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی بناء پر سول انجینئر مکرم محمد عارف صاحب اور مکرم طاہر سعید صاحب کو اس کے Structure کی تیاری میں کافی محنت کرنا پڑی اور پھر تعمیر کا مرحلہ بھی اس وجہ سے معمول سے زیادہ محنت طلب تھا لیکن ٹھیکیدار مکرم ولی محمد صاحب اور مکرم محمد عتیق صاحب کے تعاون سے خدا تعالیٰ کے فضل سے یہ بھی بخیر و خوبی مکمل ہوا۔

تعمیر کی تفصیلی منصوبہ بندی، موزوں تعمیراتی سامان کا انتخاب، اس کی خریداری، بحفاظت ترسیل، جائے تعمیر پر پہنچنے کے بعد اس کی چیکنگ، حفاظت اور استعمال، بلوں کی منظوری اور ادائیگی، تعمیراتی کاموں کی نگرانی، کارکنان کی حوصلہ افزائی، اچھے کاریگروں سے رابطہ اور ان سے تعاون کا حصول جیسے بے شمار کاموں کی سرانجام دہی واقعتاً بہت مشکل تھی لیکن محض خدا تعالیٰ کے فضل سے نہ صرف ربوہ بلکہ لاہور، کراچی اور فیصل آباد سے بھی ایسے تعاون کرنے والے خدام میسر آتے رہے جن کی مدد سے ایسے سارے امور ساتھ ساتھ مکمل کئے جاتے رہے۔ صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان محترم راجہ منیر احمد خان صاحب جملہ کاموں کی بنفسِ نفیس نگرانی فرماتے رہے۔ ان کی سرپرستی اور راہنمائی قدم قدم پر ہمیں حاصل رہی۔ اراکین کمیٹی کے علاوہ معتمد مجلس مکرم حافظ عبدالاعلیٰ صاحب اور محاسب مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب کا تعاون بھی شامل حال رہا۔

ادریس احمد صاحب، مکرم حافظ حفیظ الرحمٰن صاحب، مکرم طارق محمود ناصر صاحب اور مکرم عطاء العزیز صاحب تعمیراتی کاموں کی نگرانی کی ڈیوٹی ادا کرتے رہے۔

سول انجینئر مکرم محمد جمیل صاحب اور مکرم عطاء الحی صاحب اور اوورسئیر مکرم منظور احمد صاحب بھی وقتاً فوقتاً چیکنگ کر کے ہماری مدد کرتے رہے۔ اس کے علاوہ ان افراد کی فہرست نہایت طویل ہے جو مختلف مراحل پر نہایت اخلاص سے ہمارے ساتھ تعاون کرتے رہے اور ایسے احباب بھی جو اپنے قیمتی مشوروں اور دعاؤں سے ہماری مدد فرماتے رہے۔ اللہ تعالیٰ سبھی کو اپنے بے شمار فضلوں سے نوازتے ہوئے نہایت احسن جزا دے۔

اس تعمیر کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز کی منظوری سے اس عمارت کے اخراجات صرف چند مخیّر احباب جماعت نے نہایت خوشی کے ساتھ مہیا فرمائے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خاص فضلوں سے نوازتے ہوئے اجر عظیم عطا فرمائے۔

رب العزت کی بارگاہ میں عاجزانہ دعا ہے کہ وہ اس مرکز عطیہ خون کو ضرورتمند افراد کی فوری خدمت کا ایک مثالی مرکز بنا دے۔ بنی نوع انسان کی بے لوث خدمت کا یہ ذریعہ روز افزوں ترقی کی منازل طے کرتا ہے اور اس خدمت کو اپنے فضل سے شرف قبولیت بخشے۔ اس کی تعمیر و ترقی میں کسی نہ کسی رنگ میں حصہ لینے والے سب افراد، تمام کارکنان اور عطیہ خون پیش کرنے والے جملہ افراد کو اپنی رضا سے نوازے۔ اور ہم سب کو اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ از صفحہ 166

ہمیں اپنا طرہ امتیاز بنا لینا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کا بہت بہت شکریہ۔

(فجزاھم اللہ احسن الجزاء)

اس انٹرویو کا ایک حصہ تشحیذ الاذہان سالنامہ میں آچکا ہے۔ خالد میں تفصیلی انٹرویو پیش کیا جارہا ہے۔ تحریر و ترتیب کے لئے ہم برادرم فخر الحق شمس صاحب مدیر تشحیذ الاذہان کے ممنون ہیں۔

(فجزاہ اللہ احسن الجزاء)

بقیہ از صفحہ 184

جمعہ شاہ تاج شوگر ملز میں سنا۔ الحمدللہ۔ راستہ میں پنڈدادنخان اور جلالپور شریف کی آبادیاں آئیں۔ دریائے جہلم کے کنارے چلتے رسول بیراج سے دریا کراس کیا گیا۔ "لوئر جہلم" نہر نے ہمیں منڈی بہاؤالدین تک پہنچایا تھا۔ یہاں سے واپسی کا سفر صرف سفر ہی تھا۔ تھکاوٹ سب کے چہروں اور معمولات سے عیاں تھی۔ آدھے سے زیادہ لوگ سو رہے تھے۔ باقی اونگھ رہے تھے۔ یہ شکر ہے کہ ڈرائیور حضرات مستعد تھے۔ بہرحال چلتے چلتے رات ایک بجے کے قریب ربوہ واپس پہنچے۔ الحمدللہ

یوں یہ سفر اپنے اختتام کو پہنچا۔ ہمیشہ کی طرح خدا تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا۔ اور اب بھی اسی کی حمد کے گیت گاتے ہم ان دنوں کو یاد کرتے رہتے ہیں۔

دفتر خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ کی بالائی منزل کی نئی عمارت کا افتتاح

خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مورخہ 27 مئی 1999ء کو دفتر مجلس خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ کی بالائی منزل کا افتتاح عمل میں آیا۔ افتتاحی تقریب اسی نئی عمارت کے ہال میں شام سوا چھ بجے شروع ہوئی۔ جس کے مہمان خصوصی محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی تھے۔

تلاوت اور نظم کے بعد حاضرین کو مکرم فضل الرحمٰن ناصر صاحب نائب مہتمم مقامی نے اس عمارت کے کوائف سے مطلع کیا جس کے بعد محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے مختصر خطاب کے بعد افتتاحی دعا کروائی۔ بعد میں حاضرین کی ٹھنڈے مشروبات اور مٹھائی سے تواضع کی گئی۔

اس تقریب میں محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان، خدام الاحمدیہ کے سابق عہدیداران، مرکزی مجلس عاملہ مقامی کے علاوہ ربوہ سے کئی معزز مہمانوں نے شرکت کی۔

بالائی منزل کی اس نئی عمارت میں دو ہال جو بالترتیب 52x29 اور 27x16 اور ایک کچن اور دو باتھ شامل ہیں۔ نیز اس بالائی منزل کی چھت کے ارد گرد چار دیواری کر کے اس قابل بنایا گیا ہے کہ مختلف پروگرام اس میں منعقد کئے جا سکیں۔

دفتر خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ کی تعمیر کا سفر قیام ربوہ کے کچھ عرصہ بعد گولبازار بیت المہدی کے احاطہ میں مٹی کے بنے ہوئے ایک کمرہ سے شروع ہوا۔ وسائل کی کمی کے باوجود اس وقت کے عہدہ داروں نے بڑے استقلال سے کام کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو ثمر آور کیا اور اس موجودہ دفتر کی جگہ ایک پختہ کمرہ تعمیر کرنے کی توفیق ملی۔ آج سے تقریباً 22 سال قبل جب مکرم محمود احمد شاہد صاحب سابق صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان مہتمم مقامی تھے کے دور میں دفتر کے دو کمروں اور ایک برآمدہ پر مشتمل عمارت تعمیر کی گئی۔ لیکن یہ دفتر بھی مقامی کی ضروریات کیلئے ناکافی ثابت ہوا۔ پھر ۱۹۸۴ء کے دور ابتلاء کے بعد موجودہ دفتر کی عمارت خدا تعالیٰ کے افضال کا ایک نمونہ تھی۔

موجودہ دفتر کا سنگ بنیاد ۱۵ ستمبر ۱۹۸۷ء کو حضرت مولوی محمد حسین صاحب رفیق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے رکھا اور ۲۱ فروری ۱۹۸۸ء کو اس دفتر کی نچلی منزل کا افتتاح بھی حضرت مولوی محمد حسین صاحب نے ہی فرمایا۔ نچلی منزل کی تعمیر میں مکرم سید خالد احمد شاہ صاحب سابق مہتمم مقامی حال ناظر بیت المال آمد اور ان کی عاملہ کی کوششیں نہایت قابل قدر ہیں۔ جن کے دور میں یہ دفتر تعمیر ہوا۔ گذشتہ چند سالوں سے کام کی وسعت کے لحاظ سے موجودہ عمارت بھی ناکافی ہو چکی تھی۔ چنانچہ مجلس خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ نے اس دفتر کی بالائی منزل کی تعمیر کا پروگرام بنایا۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز نے از راہ شفقت اس تعمیر کیلئے فنڈ اکٹھا کرنے کی منظوری عطا فرمائی اور مورخہ یکم ستمبر ۱۹۹۸ء کو مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے اس بالائی منزل کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور قریباً آٹھ ماہ میں اس خوبصورت عمارت کی تکمیل ہوئی۔ محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان نے اس تعمیر میں ذاتی دلچسپی لی اور بارہا خود تشریف لا کر کام کا جائزہ بھی لیتے رہے۔ اور راہنمائی بھی فرماتے رہے۔ نیز مکرم قمر احمد صاحب کوثر مہتمم مقامی، زعماء، بلاک لیڈران، اور دیگر عہدیداران نے بھی بہت دلچسپی اور محبت سے اس کام میں حصہ لیا۔

جزاهم الله احسن الجزاء

اللہ تعالیٰ اس دفتر اور اس سے تعلق رکھنے والے تمام کارکنان سلسلہ کو اپنے منشاء کے مطابق دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سالانہ اجتماعات 1999ء

سالانہ اجتماع علاقہ بلوچستان
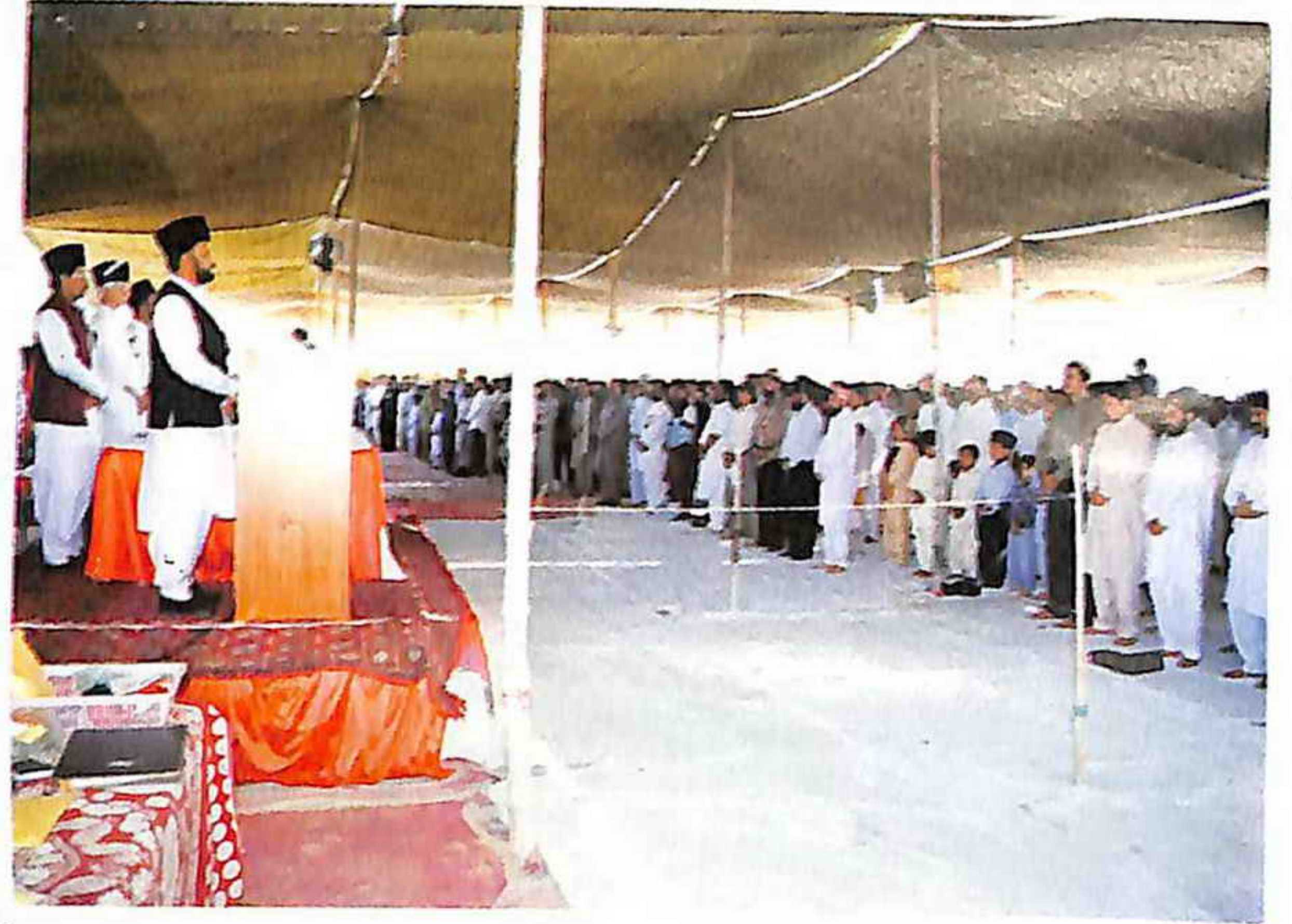
سالانہ اجتماع کراچی، کبڈی کا میچ

سالانہ اجتماع ضلع مظفر گڑھ

سالانہ صنعتی نمائش، اسلام آباد۔ امیر صاحب ضلع نمائش دیکھتے ہوئے

خلافت جوبلی علم انعامی 98-97ء حاصل کرنے والی مجلس دارالنور فیصل آباد ممبران عاملہ
محترم صدر صاحب مجلس اور امیر صاحب ضلع کے ساتھ

وقارِ عمل کے چند مناظر

اسلام آباد

سرگودھا

کھوسکی بدین

ٹاؤن شپ لاہور۔

مرد وہ ہے جو جفاکش ہو گل اندام نہ ہو

رپورٹ آل ربوہ سوئمنگ مقابلہ جات منعقدہ 28-29 جولائی 1999ء

مجلس خدام الاحمدیہ مقامی ربوہ تعاون مجلس صحت

مکرم قمر احمد کوثر صاحب مہتمم مقامی ربوہ

مقابلہ جات سے قبل انتظامیہ اور مختلف نگران مقابلہ جات کی میٹنگ بلوائی گئی جس میں تمام مقابلہ جات کے سلسلہ میں تفصیلی ہدایات باہم پہنچائی گئیں۔ نیز سرکلر کے ذریعہ تمام محلہ جات میں قبل از مقابلہ جات اطلاعات دی گئیں اور "روزنامہ الفضل" میں اعلان شائع کروا دیا گیا جس کے نتیجہ میں نہ صرف کھلاڑیوں کی شمولیت خوشکن رہی بلکہ شائقین کی ایک بھاری تعداد ان کو دیکھنے کے لئے دونوں دن بڑے ہی ذوق شوق سے حاضر ہوتی رہی۔

انتظامات

انتظامات میں سٹیج اور پول کے سارے ماحول کو مختلف رنگوں پر مشتمل جھنڈوں، رنگ برنگے کپڑوں اور بینر سے سجایا گیا پول میں Tracks بنوائے گئے جو خاص قسم کے Ropes سے تیار کردہ تھے۔ حسب ضرورت مہمانان گرامی کے لئے کرسیاں ترتیب سے رکھوائی گئیں۔

آغاز مقابلہ جات اور پہلا دن

مورخہ ۲۸ جولائی کو بعد نماز عصر مقابلہ جات کا آغاز ہوا۔ پہلے دن 14 مقابلہ جات ہوئے۔ ان میں انڈر 10 کا ایک 'انڈر 12 کا ایک' انڈر 14 کے تین' انڈر 16 کے چار اور اوپن میر ٹر پانچ مقابلہ جات ہوئے۔ ان میں بٹر فلائی' فری اسٹائل' بیک اسٹروک' بریسٹ اسٹروک شامل تھے۔ ان میں شامل ہونے والے خدام کی تعداد 24 اور اطفال کی تعداد 22 رہی جب کہ ٹوٹل یہ تعداد 46 تھی۔ تمام مقابلہ جات کے دوران معمولی وقفہ بھی دیا جاتا رہا۔

دوسرا دن اور اختتامی تقریب

مورخہ 29 جولائی بروز جمعرات بعد نماز عصر اختتامی مقابلہ جات کا آغاز 5:50 پر ہوا۔ ان کے آغاز سے بھی قبل شائقین کی ایک بڑی تعداد سٹیڈیم میں موجود تھی۔ دوسرے اور آخری دن کے مقابلہ جات کی تعداد 8 رہی۔ ان مقابلہ جات میں 2 نمائشی مقابلے ان کے علاوہ تھے۔ یہ مقابلہ جات نہایت نظم و ضبط سے کروائے گئے۔

مہمان گرامی اور تقریب تقسیم انعامات

اس تقریب کے مہمان خصوصی ناظم ارشاد وقف جدید مکرم و محترم مولوی اللہ بخش صاحب صادق تھے۔ تمام اختتامی مقابلہ جات ان کی موجودگی میں ہوئے۔ اختتامی تقریب سے کچھ دیر قبل مہمانوں کی خدمت میں مشروبات پیش کئے گئے۔ مقابلہ جات کے اختتام پر تقریب تقسیم انعامات کا آغاز ہوا۔ مقابلہ جات کا ایک طائرانہ جائزہ حاضرین کی خدمت میں رکھا گیا۔ بعد ازاں محترم مہمان خصوصی صاحب نے انعامات تقسیم کئے۔ ہر مقابلے میں پہلی تین پوزیشنز حاصل کرنے والے کھلاڑیوں کے علاوہ خصوصی انعامات بھی تقسیم کئے گئے جن کی تعداد 96 تھی۔ آخر پر محترم مہمان خصوصی نے اختتامی کلمات دعائیہ انداز میں پیش فرمائے اور اجتماعی دعا کروائی۔ جس پر یہ تقریب الحمدللہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوئی۔

دوران مقابلہ جات مہمانوں کی سہولت کے لئے سامنے بلیک بورڈ پر مقابلوں کے ایونٹ لکھے جاتے رہے۔ اسی طرح خصوصی ریفری صاحبان محترم منور لقمان صاحب اور محترم محمد عباس صاحب نے اپنی خاص دلچسپی سے یہ مقابلہ جات کروائے جن کے معاونین کے طور پر چار خدام بھی ان کے ساتھ رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پروگرام کا انعقاد ہر جہت سے مبارک فرمائے۔ آمین

شکریہ احباب

اس سالنامہ کی تیاری کے مختلف مراحل میں مختلف احباب نے تعاون فرمایا۔ ادارہ ان سب کا بے حد ممنون ہے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء خصوصاً مکرم ڈاکٹر ایس۔ اے اختر صاحب ڈیرہ غازیخان جن کی بھیجی ہوئی تصویر ٹائیٹل کی زینت بنی ہے۔ اس طرح تصاویر کیلئے ہم مکرم سلیم الدین صاحب، مکرم رفیق مبارک میر صاحب اور مکرم ڈاکٹر سلطان احمد مبشر صاحب کے بھی شکر گزار ہیں۔

مضامین کیلئے ان تمام مضمون نگار احباب کے شکر گزار ہیں جنہوں نے مضامین سالنامہ کے لئے بھیجے۔ اکثر احباب کے مضامین شائع ہوئے ہیں لیکن صفحات کی کمی کے باعث جن احباب کے مضامین شائع نہیں ہو سکے اللہ تعالیٰ ان کو بھی جزا دے۔ انشاء اللہ۔ ان میں خاص طور پر مکرم یعقوب امجد صاحب کھاریاں، مکرم اسد اللہ صاحب، مکرم ظہیر احمد ریحان صاحب، مکرم نصیب احمد بٹ صاحب، مکرم منور احمد صاحب لاہور کے اسماء قابل ذکر ہیں۔

اسی طرح شعبہ اشاعت کے کارکنان میں سے مکرم مبارک احمد خالد صاحب، مکرم قمر احمد محمود صاحب، مکرم عبد القیوم صاحب، مکرم انور احمد صاحب، مکرم لطیف احمد صاحب بھی شکریہ کے مستحق ہیں۔ خصوصاً مکرم مبارک احمد خالد صاحب مینیجر و پبلشر رسالہ ھذا جو کہ بیماری کے باوجود اس رسالہ کی اشاعت کے لئے ہمہ تن مصروف رہے۔

شعبہ کمپیوٹر کے کارکنان مکرم مقصود اظہر گوندل صاحب، مکرم سید صہیب احمد صاحب اور مکرم اقبال احمد زبیر صاحب بھی خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں اور پریس کے کارکنان نیز مکرم طارق محمود پانی پتی صاحب اور دیگر احباب کو بھی اللہ تعالیٰ جزاء دے اور اللہ تعالیٰ سب کی یہ خدمت قبول فرماتے ہوئے اجر عظیم سے نوازے۔ آمین (مدیر خالد)

رپورٹ پانچویں سالانہ پکنک مجلس عاملہ و کارکنان دفتر مع بچگان خدام الاحمدیہ پاکستان

منعقدہ ۵ اگست ۱۹۹۹ء احاطہ سوئمنگ پول ربوہ

(مرتبہ: مکرم شبیر احمد ثاقب صاحب۔ مہتمم صحت جسمانی)

اللہ تعالیٰ کے فضل و توفیق سے مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان اپنی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے ترقی کی منازل مسلسل طے کر رہی ہے۔ مجلس کے زیر انتظام جہاں خدام و اطفال کی تعلیمی، اخلاقی اور روحانی قدروں کو فروغ دینے کیلئے متنوع مفید پروگرام رکھے جاتے ہیں وہاں خدام کی جسمانی نشوونما اور تفریح طبع کے بھی سامان کئے جاتے ہیں جس کی ایک جھلک کے طور پر گزشتہ سالوں کی طرح امسال بھی مجلس کو حسب روایات مرکزی سطح پر اپنی سالانہ پکنک ۵ اگست ۱۹۹۹ء کو منعقد کرنیکی توفیق ملی۔ الحمد للہ علی ذلک

اس پکنک کے انعقاد سے پہلے تفصیلی سکیم بنائی گئی جو مجلس عاملہ میں معمولی ردوبدل کیساتھ منظور ہوئی۔ نیز پکنک کے کامیاب انعقاد کیلئے درج ذیل افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی۔

محترم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف۔ صدر کمیٹی

خاکسار شبیر احمد ثاقب سیکرٹری

اراکین کمیٹی۔ مکرم حافظ عبد الاعلیٰ صاحب، مکرم سلیم الدین صاحب، مکرم راجہ رشید احمد صاحب، مکرم حافظ حفیظ الرحمٰن صاحب اور مکرم مجد الدین صاحب مجد۔

پکنک کی تیاری کیلئے اس کمیٹی کے دو اجلاسات ہوئے جن میں جملہ انتظامات کا جائزہ لے کر ان کو مکمل کیا گیا نیز ان اجلاسات کی کاروائی محترم صدر صاحب مجلس کی خدمت میں پیش کر کے راہنمائی حاصل کی گئی۔

پکنک سے دو روز قبل پکنک پوائنٹ کا اراکان کمیٹی نے معائنہ کر کے ضروری اصلاحات تجویز کیں جن کی متعلقہ شعبوں نے بروقت تکمیل کرا دی۔

پکنک سے ایک روز قبل کراکری و دیگر ضروری سامان احاطہ سوئمنگ پول پر پہنچا دیا گیا۔ نیز ضروری اشیاء خوردنی و پھل وغیرہ قبل از وقت خرید کر محفوظ کر لی گئیں۔

اس پکنک میں مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان مجلس عاملہ اطفال الاحمدیہ پاکستان کارکنان دفتر و بچگان کو مدعو کیا گیا جن کی تعداد ایک سو بیس 120 سے زائد تھی۔

۵ اگست ۱۹۹۹ء بروز جمعرات کو صبح آٹھ بجے سوئمنگ پول کے شرقی لان میں شامیانے لگا دیئے گئے دریاں بچھائی گئیں اور ٹھنڈے پانی کا انتظام کر دیا گیا۔ سوئمنگ پول کا عملہ اور ارکان کمیٹی شرکاء کا

خیر مقدم کرنے کے لئے موجود تھے۔ آٹھ بجے سے شرکاء کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

سوئمنگ پول ربوہ پر یہ پہلی پکنک تھی اس لئے ماحول کی جدت اور خوبصورتی نے شرکاء کے ذوق و شوق کیلئے مہمیز کا کام کیا۔

شرکاء خصوصاً بچوں کے پر مسرت چہروں سے ان کی خوشی ہویدا تھی۔ باوجودیکہ سوئمنگ پول ربوہ کے قیام کو خاصا وقت گذر چکا ہے۔ لیکن بعض کارکنان و دیگر افراد نے سوئمنگ پول ربوہ پر یہ پہلا قدم رکھا۔ آج آکر انہوں نے جب اس کا نظارہ کیا تو انہیں احساس ہوا کہ اتنی دیر وہ کیوں اس سے دور رہے!

ربوہ میں برقی رو کے باربار اور بے حساب انقطاع نے سوئمنگ پول انتظامیہ کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وہ پول کو تازہ پانی سے بھر سکیں۔ جس کے نتیجے میں جہاں پانی چار فٹ ہوتا ہے آج صرف دو اڑھائی فٹ تک تھا گہرائی کی نسبت سے چھ اور بارہ فٹ والے حصے بھی اپنے ہدف سے خاصے نیچے تھے۔ مگر فائدہ یہ ہوا کہ چھوٹے بچے اور تیراکی نہ جاننے والے بھی بے دھڑک سوئمنگ پول میں کود پڑے۔

ساڑھے دس بجے شرکاء پکنک کو فروٹ چاٹ پیش کی گئی جس کے بعد کچھ تو وہیں لان میں بیٹھ کر کیرم بورڈ اور لڈو جیسی کھیلوں میں مشغول ہوگئے جبکہ اکثر نے سوئمنگ پول میں نہانا شروع کیا جہاں بچے اپنے ہم جولیوں کے ساتھ اچھل اچھل کر اپنے ارمان نکال رہے تھے تو بڑوں نے پول کے اندر نیٹ لگا کر والی بال کی دلچسپ گیم لگا رکھی تھی ان میں اکثر اناڑی اور نو آموز تھے یہ گیم کیا تھی بس محض شغل میلہ تھا مگر اس میں حصہ لینے والوں کو بعد میں احساس ہوا کہ پانی میں والی بال کھیلنا کتنا دشوار ہے۔

پروگرام کے مطابق ایک بجے دوپہر کا کھانا دیا گیا جو بریانی زردہ اور رائتہ پر مشتمل تھا پکانے والوں کی مہارت نے اسے لذیذ تو بنایا ہی تھا مگر بھوک کی شدت سے اس کا مزہ دو چند ہو گیا تھا۔ کھانا وافر بھی تھا اور اس کی ترسیل بھی ہر ایک تک بروقت اور مناسب مقدار میں تھی۔

کھانے کی تقسیم اور انتظام میں کسی قسم کی افراتفری تھی نہ بے صبری جو بعض فنکشنوں کے سارے مزے کو کرکرا کر دیا کرتی ہے۔

کھانے کے معابعد مکرم مجد الدین مجد صاحب نے ایک دلچسپ محفل سجائی جسے شائقین نے چائے کے ساتھ ساتھ نہایت ذوق و شوق سے سنا اور دیکھا اس میں ننھے منے بچوں نے نہایت پیاری آواز میں ترنم سے نظمیں پیش کیں بچوں نے لطائف سنائے جو ان کی توتلی زبانوں اور معصوم حرکتوں سے بہت بھلے لگتے تھے۔ محفل کا یہ سلسلہ پونے چار بجے تک جاری رہا اب ایک بار پھر سوئمنگ پول پر چڑھائی کی گئی مشاق تیراک اپنے خوبصورت غوطوں سے ناظرین کے دل جیت رہے تھے جبکہ نئے تیراک تیراکی سیکھنے کے لئے پانی سے پنجہ آزمائی کر رہے تھے ساڑھے چار بجے تک نہانے اور کھیل کود کا یہ سلسلہ چلتا رہا۔ پکنک کا آخری آئٹم یعنی آم اور کچی لسی تھی حاضرین کی خدمت میں آموں کی بہترین قسم چونسہ کے موٹے موٹے صحت مند اور نہایت اچھے آم پیش کئے گئے پھر کچی لسی سے تواضع کی گئی آخر پر سیکرٹری پکنک نے پروگرام کو سمیٹتے ہوئے جملہ حاضرین و شرکاء کا شکریہ ادا کیا خصوصاً ارکان کمیٹی و دیگر خدمت کرنے والوں کا شکریہ ادا کیا گیا صدر محترم نے آخری کلمات اور اجتماعی دعا کے ساتھ اس پکنک کے اختتام کا باقاعدہ اعلان فرمایا۔

انتظامیہ اور ارکان کمیٹی جملہ سامان کے سمیٹے جانے اور ماحول وغیرہ کی صفائی کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہوئے اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ پکنک بہت دلچسپ اور تفریح طبع کا باعث بنی اور اس سارے پروگرام کی سٹل فوٹوگرافی کی گئی اور ویڈیو بھی بنائی گئی آخر پر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پروگرام کے مثبت نتائج ظاہر فرمائے اور ہمیں اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین

رپورٹ کارگزاری ہائیکنگ کلب مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

اللہ تعالیٰ کے فضل سے امسال 6 مئی 1999ء تا 9 اگست 1999ء ہائیکنگ کلب آف پاکستان کی کارکردگی کی رپورٹ کے مطابق مجموعی طور پر اب تک 12 گروپس نے ٹریکنگ / ہائیکنگ کیلئے ہمار التعاون حاصل کیا۔ تفصیل یوں ہے۔

ا۔	۲۵ تا ۳۰ مئی	خدام لاہور	نتھیاگلی، بیرن گلی	۱۳ افراد
۲۔	۱۳ تا ۱۹ جون	طلباء وقف جدید ربوہ	سوات ویلی	۳۰ افراد
۳۔	۲۶ تا ۳۰ جون	خدام فیصل آباد	ہانس گلی	۹ افراد
۴۔	۳ جولائی تا ۱۱ جولائی	عملہ حفاظت خاص	نانگا پربت بیس کیمپ	۸ افراد
۵۔	۴ تا ۱۱ جولائی	خدام ربوہ	دودی پٹ	۴ افراد
۶۔	۵ تا ۱۱ جولائی	خدام ربوہ	سوات ویلی	۵ افراد
۷۔	۱۶ تا ۲۵ جولائی	دی ایکسپلوروز ہائیکنگ کلب	اودھیر ٹاپ۔ چترال	۹ افراد

طلباء واساتذہ جامعہ احمدیہ کے درج ذیل گروپس کو ہائیکنگ کا سامان فراہم کرنے میں تعاون کیا گیا

ا۔	۶ تا ۱۴ مئی	گلگت، سکردو	۱۰ افراد
۲۔	۲۵ جون تا ۲ جولائی	جل کھٹ ٹاپ	۸ افراد
۳۔	۱۵ تا ۲۲ جولائی	کاغان ویلی	۱۰ افراد
۴۔	۱۶ تا ۲۲ جولائی	کاغان ویلی	۹ افراد
۵۔	۲ تا ۹ اگست	سیرن ویلی	۸ افراد

مجموعی طور پر ۱۲۳ خدام نے تین ماہ کے عرصے میں ہائیکنگ کی ہے۔ الحمد للہ

والسلام۔ خاکسار

شبیر احمد ثاقب

انچارج ہائیکنگ کلب۔ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

ہم حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ اور تمام جماعت احمدیہ عالمگیر کی خدمت میں عالمی بیعت کے موقع پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

منجانب

ممبران مجلس خدام الاحمدیہ
و مجلس اطفال الاحمدیہ
ضلع راجن پور

شفقت کا ایک دلربا انداز

Monthly *Khalid* Rabwah

Regd. No . CPL - 139 Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz September 1999

یہ صدائے فقیرانہ حق آشنا پھیلتی جائے گی شش جہت میں سدا

قادیان

ربوہ